حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب
حیات اور کارنامے

تلخیص

مقالہ برائے

پی ایچ. ڈی

مقالہ نگار
عتیق الرحمٰن قاسمی
ریسرچ اسکالر، شعبۂ دینیات (سنی)

نگراں
پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی
شعبۂ دینیات (سنی)

شعبۂ دینیات (سنی)
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۲۰۱۱ء

تلخیص

تلخیص

الحمدلله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسوله الکریم محمد وآله واصحابه اجمعین

امابعد: ہندوستان کے علماء ومشائخ نے علومِ تفسیر، علومِ حدیث، علومِ فقہ، تصنیف وتالیف، درس وتدریس اوردعوت وتبلیغ کی جو بے بہا خدمات انجام دی ہیں وہ رہتی دنیا تک عوام وخواص میں قدرواحترام کی نگاہ سے دیکھی اور یاد کی جاتی رہیں گی۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلامی علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں ہندوستان کے دینی مدارس کے علماء وفضلاء نے جونمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں وہ نہ صرف علمی حلقوں میں لائقِ ستائش سمجھے جاتے ہیں بلکہ وہ یہاں کی تاریخ کے اوراق میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

ہندوستان کی دودینی درسگاہیں دارالعلوم دیوبند، مظاہرعلوم سہارنپور کے علماء ومشائخ نے اسلامی علوم وفنون کی ترویج واشاعت اوراصلاح معاشرہ کے سلسلے میں جوغیرمعمولی کارنامے انجام دیئے، ان کا احاطہ مشکل نہیں تو دشوارکن ضرور ہے۔

مولانا شاہ ابرارالحق حقی بھی ان چنیدہ علماء، صلحاءِ امت اور داعیان حق کی اہم کڑی تھے، جنھیں برصغیر کے عوام وخواص میں یکساں مقبولیت واعتماد حاصل تھا، وہ خلقِ خدا کی دینی آرزوؤں کا مرکز، علماءِ عظام کی جائے امید، نیز اتباعِ سنت، دین کی عملی تعلیمات کے حصول، عقیدے کی درستگی اور تعلق مع اللہ کی مضبوطی اور استحکام کی لگن اور تڑپ رکھنے والوں میں واحد مرجع تھے۔ تزکیہ واحسان کی دنیا میں حکیم الامۃ حضرت تھانوی (۱۲۸۰ھ-۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳ء-۱۹۴۳ء) کے خلفاء میں صرف شاہ صاحب ہی اب تک بہ قید حیات تھے، جو بندگانِ خدا کو سیدھا راستہ دکھانے، ان کا خدا سے رشتہ جوڑنے اور سنت نبوی اور شریعت محمدیؐ کے قالب میں ڈھالنے کے لیے ہر وقت فکر مند رہتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے

آپ کو عامۃ الناس کی نگاہ میں مقبولیت اور محبوبیت سے نوازا تھا۔

مولانا شاہ ابرار الحق حقی نے ۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ/ ۲۰؍دسمبر ۱۹۲۰ء کو اتر پردیش کے شہر 'ہردوئی' کے ایک دیندار گھرانے میں آنکھیں کھولیں، والد ماجد محمود الحق حقی پیشے سے وکیل تھے اور حضرت تھانوی سے مجازِ بیعت تھے، آپ کا آبائی وطن دہلی کے نواح قصبہ 'پلول' (ہریانہ) تھا۔ کچھ زمانہ جونپور میں گزار کر پھر شہر ہردوئی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

آپ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے ہندوستان کے مشہور محدث شیخ عبدالحق دہلوی (۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) سے جا ملتا ہے۔

شاہ صاحب کی رسمِ بسم اللہ دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث مولانا سید اصغر حسین میاں دیوبندی (۱۳۶۴ھ/۱۹۴۴ء) نے کرائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد کی قائم کردہ انجمن اسلامیہ کے زیر انتظام چلنے والے مدرسہ سے حاصل کی۔ تقریباً دس سال کی عمر میں آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء میں ہندوستان کی مایہ ناز دینی درس گاہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہو کر حصولِ علم میں ہمہ تن منہمک ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ ذکر و عبادت کی پابندی اور وقت کے صحیح استعمال سے آپ مثالی طالب علم ثابت ہوئے۔ آپ نے تعلیمی سال ۱۳۵۵-۱۳۵۶ھ میں دورۂ حدیث شریف کا ششماہی امتحان اول نمبر سے پاس کیا تھا۔ جس سے خوش ہو کر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی ابوداؤد کی عربی شرح 'بذل المجہود' مکمل سیٹ انعام میں مرحمت فرمائی۔ سخت بیماری کی وجہ سے سالانہ امتحان نہ دے سکے جس کی وجہ سے اعادۂ سال کرنا پڑا۔ اور پھر دورۂ حدیث اور تخصص کے سالانہ امتحانوں میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی میں ہی حضرت تھانوی سے وابستہ ہو گئے، حضرت تھانوی نے آپ کے صلاح و تقویٰ کو دیکھتے ہوئے صرف ۲۲ سال کی عمر میں اجازت و خلافت عطا کر دی تھی۔

شاہ صاحب کی اعلیٰ تعلیم سے فراغت کے بعد مظاہر علوم کی انتظامیہ نے بطور معین مدرس آپ کا انتخاب کر لیا، اس طرح دو سال آپ نے اپنے مادرِ علمی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر حضرت تھانوی کے ایماء پر انہی کے قائم کردہ مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور (کانپور) میں تقریباً دو سال تک تدریس

کے فرائض بہت محنت اور لگن کے ساتھ انجام دیئے۔ دو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد حضرت تھانوی کے اشارے پر مدرسہ اسلامیہ فتح پور ہنسوہ تشریف لے گئے۔ یہاں بھی دو سال تدریس سے وابستہ رہے۔

پھر حضرت تھانوی ہی کی ہدایت پر اپنے شہر ہردوئی میں 'اشرف المدارس' کے نام سے (۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء) میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ اور وقت کو صحیح مصرف میں خرچ کرتے ہوئے مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت، ان میں دین کی صحیح تخم ریزی اور مادیت کے سیلاب بلاخیز میں بہہ جانے سے بچاؤ کے عظیم مقصد سے عرصۂ دراز تک تنہا ہی مقررہ درسی کتابوں کی تدریس کی ذمہ داری سرانجام دیتے رہے۔ اور آخر تک مدرسہ کی خدمت کے لیے اپنا تن من دھن وقف کر دیا اور ایسا نظام تعلیم وتعلم مرتب کیا جو اصول وقوانین کی پابندیوں سے اور حسن وانتظام کی سلیقہ شعاری سے مکمل نظر آتا ہے۔

آپ نے ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء میں حضرت تھانوی کی قائم کردہ 'مجلس دعوۃ الحق' میں از سرِ نو جان ڈالی۔ کیوں کہ حضرت تھانوی کی وفات کے بعد یہ مجلس بے جان ہو کر رہ گئی تھی۔ اس مجلس کا مقصد تھا بدعات وخرافات کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنا، مسلم معاشرے میں صلاح وتقویٰ کی روح پھونکنا، غیر اسلامی رسم ورواج کی آلائشوں سے پاک صاف کرنا، تعلیمی پس ماندگی کے خاتمے، مسلم بچوں میں تعلیمی بے داری لانے اور انھیں دین کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے بڑے پیمانے پر مہم چلانا، نیز دینی مکاتب کا جگہ جگہ قیام، دعوتی پروگرام اور اجتماعات منعقد کرنا، یہ سب مجلس دعوۃ الحق کے مقاصد میں شامل ہیں۔

شاہ صاحب کی ذاتِ گرامی سے متعلق خدمتِ قرآنِ کریم کا موضوع بھی آپ کی شانِ تجدید کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ قرآنِ کریم کو اس کے حروف کی صحیح ادائیگی یعنی تجوید وقرات کے قواعد کی مکمل رعایت کرتے ہوئے پڑھانے کو انھوں نے اپنے لیے مشن بنالیا تھا۔ اور پھر اس مشن کو بڑے پیمانے پر پھیلانے کے لیے پختہ عہد کرلیا تھا کہ آخر دم تک اپنے کو اس راہ سے الگ نہیں کریں گے، اس طرح آپ نے اس شعور کو عامۃ المسلمین میں بیدار کیا، جس کی بازگشت سے ہندو بیرونِ ہند کے مکاتب ومدارس کے بام ودر بھی گونج اٹھے۔

موصوف نے مختلف اسلامی موضوعات پر پچیس سے زائد کتب، رسائل اور پمفلٹ تحریر کیے اور

پھر بڑے پیمانے پر بار باران کی اشاعت کا اہتمام کیا۔آپ کی ان تحریرات میں دین کی طرف امتِ مسلمہ کی بازگشت کی دعوت، مسلمانوں میں درآنے والی برائیوں کی اصلاح، امت کی کجی و بے راہ روی کو درست کرنے کی فکر جیسے بنیادی اوراہم موضوعات شامل ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جن برائیوں میں لوگوں کا ابتلائے عام دیکھتے، ان کے علاج کے لیے ناگزیر موضوعات پر کتاب، رسالہ یا پمفلٹ تحریر کردیا کرتے تھے۔

یہ مسلم حقیقت ہے کہ ایسے بہت سارے عالمِ دین اور داعی بآسانی مل جائیں گے جوامر بالمعروف تو کرتے ہیں اور خیر کی دعوت بھی دیتے ہیں، لیکن منکر پر نکیر کرنے والے شاذونادر ہی ملیں گے۔شاہ صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو دین کے معاملہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، اور برائیوں کا جو بھی ارتکاب کرتا بے چین ہوجاتے تھے اور پھر اس پر نکیر کیے بغیر نہ رہتے تھے۔آپ اس سلسلے میں حکمت ومصلحت، حالات کی رعایت اور نہی عن المنکر کے عظیم فریضہ کی انجام دہی میں دانش مندانہ آہستہ روی کے ساتھ جرأت مندی سے کام لیتے تھے۔شاہ صاحب کو معاصر علماء سے جو چیز ممتاز کرتی تھی وہ آپ کا سننِ نبویہ کے احیاء کا حد درجہ اہتمام تھا۔خود بھی زندگی کے تمام شعبوں مثلاً چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے،سونے جاگنے، کھانے پینے، آرائش وزیبائش،لوگوں سے ملاقات وزیارت، مریض کی عیادت اور عبادات ومعاملات سے لے کر اجتماعی اور انفرادی زندگی میں اتباعِ سنت کے پابند تھے، اپنے رفقاء واردین وصادرین کو بھی اس کا پابند بناتے تھے اور تنبیہ کرتے تھے کہ اپنے حالات کو سنت کے مطابق کرو۔

آپ کی اس محنت سے ہزارہا لوگوں کے وضو، نماز سنت کے مطابق ہوگئے، نہ جانے کتنوں کی اذان واقامت درست ہوگئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے اس شعبے کا آپ کو مجدد مانا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

عام طور پر عوام اور بعض خواص بھی یہ تصور کرتے ہوئے غفلت وبے اعتنائی اور سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ بھلا اذان واقامت بھی کوئی ایسی چیز ہے جس پر توجہ دی جائے۔آپ نے اذان واقامت کے حوالے سے مسلمانوں کی حد درجہ غفلت شعاری کا ادراک کیا، اور دونوں کی اصلاح کو اپنے

مشن کا اہم حصہ بنالیا۔ آپ صرف ان دونوں کے حروف وکلمات کی تصحیح پر ہی اکتفا نہ کرتے، بلکہ مدات کی درستگی، درازئ الف خصوصاً لفظ 'اللہ' کے درمیان الف کو کھینچنے سے منع کرتے تھے۔ مؤذنین، ائمہ اور مدارس کے طلباء کو اذان واقامت خود سکھاتے اور مدارس کے طلبا کو سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی طرف توجہ دلاتے تھے۔

انتقال سے دوسال قبل فالج کا حملہ ہوا تھا۔ کئی مہینے مسلسل علاج کے بعد الحمدللہ آپ صحت یاب ہوگئے تھے۔ معالجین نے احتیاط برتنے کو کہا تھا لیکن شاہ صاحب نے اصلاح وتربیت کے معمولات میں کچھ زیادہ ہی اضافہ کردیا تھا۔

۸/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ/ ۱۷/مئی ۲۰۰۵ء بروز سہ شنبہ حسبِ معمول عصر کے بعد کی مجلس منعقد ہوئی، اس کے بعد کمزوری زیادہ ہوگئی۔ مغرب کی نماز حجرہ میں جماعت کے ساتھ ادا فرمائی۔ نماز کے بعد اچانک حلق سے غیر معمولی بلغم آیا اور طبیعت میں اضمحلال پیدا ہوگیا۔ بلغم نے آہستہ آہستہ خون کی شکل اختیار کرلی۔ بعد مغرب ڈاکٹر مہیشوری نے احتیاط کے طور پر لکھنؤ لے جانے کا مشورہ دیا۔ تقریباً ۸ بج کر ۴۰ منٹ پر گاڑی میں رکھ کر مدرسہ سے باہر ہی نکل پائے تھے کہ روح پرواز کرگئی۔

اگلے روز چہارشنبہ کو ۹ بجے ہردوئی کی عیدگاہ میں آپ کے خصوصی رفیق ومعاون قاری امیر حسن سیوانی (صدر مدرس درجات عالیہ مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی) نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک کے ہم عصر علماء ومشائخ نے بھی آپ کی حیات، سننِ نبویہ کا احیاء، تصحیح قرآن کریم واذان واقامت نیز طریقۂ اصلاح کے سلسلے میں اچھے تأثرات کا اظہار کیا ہے۔ اور آپ کے طریقۂ اصلاح کو عوام وخواص کے سامنے استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم

عتیق الرحمٰن قاسمی

شعبۂ سنّی دینیات
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

☎ { Off. : Ext. 2701166
Int. : 1780

DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH-202 002, INDIA

Ref. No. ....

Dated 25/4/2011

TO WHOM IT MAY CONCERN

This is to certify that Mr. Ateequr Rahman research scholer department of Sunni Theology has completed his Ph.D. Thesis entitled

''حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حیات اور کارنامے''

under my supervision. The work is original and based on field work and library research.

25/4/11

Prof. M. Saood Alam Qasmi

supervisor

فہرست مضامین

مقدمه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے یہ امر باعثِ افتخار ہے کہ یہاں کے علماء کرام نے تبلیغ دین، اسلامی علوم وفنون کی اشاعت اورادب وثقافت کے فروغ کے لیے جوجدوجہد کی ہیں اور پھران جدوجہد کے نتیجے میں جونمایاں کارنامے انجام دیئے، یہ کارنامے اپنی کمیت اورقدرومنزلت کے اعتبار سے دنیا کے دیگراسلامی ممالک سے کسی بھی طرح کم وقعت نہیں رکھتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ علماءِ ہندکی ان زریں خدمات کومنظرِ عام پرلانے کے لیےاوران کی علمی ودینی اوراصلاحی کاوشات کوتاریخ کے صفحات پرپیش کرنے کے لیے بہت سی کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔جوان حضرات کے کارناموں کابین ثبوت ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت اس دارِفانی میں بھی کچھ ہستیاں ایسی بھیج دیتے ہیں جودنیا سے چلے جانے کے بعدبھی صفحۂ عالم پراپنے اوصافِ حمیدہ ،کمالاتِ جلیلہ اورخدماتِ عظیمہ کاایک ایسانقش چھوڑ جاتی ہیں جوآئندہ آنیوالی نسلوں کے لیے نہ صرف مشعلِ راہ کاکام دیتی ہیں، بلکہ اس کی روشنی سے اپنی اپنی زندگیوں کومنورکرنے کی راہنمائی بھی کراتی ہیں۔یوں تواللہ نے اس دنیا میں بہت سارے ایسے لوگ پیدافرمائے جنھوں نے انسانی رشدوہدایت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں۔اوربھٹکے ہوئے اورگمراہ راستوں پرچلنے والوں کواپنی تعلیمات کے ذریعہ راہِ راست پرلے آئے تھے ،بیسویں اوراکیسویں صدی کی ایک ایسی ہی مایہ نازہستی اورنابغۂ روزگارشخصیت مشعلِ راہِ طریقت ،منبع رشدو ہدایت ،صاحب فہم وبصیرت ،خلیفہ حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ مولاناشاہ ابرارالحق حقی کی تھی۔

آپ کی ولادت ۲۰دسمبر۱۹۲۰ء مطابق ۷جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ شہرہردوئی میں ہوئی ۔ والد بزرگوارشہرہردوئی کے ناموروکیل تھے۔نہایت دیندار، پابندشرع انسان تھے۔اورحضرت تھانوی کے مجازبیعت تھے، آپ اکثروبیشترفرزندِ ارجمندابرارالحق (شاہ صاحب) کوحضرت تھانوی کی خدمت میں ساتھ لیجایاکرتے تھے۔حضرت تھانوی کی نگاہِ مردم شناس شاہ صاحب پربرابرپڑتی رہی ، حالانکہ وہ زمانہ

شاہ صاحب کے بچپن اور طالب علمی کا تھا۔اس کے باوجود حضرت تھانوی کی نگاہِ دور بین نے دیکھ لیا تھا۔

آپ کی رسم بسم اللہ اس وقت کے مشہور بزرگ مولانا میاں اصغر (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے دست مبارک سے کرائی گئی تھی۔ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد ماجد کے قائم کردہ ادارہ ''انجمن اسلامیہ'' کے تحت ایک مدرسہ میں حاصل کی۔ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ شاہ صاحب بچپن ہی سے نہایت ذہین اور زبردست قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے صرف آٹھ سال کی عمر میں حفظِ قرآن کی سعادت حاصل کرلی تھی،ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب مزید علم کی تشنگی بڑھی تو علم کی تکمیل کے لیے آپ کو آپ کے والد ماجد نے ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل کرادیا۔وہاں آپ نے اپنے زمانے کے مشہور اساتذۂ کرام کی زیر تربیت اپنی تعلیم مکمل کی۔

مادرِ علمی مظاہر علوم میں جن اساتذۂ کرام سے آپ نے تعلیم حاصل کی،ان کے اسماء گرامی کچھ اس طرح ہیں۔مولانا عبداللطیف (ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری،مولانا منظور احمد اور عالمی شہرت یافتہ بزرگ عالمِ دین اور تبلیغی نصاب کے مصنف شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قابلِ ذکر ہیں،مظاہر علوم کی تدریسی زندگی کے دوران آپ نے حضرت تھانوی کی خدمت میں آمدورفت کا سلسلہ قائم کیا۔اور اکثر چھٹی کے ایام حضرت تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون گزارتے تھے،حضرت تھانوی نے ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' دیکھ کر آپ کو صرف ۲۲ سال کی عمر میں خلافت عطا فرمادیا تھا آپ حضرت تھانوی کے تمام خلفاء میں سب سے کم عمر خلیفہ تھے۔

آپ پر شیخ کی محبت کا اس قدر غلبہ تھا کہ جو مدرسہ آپ نے ۱۹۴۲ء میں ہردوئی جیسے پسماندہ علاقہ میں قائم فرمایا اس کا نام بھی اپنے پیرو مرشد کے نام کی مناسبت سے ''اشرف المدارس'' رکھا، جو آج ملک کے مدارسِ عربیہ میں ممتاز اور نمایاں مقام رکھتا ہے۔اس مدرسہ کے قیام کا مقصد نہ صرف علم پھیلانا بلکہ اس کا اصل مقصد آپ کے پیش نظر یہ تھا کہ لوگوں کو آنحضور ﷺ کی طرزِ زندگی کے مطابق زندگی گزارنے کا سلیقہ آجائے،آپ کی ذات قرآن وسنت پر عمل کرنے اور دوسروں کو عمل کرانے کے لیے وقف تھی اور کوئی عمل بھی سنت کے خلاف نہیں ہوتا تھا۔نہ ہی دوسروں کے خلاف سنت عمل کو پسند کرتے تھے۔بس ہر وقت

اصلاحِ امت کی فکر دامن گیر تھی۔آپ کا مشن اور پیغام امر بالمعروف ونہی عن المنکر تھا۔

اس معاشرے میں بہت سارے عالم دین اور داعی آسانی سے مل جائیں گے جو امر بالمعروف کرتے ہیں اور خیر کی دعوت دیتے ہیں، لیکن منکر پر نکیر کرنے والے شاذ ونادر ہی ملیں گے۔ دعوتی سرگرمیوں کا بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ امر بالمعروف داعیوں کے لیے نہی عن المنکر سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ امر بالمعروف ایک مثبت عمل ہے۔ جو کہ شاید آمر پر گراں بار ہوتا ہے۔ لیکن نہی عن المنکر دونوں ہی فریق کے لیے یکساں دشوار گزار ہے۔ کیوں کہ نہی عن المنکر کرنے والے شخص کو مخاطب کی طرف سے اکثر وبیشتر روگردانی، بغض وعداوت اور منفی ردِعمل کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ لیکن شاہ صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو دین کے معاملے میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور جو کوئی بھی برائی کا ارتکاب کرتا آپ بے چین ہو جاتے تھے۔ اور پھر اس پر نکیر کیے بغیر نہیں رہ پاتے تھے اور اس سلسلے میں مصلحت، حالات کی رعایت اور نہی عن المنکر کی انجام دہی میں دانشمندانہ آہستہ روی کے ساتھ جرأت مندی سے بھی کام لیتے تھے، اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ آپ حضرت تھانوی کی تربیت گاہ کے تربیت یافتہ تھے، کیونکہ حضرت تھانوی دین کے دونوں شعبوں (اوامر ونواہی) میں ایسی ہی حکمت اور دانشمندی سے کام لیا کرتے تھے، جس پر قرآن وحدیث نے بے انتہا زور دیا ہے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ شاہ صاحب امر بالمعروف سے زیادہ نہی عن المنکر پر زور دیتے تھے۔

موصوف نے معاشرے میں پھیلی ہوئی بہت ساری غلط باتوں کی اصلاح کی، عبادات، معاملات، حقوق اللہ وحقوق العباد کے حوالے سے جو خرابیاں معاشرے میں پھیل گئی تھیں۔ ان کا آپ نے بڑے حکیمانہ انداز میں ازالہ کیا، جیسے ٹخنوں سے نیچے لباس، داڑھی مونڈوانے، تصویر کشی، غیبت، چغل خوری، اجنبی عورت پر نظر ڈالنے سے، مال میں اسراف اور فضول خرچی، شادی بیاہ اور موت میں غیر اسلامی رسومات، والدین کی نافرمانی، رشتہ داروں سے قطع تعلق، وراثت میں لڑکیوں کو حصہ نہ دینا، ان کے علاوہ جتنی برائیوں کے جراثیم مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں سرایت کر گئے تھے، آپ ان سب سے عوام وخواص کو روکا کرتے تھے۔ منکرات پر تنبیہ کے تعلق سے آپ کا دور دور تک شہرہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے سامنے منکرات کے دائرے میں آنیوالے کسی بھی عمل کے ارتکاب کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی، اور وہ

شخص آپ کی نکیر سے پہلے ہی اس سے رک جاتا تھا،

آپ کی ذات بہت سی خوبیوں کی حامل تھی ۔دین کی اشاعت اور تصحیح قرآن کریم کا اس قدر خیال کہ ہروقت یہ فکر رہتی کہ ہر انسان صحیح قرآن کریم پڑھنے لگے، اکثر اپنے مواعظ وتقاریر میں اس کی اہمیت و افادیت بڑے دلکش انداز میں بیان فرماتے تھے ۔اس سلسلے میں آپ نے بے انتہا تکالیف برداشت کیں، اور ملک و بیرونِ ملک کے اسفار بھی کیے۔ سچ تو یہی ہے کہ آپ قرآن وسنت کی تعلیم پر پوری زندگی زور دیتے رہے کہ قرآن کیسے پڑھا جائے اور کیسے سیکھا جائے، اسی مقصد کے تحت آپ نے نورانی قاعدہ کو کچھ مفید اضافوں کے ساتھ مرتب فرمایا، جو آج بھی بیحد مقبول ہے اور طلباء و اساتذہ دونوں کے لیے یکساں مفید ہے ۔اس میں اساتذۂ کرام کو سمجھنے اور طلباء کو سمجھانے کا بڑا آسان اور دل نشیں طریقہ بتلایا گیا ہے، مثلاً مخارج کی ادائیگی ،حروفِ حلقی ،حروفِ قلقلہ ،حروفِ یرملون اور ادغام واظہار وغیرہ کو بڑے اچھے انداز میں سمجھایا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ نے ہزاروں کم پڑھے لکھے لوگوں کے شین، قاف درست فرما کر اللہ کے ساتھ ساتھ روزی روٹی سے بھی جوڑ دیا ہے، یہ یقیناً آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

آپ نے مختلف اسلامی موضوعات پر ۲۵ سے زائد کتابیں اور رسائل لکھے ۔جن کا مقصد صرف مسلمانوں میں در آنیوالی برائیوں کی اصلاح اور امت کی کجی اور بے راہ روی کو درست کرنے کی فکر جیسے بنیادی اور اہم موضوعات ہیں۔امت کی اصلاح کی فکر آپ کے اندر اس قدر پیوست ہو چکی تھی کہ رات و دن کسی بھی لمحہ سکون میسر نہ آتا تھا۔جن برائیوں میں لوگوں کو مبتلا ہوتے دیکھتے ،ان کے علاج کے لیے ناگزیر موضوعات پر کتاب یا رسالہ تیار کرتے ، پھر اس کو بڑے پیمانے پر عام کرنے کا حکم دیتے تھے۔

آپ کے ملفوظات وافادات کو آپ کے خلیفہ مولانا حکیم محمد اختر (کراچی، پاکستان) نے ''مجالس ابرار'' کے نام سے کتابی شکل میں مرتب کر کے شائع کی ہے ۔ یہ ملفوظات وافادات کا مجموعہ نہ صرف اصلاحِ امت کے لیے بلکہ طلباء واساتذہ کے لیے بھی بڑا کارآمد ہے ۔آپ کی ایک اور اہم کتاب ''ایک منٹ کا مدرسہ'' ہے جس کو آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے لکھا ہے ۔صرف ایک منٹ میں کئی دینی اور اہم باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ بلکہ ذرا غور سے پڑھا یا سنا جائے تو یاد بھی ہو جاتی ہیں ۔اب تک سینکڑوں ایڈیشن اردو، ہندی، انگریزی میں شائع ہو چکے ہیں۔

شاہ صاحب نے ۴ صفر ۱۳۷۰ھ بمطابق ۱۹۵۲ء میں اپنے پیرومرشد حضرت تھانوی کی قائم کردہ مجلس ''مجلس دعوۃ الحق'' میں ازسرنو جان ڈالی، اس کا مقصد تھا، بدعات وخرافات کو معاشرے سے ختم کردینا اور مسلم معاشرے میں صلاح وتقویٰ کی روح پھونکنا۔ اسے غیراسلامی رسم ورواج کی آلائشوں سے پاک وصاف کرنا، تعلیمی پسماندگی کے خاتمے، مسلم بچوں میں تعلیمی بیداری لانے اورانہیں دین کی ان بنیادی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے بڑے پیمانے پر مہم چلانا، جن کے بغیر ان کا مسلمان رہنا ممکن نہیں، جگہ جگہ دینی مکاتب کا قیام، دعوتی پروگرام اور اجتماعات منعقد کرانا اوران کے ذریعہ بڑوں اور چھوٹوں کو دین حاصل کرنے کی طرف رغبت دلانا مقصود ہوتا تھا۔ چوں کہ حضرت تھانوی کے انتقال کے بعد یہ مجلس (مجلس دعوۃ الحق) بے جان ہوکر رہ گئی تھی، آپ نے اپنے پیرومرشد کی قائم کردہ مجلس کا ازسرِ نو آغاز کیا اور پھر ملک وبیرونِ ملک میں اس کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے انتھک کوششیں کیں، تمام تر دقتوں اور پریشانیوں کے باوجود دیکھتے ہی دیکھتے اس مجلس کے اثرات ہندوستان سے متجاوز ہوکر دیگر ممالک خصوصاً افریقہ، امریکا، عرب ممالک، پاکستان اور بنگلہ دیش تک پہنچ گئے، اس مجلس کے تحت اجراء مکاتب ومدارس کا کام ضلع ہردوئی میں ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ سے شروع ہوا اور اس مجلس کی زیرنگرانی پہلا مکتب موضع اسہی اعظم پور ضلع ہردوئی میں قائم ہوا۔ بحمد للہ بوقت انتقال ان مکاتب ومدارس کی تعداد سو سے متجاوز ہو چکی تھی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے مدرسہ ''اشرف المدارس'' اور مجلس دعوۃ الحق کے زیرنگرانی دیگر مکاتب ومدارس میں عوامی چندوں پر تکیہ کرنے اوراس کو کمائی کا ذریعہ بنالینے سے مکمل گریز کرنے کے حوالہ سے اپنے شیخ حضرت تھانوی کے ہی اصول اور طریقہ کار پر عمل کیا۔ اسی لیے آپ نے ''چٹکی'' کا انوکھا اور مثالی نظام قائم کیا، مسلمان عورتوں سے یہ اپیل کی کہ وہ تینوں وقت (صبح دوپہر شام) آٹا اور چاول میں سے قدرِ چٹکی نکال لیا کریں کہ اہلِ خانہ کی خوراک میں کمی نہ ہو اور پھر اسے کسی برتن میں اکٹھا کرکے مکاتب میں پڑھنے والے بچوں کے ہاتھ بھجوادیں، مگر ہاں مخلص لوگوں کے چندے کو آپ قبول کرلیا کرتے تھے، جو صرف آخرت کے اجر وثواب کے طلب گار ہوتے تھے۔

آپ زندگی کے ہر گوشے میں نظم ونسق کو پسند کرتے تھے۔ بدنظمی اورانتشار سے آپ کا دل دکھتا

تھا۔یعنی آپ حددرجہ اصول پسند تھے ،خودبھی اس پر عمل کرتے اوردوسروں کوبھی اس کا پابند بناتے تھے، احقر نے بذاتِ خود آپ کے مدرسہ کا مشاہدہ کیا ہے۔کاغذ کا کوئی ٹکڑاایسا دیکھنے کونہیں ملا جو ہوا کے دوش پر اِدھراُدھر اڑ رہا ہواور نہ ہی مدرسہ کے درودیوار پر پان کی پیک کے دھبوں کا کوئی نشان نظر آیا، ہر سامان اور ضرورت کی چیز اپنی جگہ رکھی ہوئی نظر آئی ،دیکھنے سے محسوس ہورہا تھا کہ آپ صفائی ستھرائی کو بہت پسند فرماتے تھے،ایک شان آپ کی یہ بھی تھی کہ آپ خلقِ خدا کے ساتھ رحم دلی سے پیش آتے تھے،،نرم مزاج و نرم خواورخوش اخلاق تھے،شیریں کلامی موصوف کی امتیازی شان تھی ، جوانہیں دیگر داعیوں سے ممتاز کرتی تھی اور پھر آپ اسی نرم گوئی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلیتے تھے،طلبہ اورمریدین پرآپ شفیق باپ کی طرح تھے۔اس بات پر بڑا زور دیا کرتے تھے کہ مدارسِ اسلامیہ سے منسلک حضرات کو باطن پر ظاہر سے زیادہ توجہ دینی چاہیے اور ذمہ داروں کوقول وعمل میں سچا اور حقیقت پسند ہونا چاہیے۔

یہاں شاہ صاحب کے تعلق کا ذکر شہر علی گڑھ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے نہ کرنا نہایت ہی ناانصافی ہوگی، کیوں کہ آپ کا تعلق شہر علی گڑھ سے بہت زیادہ تھا۔آپ کے معالج جسمانی اورعزیز ترین داماد حکیم کلیم اللہ کا قیام علی گڑھ واقع انونہ ہاؤس سول لائن میں ہے۔ یہاں علاج ومعالجہ کے ساتھ ساتھ دینی تربیت کا نظام بھی چلتا رہتا تھا۔ یونیورسٹی کی جامع مسجد میں بھی خطاب فرمایا کرتے تھے۔ یونیورسٹی کے اکثر دیندار پروفیسر حضرات آپ کی مجلس میں شرکت کرتے تھے۔آپ ان کی دعوت پران کی قیام گاہ پر بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور ۵منٹ دینی گفتگو فرما کر واپس آجاتے تھے۔ اس طرح علی گڑھ واطراف میں آپ کی آمد سے بہت فائدہ ہوا۔علی گڑھ کے نوابین کوآپ سے گہرالگاؤ تھا اورآپ کی آمد کو باعثِ سعادت سمجھتے تھے چوں کہ آپ داعی تھے اس لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔جس میں نصیحت کا پہلو نہ ہو۔

مذکورہ بالا اوصاف وامتیازات کی روشنی میں آپ بے بدل عالم وداعی اورمربی تھے،جن کے قول وعمل میں یکسانیت تھی ، بلکہ آپ کی بات کا منبع وسرچشمہ ہی عمل ہوتا۔آپ نے اصلاح وتربیت،اسلامی احکام،اورسنت نبوی کی دعوت دینے میں اپنے نقشِ قدم پر چلنے والوں کی بڑی تعداد چھوڑی ہے۔

۱۷مئی ۲۰۰۵ء بمطابق ۸ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ بروز سہ شنبہ تقریبا۹ بجے اپنے عقیدت مندوں، بے

شمار سوگواروں، شاگردوں اور نہ جانے کتنے چاہنے والوں اور ماننے والوں کو چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

شاہ صاحب کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد روحانیت کا جو عظیم نقصان ہوا ہے اس کی تلافی اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ پورے عالم کے لیے آپ کی ذات روحانی معالج کی حیثیت سے مشہور تھی، آپ کے جنازے میں ملک کی اہم دینی اور روحانی شخصیات موجود تھیں، جن میں مدارسِ اسلامیہ کے اساتذۂ کرام اور طلباء آپ کے مریدین وخلفاء اور عقیدت مند موجود تھے۔

شاہ صاحب کی شخصیت عوام وخواص کے لیے گرانقدر سرمایہ تھی، اس لیے اشد ضرورت تھی کہ شاہ صاحب کی شخصیت اور آپ کے علمی اور اصلاحی کارناموں کا مفصل اور علمی جائزہ لیا جائے، جس میں آپ کی شخصیت علمی اور اصلاحی کاوشات کا تفصیلی گوشہ سامنے آجائے۔ میں نے شاہ صاحب کی حالاتِ زندگی علمی واصلاحی کارناموں کی تحقیق کے سلسلے میں بنیادی مآخذ کے طور پر (۱) حیاتِ ابرار (۲) نقوشِ ابرار (۳) حیاتِ محی السنہ (۴) سوانح حضرت مولانا ابرارالحق حقی (۵) مجالسِ ابرار (۶) ذکرابرار وغیرہ کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ لیکن اب تک شاہ صاحب کی شخصیت پر جو کتابیں منظرِ عام پر آئیں ہیں، وہ عام طور سے آپ کی ذات وخدمات کا تکمیلی طور پر احاطہ نہیں کرتیں۔ مثلاً بعض کتابوں میں آپ کی مجالس اور داعیانہ پہلو کو محورِ سخن بنایا گیا ہے۔ بعض میں صرف آپ کے اصلاحی کارناموں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے جب کہ میں نے اپنے اس مقالہ میں استطاعت کے مطابق اس کام کی انجام دہی میں بھرپور کوشش کی ہے۔ جس میں آپ کے خانوادہ اور ولادت سے لے کر تعلیم وتربیت، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، علالت وفات، علمی واصلاحی کارنامے، معاصرین کے تأثرات اور آپ کے تربیت یافتہ مجازین وغیرہ متنوع پہلو کا انحصار کیا ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اپنے مقالہ میں جن امور پر بحث کی ہے ان کا تعارف کرادیا جائے تاکہ مقالہ کا حاصل ایک نظر میں سامنے آجائے۔

میں نے اس تحقیقی مقالہ کو حسب ذیل چار ابواب میں منقسم کیا ہے۔

(۱) پہلا باب: خاندانی حالات۔ اس میں شاہ صاحب کے مشائخ وخاندان، پیدائش، تعلیم و

تربیت،مخصوص اساتذۂ کرام،تصوف وسلوک،پیرومرشداورعلالت وفات کاتفصیلی تذکرہ ہے۔

(۲)دوسراباب:علمی کارنامے:اس میں تدریسی خدمات،تصحیح قرآن،اورآپ کی قائم کردہ مجلس دعوۃ الحق اوراس کے ضمن میں مدارس ومکاتب کا قیام،اورآپ کی تصانیف وتالیفات کی خدمات کو اجاگرکیاگیاہے۔

(۳)تیسراباب:اصلاحی کارنامے:اس باب میں شاہ صاحب کاطریقۂ دعوت وتبلیغ،احیاءِسنت اورمعاشرے کی اصلاح کے پہلوپرگفتگوکی گئی ہے۔

(۴)چوتھاباب:معاصرین کے تأثرات،شاہ صاحب کے ہم عصرعلماءودانشوروں کےآپ کے بارے میں کیاتأثرات ہیں،ان کےاوپرروشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ کام اسی ضرورت کومدِنظررکھتے ہوئے ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔مزیدبرآں میرے لیے یہ فخرکی بات ہے کہ مجھ جیسے ناتواں کوشاہ ابرارالحق صاحب کی حیات بابرکت کے کارناموں پرروشنی ڈالنے کااللہ نے موقع عنایت فرمایا۔دعاءگوہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کوقبولیتِ تامہ عطاءفرمائے۔

نیزجوموادکتابوں سے دستیاب نہ ہوسکاان کی جمع وتدوین کے لیے ذاتی طورپرشاہ صاحب کے معاصرین،شاگردوں،اورآپ کے قائم کردہ ادارے کاعلمی سفرکیا۔اعزہ اوراہلِ خانہ سے رابطہ قائم کیا۔

آپ کے تربیت یافتہ خلفاءومریدین اورہندوبیرون ہند کے ممتازعلماءاوردانشوروں سے بھی آپ کے طریقہ زندگی اوراہم گوشوں سے متعلق نادرمعلومات حاصل کیں،میں آپ کے قائم کردہ مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کے ممتازاساتذۂ کرام اورآپ کے خلفاءخصوصاًمولانامحمدافضال الرحمٰن (شیخ الحدیث مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی)مفتی شفقت اللہ ومفتی عبیدالرحمٰن (مفتیان مدرسہ ھٰذا) اورآپ کی قائم کردہ مجلس دعوۃ الحق سے منسلک علماءوذمہ داران کاتہہِ دل سے شکریہ اداکرتاہوں جنھوں نے شاہ صاحب سے متعلق قیمتی موادفراہم کیااورگرانقدرمعلومات سے مستفیض فرمایا۔اپنے مشفق دوست مفتی محمداسامہ (مدرس مدرسہ عربیہ تعمیرملت دودھ پورعلی گڑھ)کے تعاون کوبھی فراموش نہیں کرسکتاجنھوں نے شاہ صاحب سے متعلق معلومات کاوافرذخیرہ وقتاًفوقتاًدوردرازسے حاصل کرکےفراہم کرتے رہے۔اس لئے میں ان کا دل کی گہرائی سے ممنون ومشکورہوں۔مزیدبرآں جن لوگوں نے بھی میرے اس تحقیقی کام کی انجام دہی

میں کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہے،ان سب کا بیحد شکر گزار ہوں۔

میرے لیے یہ امر باعثِ سعادت ہے کہ مجھے پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی (سابق ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی) کی نگرانی میں تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا۔موصوف نے نہ صرف یہ کہ علمی مقالہ نگاری کے بنیادی اصول ،مصادر و مآخذ اور تحقیق و مطالعہ کے سلسلے میں رہنمائی کی ،بلکہ مقالہ کی تکمیل کی راہ میں ہر قسم کی مشکلات و دشواریوں کو دور کرتے رہے۔اگر ان کی مشفقانہ نظر اور ان کا علمی تعاون حاصل نہ ہوتا تو شاید یہ مقالہ ترتیب نہ پاتا۔اس لئے میں ان کا جس حد تک شکریہ ادا کروں وہ کم ہے۔اللہ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔(آمین)

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر شعبہ کے اساتذۂ کرام کا شکریہ ادا نہ کروں،جن کی ہمت افزائی ،محبت و شفقت اور علمی رہنمائی نے میرے لیے مشعلِ راہ کا کام کیا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مولانا آزاد سینٹرل لائبریری ،سیمنار لائبریری شعبۂ دینیات ، اور اسلامک اسٹڈیز لائبریری کے علمی تعاون اور مطلوبہ علمی مواد کی فراہمی کے لیے یہاں کے اربابِ انتظام کا بھی شکر گزار ہوں۔

شعبۂ دینیات اور فیکلٹی کے غیر تدریسی عملہ اور اپنے تمام رفقاء واحباب کا بھی میں شکر گزار ہوں،جو قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم

عتیق الرحمٰن

ریسرچ اسکالر شعبۂ سنی دینیات

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

باب اول

خاندانی حالات

فصل اول

شاہ ابرار الحق کے خاندان کی ہندوستان آمد

شاہ ابرار الحق کے اجداد بخارا سے تعلق رکھتے تھے اور بخارا سے آ کر دہلی میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے اجداد میں جس بزرگ نے سب سے پہلے سرزمین ہند پر قدم رکھا، وہ آغا محمد ترک تھے، یہ بخارا کے رہنے والے تھے، تیرھویں صدی عیسوی میں جب مغلوں نے وسط ایشیاء میں آگ وخون کا ہنگامہ برپا کیا تو وہ اپنے وطن کے حالات سے بددل ہوکر ترکوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ہندوستان تشریف لے آئے۔ یہ سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) کا دورِ حکومت تھا، مسلمانانِ ہند کا سیاسی وثقافتی عروج انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ ترکوں کی ایک بڑی جماعت بھی جوان سے سلسلۂ قرابت اور رابطۂ بیعت رکھتی تھی اپنے اصلی وطن سے منتقل ہوکر ہندوستان آ گئی۔[۱]

آغا محمد ترک کی آمد جس زمانہ میں ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب گجرات کی مہم کی تیاریاں ہو رہی تھیں، سلطان علاء الدین خلجی نے انہیں گجرات کی مہم پر بھیجا، فتحِ گجرات کے بعد وہ وہیں سکونت پزیر ہو گئے، وہ کثیر الاولاد تھے، مگر انہیں اس صدمہ سے گزرنا پڑا کہ ایک کے بجائے سبھی اولاد فوت ہو گئیں، وہ اپنے اکلوتے بیٹے معز الدین کو لیکر دہلی واپس آ گئے۔ دہلی میں ہی مشہور چشتی بزرگ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے معاصر شیخِ طریقت شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں پہونچے اور ان کے مرید ہوکر وہیں مقیم ہو گئے اور سلطان محمد بن تغلق کے زمانہ میں ۱۷ ربیع الثانی ۷۳۹ھ/ ۱۳۳۸ء کو وفات پائی۔[۲]

ملک معز الدین:

آغا محمد ترک کی اولاد میں سے یہی ایک ملک معز الدین تھے، انہوں نے عزم وہمت کے ساتھ دہلی میں سکونت اختیار کر لی، ان کے بعد ان کے فرزند ملک موسیٰ نے بڑی عزت اور شہرت پائی، لیکن قسمت نے پھر پلٹی کھائی ملک موسیٰ کو ایک ذاتی سانحہ نے گجرات سے دہلی پھینک دیا، اس وقت ملک کے عام

حالات نے ملک موسیٰ کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ فیروز شاہ تغلق (المتوفی ۱۳۸۸ء) کے بعد ملک میں ہر طرف سیاسی انتشار پیدا ہو گیا۔ مرکز کا کمزور ہونا تھا کہ خود مختاریاں قائم ہونے لگیں، دہلی اور اس کے اردگرد کا علاقہ چونکہ سیاسی اعتبار سے اہم تھا اس لیے سیاسی نبرد آزمائی کا مرکز بھی یہی بنا، اور حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو گئے کہ علماء ومشائخ، گجرات، جونپور، بنگال اور دیگر علاقوں کی طرف متوجہ ہو گئے، ملک موسیٰ ان حالات سے ایسے بددل ہوئے کہ انہوں نے دہلی کو خیر باد کہکر ماوراء النہر کی راہ لی لیکن وہاں زیادہ عرصہ ٹھہرنا نصیب نہ ہوا۔ جب تیمور نے ۱۳۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تو ملک موسیٰ اس کی فوجوں کے ہمراہ پھر ہندوستان آ گئے۔[۳]

شیخ فیروز:

ملک موسیٰ کے کئی بیٹے تھے، ان میں شیخ فیروز امتیازی شان رکھتے تھے، انہوں نے اپنے خاندان کی شہرت اور عظمت کو چار چاند لگا دیے، وہ علمِ سپہ گری، شعر و شاعری، سخاوت، لطافت سب میں وحید عصر اور یکتائے زمانہ سمجھے جاتے تھے۔ شیخ فیروز ۱۴۵۵ء میں بہرائچ کے کسی معرکہ میں شہید ہو گئے تھے اور وہیں سپرد خاک کر دیے گئے تھے، لڑائی پر جانے سے پہلے ان کی بیوی نے جوان دنوں حاملہ تھیں ان کو روکنے کی بہت کوشش کی، اس پر انہوں نے جواب دیا میں نے خدا سے دعاء کی ہے کہ بیٹا ہو اور اس سے نسل چلے، اس کو اور تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں، نہ معلوم اب مجھے کیا پیش آئے اس کے کچھ دنوں کے بعد ہی شیخ سعد اللہ (شیخِ محدث کے دادا) پیدا ہوئے۔[۴]

شیخِ سعد اللہ:

شیخ سعد اللہ نے ابتدائی زمانہ تحصیل علم میں گزارا۔ پھر سلوک و احسان کی طرف متوجہ ہوئے۔ مصباح العاشقین حضرت شیخ محمد منکن سے سلوک طے کیا۔ شاہ مصباح العاشقین حضرت گیسودراز گلبرگوی کے سلسلے کے بزرگ تھے، شیخ سعد اللہ علم و معرفت میں اونچا مقام رکھتے تھے، جب انتقال کا وقت آیا تو ان کے بیٹوں میں شیخ سیف الدین چھوٹے تھے اور بہت عزیز تھے۔ انتقال سے کچھ عرصہ پہلے تہجد کے وقت قبلہ رو کھڑا کر کے اللہ کے حوالہ کرتے ہوئے یہ دعا کی: الٰہی اس لڑکے کو یتیم و مسکین چھوڑ رہا ہوں اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں، اس کو تیرے سپرد کرتا ہوں تو ہی اس کی تربیت اور حفاظت فرما۔ کچھ ہی دنوں کے

بعد ۲۲ ربیع الاول ۹۲۸ھ/ ۱۵۲۱ء کو وصال ہو گیا۔ ۵

مولانا شیخ سیف الدین:

شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی کے والد ماجد معروف بزرگ شیخ اڈّہن دہلوی (مولانا زین العابدین) کے داماد ہیں، ۹۴۰ھ ۱۵۱۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، شیخ فاضل سیف الدین بن سعداللہ بن فیروز بخاری دہلوی مردان علم وطریقت میں سے تھے، دہلی میں علم و صلاح کے گھر میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے، شیخ عبدالملک بن عبدالغفور پانی پتی سے استفادہ کیا، اور توحید وحقائق کے بیان میں ان کا ایک رسالہ مکاشفات اور ایک مثنوی سلسلۃ الوصال یہ فارسی میں ہے۔ وہ ایک اچھے شاعر اور صاحبِ ذوق تھے۔ ۲۷ شعبان ۹۹۰ھ کو وفات پائی۔ ۶

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ولادت:

ماہِ محرم ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء کو شیخ محدث دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہ اسلام شاہ سوری کا عہد حکومت تھا، مہدوی تحریک اس وقت پورے عروج پر تھی اور علماء کی جانب سے تکفیر و تضلیل کا کام بڑے زور وشور کے ساتھ کیا جارہا تھا۔ ۷

ابتدائی تعلیم:

آپ کے والد ماجد شیخ سیف الدین نے اپنے صاحبزادے کو ابتدائی تعلیم جس طریقہ سے دی وہ عجیب وغریب ہے اور تمام قدیم وجدید طریقہ ہائے تعلیم سے الگ اس سے شیخ عبدالحق کی جودتِ طبع اور انتہائی ذہانت وفطانت کا پتہ چلتا ہے، اور یہ طریقہ ایک نئے تعلیمی تجربہ کا ثبوت دیتا ہے۔ ۸

''کلام پاک کی تعلیم آپ کے والد ماجد نے خود ہی دی۔ جس کی برکت یہ ہوئی کہ صرف تین ماہ میں شیخ محدث نے پورا کلام پاک ختم کرلیا۔ اس کے بعد ایک ماہ میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ پھر والد ماجد ہی کی سرپرستی میں آپنے فارسی عربی کی تعلیم شروع کی۔ اور جس علم کی طرف بھی توجہ کی بہت جلد اس کو حاصل کرلیا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرحِ عقائد پڑھ لی اور پندرہ سولہ سال میں مختصر و مطول، غرض اٹھارہ برس کی عمر میں آپ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل فرما چکے تھے، اس درمیان آپ نے علماء ماوراء النہر سے بھی اکتسابِ علم کیا۔'' ۹

شیخ محدث کا سفر حجاز:

حضرت شیخ ۳۸ سال کی عمر میں ۹۹۶ھ میں حجاز تشریف لے گئے اور مکہ معظّمہ کے محدثین سے صحیح بخاری و مسلم کا درس لیا اور پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر علم کی تکمیل کی اور علم طریقت وسلوک سے آشنا ہوئے۔ شیخ کی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو بہترین رہبر کامل مل گیا۔ غرض شیخ عبدالوہاب متقی سے پورا پورا اکتساب علم کیا۔ بعدازاں آپ اپنے شیخ کے حکم سے ان کی زیر نگرانی حرم کے ایک حجرے میں عبادت وریاضت کرتے رہے۔

حجاز سے ہندوستان واپسی:

علم وعمل کی تمام وادیوں سے گزارنے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی نے شیخ عبدالحق کو ہندوستان واپس جانیکا حکم فرمایا۔ لیکن شیخ ہندوستان کے حالات سے ایسے دل برداشتہ تھے۔ کہ طبیعت واپس ہونے کو نہیں چاہتی تھی، لیکن شیخ کے حکم سے مجبور ہو گئے اور یہ ارادہ کیا کہ بغداد کے راستے شیخ عبدالقادر جیلانی کے مزار کی زیارت کر کے ہندوستان واپس جاؤں۔ لیکن شیخ نے اس کی بھی بعض وجوہ سے اجازت نہیں دی ،آخر شوال ۹۹۹ھ ۱۵۹۰ء میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں حسرت لیے اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے۔

شیخ محدثؒ ۱۰۰۰ھ/ ۱۵۹۱ء ہندوستان تشریف لائے۔ یہاں آکر دیکھا تو اکبر کے مذہبی افکار دینِ الٰہی کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ اسلامی شعار کی تضحیک کی جارہی تھی۔ ایسے روح فرسا حالات میں شیخ عبدالحقؒ نے ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور قرآن وحدیث کے درس وتدریس میں مشغول ہو گئے، اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ ان کے ذریعہ خاص طور پر علم حدیث کی جو قندیل روشن ہوئی اس کے اثرات آج بھی خاص طور پر ہندوستان میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔[۱۰]

شیخ محدث کا کارنامہ:

فن حدیث کی نشر واشاعت کے لیے اللہ تعالی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی بن سیف الدین بخاری متوفی ۱۰۵۲ھ ۱۶۴۲ء کو منتخب فرمایا۔ ان کے ذریعہ علمِ حدیث کی اشاعت بہت عام ہوئی۔ انہوں نے دارالسلطنت دہلی میں مسندِ درس آراستہ فرمائی اور اپنی ساری کوشش وصلاحیت اس علم کی

نشر واشاعت پر صرف فرمادی۔ان کی مجلسِ درس سے بہت سے علماء نے فن حدیث کی تکمیل کی اور بہت سی کتابیں بھی فنِ حدیث میں تصنیف فرمائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس علم کی نشر واشاعت میں بڑی جدوجہد کی ،ان کی ذات اوران کے علم سے اللہ کے بندوں کو بہت نفع پہونچا۔فنِ حدیث کی نشر واشاعت میں ان کی جدوجہداورکوششیں اپنے پیشرؤں سے اس قدر نمایاں وممتاز ہیں کہ لوگوں نے یہاں تک کہدیا کہ فن حدیث کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے یہی شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی ہیں۔[۱۲]

شیخ محدث کی اولاد:

شیخ محدث کے تین فرزند ہوئے۔سب سے بڑے فرزند شیخ نورالحق مشرقی ہیں، جواپنے والدمحترم کی طرح صاحب علم وفضل ہوئے۔خود شیخ محدث آپ سے بیحد خوش رہتے تھے اوراپناوجودِثانی کہتے تھے۔شیخ نورالحق نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں تیسیر القاری کے نام سے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح بھی شامل ہے۔آپ نے اپنے والد کی حیات میں ہی شاہجہاں کے عہد میں اکبرآبادکی قضاء کاعہدہ قبول کرلیا تھا۔اور جب شیخ محدث کاانتقال ہواتو شیخ نورالحق نے اپنے باپ کی مسندِ ارشادکوسنبھال لیا۔شیخ عبدالحق کے دوسرے فرزند شیخ علی محمد جیدعالم اور بزرگ تھے، آپ نے بھی متعددکتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔تیسرے فرزند شیخ محمد ہاشم ہیں۔یہ علم حدیث میں خاص مناسبت رکھتے تھے۔

وفات اور مدفن:

۲۱ر ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتابِ علم جس نے چورانوے سال تک فضاءِ ہند کومنور رکھا غروب ہوگیا۔آپ کے صاحبزادے شیخ نورالحق نے نماز جنازہ پڑھائی۔وصیت کے مطابق حوض شمسی (مہرولی نئی دہلی) کے داہنے کنارے سپرد خاک کیا گیا۔[۱۳]

فصل دوم
تعلیم وتربیت

سلسلۂ نسب:

آپ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی تک پہونچتا ہے۔جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

''ابرارالحق بن محمودالحق بن فضل الحق بن نورالاسلام بن مولوی سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن حافظ فخرالدین بن محب اللہ بن شیخ نوراللہ بن شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق۔''[۱۴]

پیدائش:

دہلی کے قرب وجوار میں ''پلول'' نامی مقام ہے،آپ کے اجداد وہیں رہتے تھے، بعد میں آپ کے والد ماجد نے ہردوئی میں قیام فرمایااوراسی کواپناوطن اورمسکن بنالیا۔شاہ صاحب کی پیدائش یہیں ہردوئی میں ۸ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ/ ۲۰دسمبر۱۹۲۰ءکوپیر کے دن ہوئی ۔نام ابرارالحق رکھا گیا،محی السنہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔اورنسب حقی کہلایا۔[۱۵]

تاریخ میں شہر ہردوئی کا مقام

ہردوئی صوبہ یوپی کاایک قدیم شہرہے۔یہاں کی آبادی دوہزارقبل مسیح کی بتائی جاتی ہے،جس میں غیرمسلم آبادی کی ہمیشہ اکثریت رہی ہے اورانہیں کاتسلط واقتداربھی رہاہے،آنحضورﷺ کی بعثت سے قبل بھی یہ ایک بستی تھی،یہاں کفر کاغلبہ تھا،البتہ اطراف اورقرب وجوار میں مسلمان اورصلحاء کثرت سے آباد تھے،ہردوئی سے ۱۵،۲۰میل کے فاصلے پرایک مقام ''صلحاڑہ'' تھا۔یہ اصل میں صلحاء باڑہ تھا۔کسی زمانہ میں اس میں صلحاء کثرت سے رہتے تھے،اس لیے اس بستی کانام صلحاء باڑہ ہوگیا۔[۱۶]

بچپن:

شاہ صاحب کوبچپن ہی سے علمی،دینی،روحانی ماحول حاصل ہواجس کے اثرات آخیرعمرتک آپ پر

قائم رہے۔اللہ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔جس کی وجہ سے آپ اس شعر کا مصداق بن گئے:

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

کھیل کود،تفریح سے بچپن ہی سے آپ کوکوئی رغبت نہ تھی ،حصول علم کا شوق قلب میں بھرا ہوا تھا،یہ اثر اس نسبت کا تھا،جوآپ کو اپنے جداعلیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے حاصل تھی ،کیوں کہ محدث دہلوی کوبھی کھیل کود سے طبعی نفرت اور حصولِ علم کا ذوق وشوق تھا،بالکل یہی کیفیت شاہ صاحب کی بھی تھی۔ چونکہ حق تعالی کوشاہ صاحب کوآگے چل کرمحی السنہ بنانا ،اوراحیاء سنت کاعظیم کام لینا تھا،اس لیے بچپن ہی سے شاہ صاحب کے قلب میں اتباع سنت کا جذبہ وشوق ودیعت فرمایا تھا۔آپ کو ہر ہر چیز میں اتباع سنت کا شوق پیدا ہوگیا۔اور بچپن ہی سے کسی سنت کا ادنیٰ خلاف کرنا بھی گوارا نہ تھا۔۷ا

والد ماجد مولانا ابرارالحق صاحب:

آپ کا اسمِ گرامی محمودالحق ہے،میرٹھ میں پیدا ہوئے ،ایم۔اے۔اوکالج علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعدوکالت کا آغاز کیا۔اورجلد ہی ضلع کے ناموراورمشہور وکلاء میں آپ کا شمار ہونے لگا،وکالت کا کام اس قدر چل نکلا کہ تین چار کلرک آپ کے ساتھ کام کرتے تھے۔موکلوں کا ایک ہجوم آپ کے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا۔ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ دینی اور فلاحی کاموں میں بھی پیش پیش ہوتے تھے ،ہردوئی میں ’’انجمن اسلامیہ‘‘ کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی ،جس کے مقاصد میں مسلمانوں کی دینی اوردنیاوی تعلیم ،یتیموں اور بیواؤں کی امداد شامل تھی۔اپنے ضلع میں کوشش کرکے بہت سارے دینی مدارس اوراسکول قائم کیے جس کی وجہ سے آپ ہردوئی کے’’سرسید‘‘ کہلاتے تھے اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے اعزاء،اقرباء،علماء،یتیموں اور بیواؤں پرصرف کرتے تھے اور کسی کومعلوم نہیں ہونے دیتے تھے۔

خصوصیت:

آپ ہر شخص کواپنے اخلاق حسنہ سے اپنا گرویدہ بنالیتے تھے۔نہ توکسی کی غیبت کرتے اورنہ ہی کسی سے سخت کلام کرتے ،حتی کہ جن لوگوں نے کبھی آپ کو نقصان پہنچانیکی کوشش کی توضرورت کے وقت ان کی بھی مدد کرنے سے عذر نہیں کرتے تھے۔بنارس میں طالب علمی کے دوران مشہور ہوگیا کہ اگرآپ کسی

مریض پر دم کر دیں تو اسے شفاء ہو جاتی ہے۔ شفاء کی اس تاثیر کی وجہ سے آپ کا لقب ''حکیم جی'' پڑ گیا تھا۔ بعد میں ایک بزرگ کے کہنے سے پھونکنا بند کر دیا تھا۔ ۱۸ے

آپ حقوق العباد کا خاص خیال رکھتے تھے، اپنی اولاد میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتے، جس کی وجہ سے ہر ایک اپنے کو آپ سے نزدیک ترین سمجھتا تھا۔ طبیعت میں خلوص اور مروت بے انتہا تھی، دوستوں کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ اور ان کی خاطر اپنے نقصان کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ روزمرہ کی زندگی کا جز تھا۔ زندگی بہت ہی سادہ طرز پر گزارتے، ایک مرتبہ گھر میں گفتگو ہوئی کہ لوگ کس طرح بظاہر قلیل آمدنی کے عیش وعشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، اس پر حساب لگا کر کہنے لگے کہ میری اپنی ذات پر دو روپیہ یومیہ کا خرچ ہے، مجھے خدا اس سے کہیں زیادہ دیتا ہے پھر میں دوسروں کی خاطر اپنی عاقبت کیوں خراب کروں۔

حضرت تھانوی سے آپ کو بیحد عشق تھا۔ برابر خط وکتابت جاری رہتی تھی، جیسے ہی فرصت ملتی فوراً حضرت تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون پہونچ جاتے۔ آپ حضرت تھانوی کے ملفوظات کا مطالعہ بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے اور آپ کو حضرت تھانوی نے مجازینِ صحبت کے زمرے میں داخل کیا تھا۔ ۱۹ے

۱۹۴۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ ۲۰ے

شاہ ابرار الحق کی والدہ ماجدہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ ماجدہ کو بہت بلند اخلاق اور اوصافِ جمیلہ سے متصف فرمایا تھا۔ اہل علم واہلِ قرآن کی قدر ومنزلت اور ان کی عظمت ومحبت آپ کے دل میں تھی۔ نظم وضبط، سلیقہ مندی صفائی ستھرائی کے ساتھ ہمدردی آپ کا خصوصی وصف تھا، بڑی سنجیدہ تھیں۔ خود بڑے گھرانے کی تھیں اس لیے ہاتھ کھلا ہوا تھا۔ قرآن وحدیث کی خدمت کرنے والوں اور پڑھنے والوں کی مالی خدمت پوری فراخی سے کیا کرتی تھیں۔ ایک خاص وصف مرحومہ میں یہ بھی تھا کہ محلّہ یا خاندان اور قرب وجوار میں کوئی حادثہ پیش آجائے، کسی خاتون کا انتقال ہو جائے تو جملہ انتظامات کے لئے آپ فوراً اس کے گھر تشریف لے جاتیں۔ تجہیز وتکفین میں پورا ساتھ دیتیں، مالی تعاون کی ضرورت ہوتی تو اس میں بھی دریغ نہ فرماتیں۔ یہ معمول آپ کا تادمِ حیات رہا۔ اور یہی خصوصیات والدہ کی برکت سے حضرت والا میں بھی پائی جاتی تھیں۔ ۲۱ے

دینی تعلیم کے لیے آپ کا انتخاب:

شاہ صاحب کا تعلق ایک خوش حال اور عصری تعلیم یافتہ لیکن دین پسند گھرانے سے تھا۔آپ کے ایک بھائی انوار الحق حقی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سبکدوش اور وظیفہ یافتہ پروفیسر ہیں،دوسرے بھائی پاکستان میں کسی اعلیٰ منصب کے وظیفہ یافتہ ہیں،ایک بہن مرادآباد کے ایک گرلز کالج میں پرنسپل ہوکر وظیفہ یافتہ ہیں،سب بھائی بہنوں میں تنہا شاہ صاحب ہی تھے جنکا انتخاب آپ کے والد نے اپنے مرشد حکیم الامت حضرت تھانوی کے ایماء پر دینی تعلیم کے لئے کیا تھا،اوراس میں کوئی شک نہیں کہ اخلاصِ نیت کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کے اس فرزند کواس طرح قبول فرمایا۔کسی صالح اور خداشناس باپ کا اپنے بیٹے کی سعادت مندی ولیاقت پر یہ اعتماد اور اپنے انتخاب پراس درجہ اطمینان کیا کہ یہ کسی بیٹے کے لئے معمولی سرمایہ ہے اور پھراس سرمایہ میں اضافہ وترقی تو ایسی ہوئی کہ اگر ''پدر نہ تواند پسر تمام کند'' کی بات یوں صادق آکر رہی کہ اپنی تمام ترخوبیوں کے باوجود باپ تو مرشد تھانوی سے مجازِ بیعت ہونے کے حقدار بن سکے،لیکن بیٹا صرف ۲۲ برس کی عمر میں اس مقام پر پہنچ گیا کہ حضرت تھانوی جیسے بااصول اور متبعِ سنت مرشد نے اسے اجازتِ بیعت وارشاد عطا فرمادی۔۲۲

تعلیم کا آغاز:

آپ کی تعلیم کی ابتدا اور بسم اللہ خوانی بھی ایک محدثِ جلیل حضرت مولانا سید شاہ اصغر حسین عرف حضرت میاںؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے ہاتھوں ہوئی۔اس کے بعد آپ کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز اپنے والد محترم کی قائم کردہ انجمن اسلامیہ کے تحت ایک مدرسہ میں ہوا۔اردو،فارسی اورعربی کی کتابیں یہیں پڑھیں۔ماشاءاللہ ذہانت،یادداشت اور فطانت کا یہ عالم تھا کہ بفضلہٖ تعالیٰ آپ نے صرف آٹھ سال کی عمر میں قرآن شریف کا حفظ مکمل کرلیا تھا۔۲۳

مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ اور تکمیل علم:

مظاہر علوم سہارنپور جواس وقت مرکز علوم وفنون ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم تربیت گاہ بھی تھی، محدثِ جلیل رشیدی علوم معارف کے حامل وامین،حضرت مولانا خلیل صاحب سہارنپوریؒ کے انتقال کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا،ان کے روحانی اثرات پورے طور پر مظاہر علوم کے چپہ چپہ پر چھائے ہوئے تھے،

ادھر مولانا خلیل احمد مرحوم کے علوم ومعارف کے حامل وامین اور صحیح معنی میں جانشین شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ کی وجہ سے مظاہرعلوم میں خانقاہی رنگ غالب تھااور درو دیوار تک سے روحانیت ٹپکتی تھی۔ تقدیرِ خداوندی نے حضرت والاؒ کی تکمیل علومِ وحصولِ معارف کے لئے اسی مقدس ومبارک درسگاہ کا انتخاب فرمایااور حضرت والا کمسنی اور معصومانہ زمانہ میں جبکہ حضرت والا کی عمر مبارک کل دس برس کی تھی اور حضرت والاؒ کا مزاج بھی ایسے ہی نورانی ماحول کا جویاں تھا۔ یہاں کے ماحول نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا اوراس کواور زیادہ نکھار کر بالکل کندن بنادیا۔[۲۴]

شاہ ابرارالحقؒ نے جس محنت وتوجہ اورلگن سے تعلیمی مراحل پورے فرمائے۔اس کے لئے مظاہرعلوم کا ریکارڈ خود شاہد عدل ہے، حالانکہ دورۂ حدیث علالت کی وجہ سے ایک سال کے بجائے ان کے لیے دوسالہ ثابت ہوا۔مگروہ اس کے سال اول کے ششماہی امتحان میں سب سے اعلیٰ نمبرات حاصل کرکے انعام وصول کرچکے تھے۔ان کے دورۂ حدیث کے پہلے سال کے رفقاء میں دنیاءِ اسلام کی دو عظیم و بلند قامت شخصیتیں بھی تھیں،مولانا محمد یوسف کاندھلوی ،مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی۔درمیان سال سے چندماہ کا تعلیمی انقطاع ہوا،مگر اگلے سال سالانہ امتحان میں جبکہ ان کے رفقاء درس دوسرے افراد تھے، پھرسب سے امتیازی نمبرات حاصل کرکے ایک بار پھر مدرسہ کی جانب سے انعام وصول کیا۔[۲۵]

مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے آپ کے دورۂ حدیث ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء کے امتحان ششماہی کے متعلق لکھاہے:

> ''حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے سالہائے ماضی کی طرح امسال بھی طلباءِ دورۂ حدیث کے لئے مخصوص نمبرات متعین فرما کر بذل المجہود اور الکوکب الدری بطور انعام تجویز فرمائیں (مولانا محمد زکریا صاحب طلبہ کے حوصلہ بلند کرنے کے لئے اور تعلیم میں انہماک بڑھانے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے جس کے بہتر نتائج سامنے آتے رہے) مولانا کی جانب سے اس موقع پر اعلان میں یہ کہا گیا تھا کہ جو شخص ابوداؤد شریف میں سب سے زیادہ نمبرات بلاشرکت غیرے حاصل کرلیگا اس کو بذل المجہود بادامی انعام بندہ کی طرف سے مدعود ہے۔ اور بشرکتِ غیرے جتنے بھی شرکاء

ہوں سب کو ایک ایک الکوکب الدری موعود ہے (زکریا ۲۵ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ) چنانچہ اس اعلان کے بموجب درج ذیل چار حضرات ''کوکب کامل'' کے لیے مستحق وحق دار قرار پائے:

(۱) مولانا ابرارالحق ہردوئی

(۲) مولانا محمد یوسف کاندھلوی

(۳) مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی

(۴) مولانا منظور احمد بہاولپوری

نیز امتحانِ ششماہی میں بذل المجھو دکامل مولانا ابرارالحق کو دی گئی، ان کو (حاصل شدہ نمبرات) تمام جماعت دورۂ حدیث میں سب سے زائد تھے۔''۲۶

''مولانا کی یہ تعلیمی محنت، مطالعہ کا انہاک ان کے ذوق نفاست ونظافت پر غالب نہ آسکا تھا۔ اس کا انہیں الگ خیال رہتا تھا۔ اور اس بات کا دھیان انہیں مستقل رہتا تھا انکی بیدار مغزی، اصلاحی مزاج، اسراف سے احتراز کی فکر اور بے خیالی سے حفاظت کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ انہوں نے مظاہر علوم کے زمانۂ طالب علمی میں جو لالٹین اپنے کمرہ کے لیے ذاتی طور پر اختیار کی اس کی ایسی دیکھ ریکھ کی کہ تعلیم سے فراغت پالی، مگر لالٹین اپنی اسی چمنی کے ساتھ جس کے ساتھ وہ آئی تھی جوں کی توں ہی رہی۔''۲۷

دوران طالب علمی میں آپ کے معمولات:

مدرسہ میں تعلیمی قیام کے معمولات میں رات کو صحیح وقت پر سونا۔ آخری پہر میں جاگنا، تہجد، دعا ومناجات میں مشغول ہونا، باجماعت نمازوں کو ادا کرنا، باوضو کتابوں کا مطالعہ کرنا اور سبق لینا۔ سنتوں کا اہتمام، برائیوں سے خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی کلی اجتناب، اساتذہ کی خدمت واحترام اور ان سب کے ساتھ ڈائری لکھنے کا اہتمام کہ ذاتی زندگی میں وہ محاسب کا کام دے تاکہ زندگی اسراف یا تقصیر سے محفوظ رہے۔ کم عمری ہی سے روزنامچہ لکھنے کا معمول بنالیا تھا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کا ایک معمول استاد کی خدمت کا بھی تھا اور بعض اساتذہ سے بعض کتابیں الگ پڑھنے کا بھی معمول بنایا تھا۔ خصوصی استفادہ کے لیے حضرت مولانا اسعداللہ (ناظم مدرسہ) سے الگ وقت بھی لیا تھا اور ان کی خدمت کے لیے حاضر باش

بھی رہا کرتے تھے۔ جیسے وضو کے لیے پانی رکھنا وغیرہ، دوسرے خصوصی استاذ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی تھے۔ جن سے وہ الگ اوقات میں جا کر مزید تعلیم حاصل کرتے، ان دونوں استاذوں کی انہیں خصوصی شفقتیں حاصل ہوئیں۔ ۲۸؎

تحصیل تجوید وفنِ قرات:

اللہ رب العزت نے حضرت والا کو ابتداء ہی سے قرآنِ پاک کو صحت اور عمدگی اور خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ حسن اتفاق کہ اس زمانہ میں سہانپور کی جامع مسجد میں اپنے زمانے کی مایہ ناز شخصیت شیخ القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحب کے بڑے بھائی شیخ القراء حضرت المقری عبدالخالق صاحب امام وخطیب تھے۔ جو فنِ تجوید وقرات میں بہت مشہور تھے۔ حضرت والا نے اس موقع کو غنیمت جانا اور باوجودیکہ حضرت والا کا کوئی وقت خالی نہیں تھا۔ تمام وقت بھرا ہوا تھا اور جامع مسجد مدرسہ سے قدرے فاصلے پر ہے مگر قرآن پاک کے ساتھ بے انتہا شغف وتعلق کی بناء پر استفادہ کی شکل نکال ہی لی۔ حضرت والا نماز فجر سے قبل جامع مسجد پہونچ جاتے۔ نماز فجر جامع مسجد میں ادا فرماتے اور نماز فجر کے بعد حضرت قاری صاحب سے تجوید وقرات کی تعلیم حاصل کرتے۔ حضرت والا کو فن قرات وتلاوت میں خاص کمال بلکہ ملکہ حاصل ہو گیا اور قرآن پاک کی اسی طرح قراءت وتلاوت کرتے جس طرح وہ نازل کیا گیا۔ ۲۹؎

روزنامچہ کا معمول:

تمام مشائخ حدیث نے زمانہ طالب علم میں اپنے اوقات کی بڑی قدر کی ہے اور وقت کی قدر کرنے کی وجہ سے اور ایک ایک سانس ایک ایک لمحہ صحیح استعمال کرنے اور وصول کرنے کی وجہ سے وہ اپنے ہمعصر اور اقران میں ممتاز اور فائق ہو گئے۔ شروع ہی سے حضرت والاؒ کے مزاج میں وقت کی قدر دانی اور وقت کا صحیح استعمال اور اس کے لیے نظم وضبط اور اصول ومعمولات کی پابندی کا اہتمام تھا، بلکہ کم عمری ہی سے روزنامچہ تک بنا لینے کا اہتمام تھا۔ ۱۳ سال کی عمر میں آپ کے صبح کے معمولات کچھ اس طرح لکھے ہوئے تھے: آج تہجد میں اتنے بجے اٹھا، ناظم صاحب کی طہارت اور وضو کا پانی رکھا، نماز پڑھی، پھر ناظم صاحب سے مختصر المعانی کا سبق پڑھا اور فجر تک فلاں فلاں کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ۳۰؎

طالب علمی کے زمانہ میں محنت و جفاکشی:

شاہ ابرارالحق کو زمانۂ طالب علمی سے ہی مفتی محمود حسنؒ سے خاص تعلق تھا۔اور مفتی صاحب بھی آپ کے ساتھ خاص شفقت کا معاملہ کیا کرتے تھے۔مفتی صاحب سے معلوم کیا گیا کہ مولانا ابرارالحق نے آپ سے کیا کیا کتابیں پڑھیں؟اس پر مفتی صاحب نے فرمایاالفوزالکبیر جواس وقت مستقل مطبوعہ نہ تھی بلکہ منہاج العابدین کے حاشیہ پر تھی ،اس وقت تک اس کا اردو میں ترجمہ بھی نہیں ہوا تھا۔مظاہرعلوم کے کتب خانہ میں صرف ایک ہی نسخہ تھا۔لمعات ،سطعات ،ہوامع ،شمس بازغہ ،قاضی مبارک وغیرہ یہ تمام کتب خارج میں پڑھیں،نصاب کی کتب میں قدوری پڑھی وہ بھی خارج میں۔مولانا ابرارالحق نے مختصرالمعانی پڑھنے کو مجھ سے کہا تھا میں نے فنِ ثانی مولانا عبداللطیف (ناظم مدرسہ مظاہرعلوم) سے پڑھنے کا مشورہ دیا۔انہوں نے مولانا سے عرض کیا مولانا نے منظور فرمالیا اور سبق کا وقت تہجد کا طے فرمایا۔مولانا ابرارالحق نے آکر مجھ سے بتلایا میں نے کہا منظور کرلو اور یہ شرط کرلو کہ اٹھانا آپ کے ذمہ ہوگا اور فن ثالث مجھ سے پڑھو،چنانچہ فن ثالث میں نے پڑھایا۔مختصرالمعانی چونکہ علم بدیع میں ہے مثال میں عربی اشعار ہیں میں مولانا کو فارسی اور اردو کے اشعار بھی کثرت سے سنایا کرتا تھا۔[۳۱]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ استاذ شاگرد دونوں میں طلب علم کا شوق ،اخلاص ،للّٰہیت،ایثار و ہمدردی وغیرہ کے اوصاف خوب ظاہر تھے۔

زمانۂ طالب علمی میں اہل اللہ سے روابط:

شاہ ابرارالحقؒ کا علمی انہماک اس قدر تھا کہ کوئی وقت فارغ نہ تھا۔اور وقت میں اس کی گنجائش نہ تھی کہ کسی کی خدمت میں پابندی کے ساتھ حاضری دی جاسکے۔لیکن پھر بھی آپ کسی طرح وقت نکال کر اپنے اساتذہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور ان سے خصوصی ربط رکھتے تھے۔خصوصاً مفتی محمود حسن صاحب سے اس نوع کا گہرا ربط تھا۔مولانا عبداللطیف صاحب (ناظم مظاہرعلوم) کی خدمت میں بھی حاضری دیتے تھے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمی شغف کے ساتھ مولانا کا اپنے اساتذہ اور مشائخ وقت سے کس قدر گہرا ربط رہا۔اور رفتہ رفتہ اس تعلق نے اتنی ترقی کی کہ مولانا کو تھانہ بھون پہونچا دیا۔اور آپ نے شیخ وقت مصلح کامل مجدد اعظم مولانا اشرف علی تھانوی سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔[۳۲]

مظاہرعلوم کا نوسالہ تعلیمی مرحلہ:

شاہ صاحب نے شوال المکرّم ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء میں دنیائے اسلام کا معروف ادارہ مظاہرعلوم سہارنپور کا رخ کیا اور یہاں داخلہ لے کر درج ذیل کتب پڑھیں:

کافیہ، شرح مائۃ عامل، نحومیر، دستور المبتدی، کبریٰ، مفید الطالبین، تیسیر المنطق، قال اقول اور ہدایۃ النحو۔ مذکورہ کتابوں کو جس محنت اور دلجمعی کے ساتھ پڑھا اس کا اندازہ مظاہرعلوم (وقف) کے تعلیمی ریکارڈ سے ہوتا ہے کہ شروع کی چھ کتابوں میں کل بیس نمبرات میں سے بیس اور بعد کی دو کتابوں میں انیس اور مؤخر الذکر کتاب میں ساڑھے سترہ نمبرات حاصل کیے تھے۔

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں حضرت والا نے نفحۃ الیمن، قدوری، منیۃ المصلی، بحث فعل، نورالایضاح، تہذیب، مرقاۃ، کافیہ، شرح تہذیب پڑھیں

۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء اصول الشاشی، بحث اسم، کنز الدقائق، میر قرطبی، تلخیص المفتاح، قطبی تصدیقات۔

۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء مختصر المعانی، سلم العلوم، شرح وقایہ، نورالانوار، ہدیہ سعدیہ

۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۵ء ہدایہ، مشکوۃ شریف، جلالین شریف، مقدمہ مشکوۃ، نخبۃ الفکر، رشیدیہ

۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۶ء مظاہرعلوم کی روئیداد کے مطابق اس سال بخاری اور نسائی کا امتحان دے کر آپ بیمار ہوگئے۔ جبکہ مدرسہ کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ بخاری، ترمذی اور ابوداؤد کا امتحان دے کر بیمار ہوئے۔ باقی کتابوں کا امتحان نہ دے سکے، اس لیے اہلِ مدرسہ نے آپ کے لیے تجویز کیا کہ جو کتابیں باقی ہیں ان کی تکمیل ضروری ہے۔ تمام کتب دورۂ حدیث شریف میں امتحان دینا ہوگا۔

۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء کو پھر مدرسہ مظاہر علوم میں داخل ہوکر بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، طحاوی شریف، شمائل ترمذی، مؤطا امام محمد، مؤطا امام مالک اور ابن ماجہ شریف پڑھیں۔ اس سال دورۂ حدیث شریف میں آپ اول نمبرات سے کامیاب ہوئے اور مبلغ دس روپے نقد اور درج ذیل کتب بطور انعام حاصل کیں:

انہاء السکن، احیاء السنن، استدراک الحسن، اعلاء السنن، اشرف السوانح، تشکیل سندات البخاری، مغلظاتِ مرزا، ایجاز القواعد، سامانِ عاجز اور پہاڑہ اردو۔

دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد مزید دو سال اور مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کی۔

۱۳۵٦ھ/ ۱۹۳۸ء: بیضاوی شریف، رسم المفتی، ترمذی شریف، شمائلِ ترمذی، مدارک التنزیل، سراجی۔

۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۹ء: اقلیدس، تصریح، متنبّی، خلاصۃ الحساب، صدرا، شمس بازغہ، توضیح وتلویح، شرح چغمینی، سبع شداد، عروض المفتاح، مسلم الثبوت اور دیوان حماسہ پڑھیں۔[۳۳]

اس طرح ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء: سے لے کر ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۹ء تک مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لے کر نحو میر سے دورۂ حدیث شریف اور تکمیل فنون کی تعلیم حاصل کی تھی۔

دورۂ حدیث کی تکمیل میں تاخیر:

دورۂ حدیث شریف کے سال مولانا بیمار ہو گئے، جس کی وجہ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل دو سال میں ہوئی، شدتِ علالت اس درجہ کو پہنچ گئی کہ مجبوراً آپ کو علاج و استراحت کے لیے گھر آنا پڑا، اس کا آپ کو بہت قلق تھا۔ لیکن یہ سب من جانب اللہ قدرتی فیصلہ تھا۔ اس لیے آپ اللہ کے فیصلے پر راضی تھے۔ اس سال آپ کا دورۂ حدیث شریف ناقص رہا۔ اور پھر آئندہ سال ۱۳۵٦ھ میں آپ نے پھر مظاہر علوم میں دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور پوری محنت و جفاکشی سے علمِ حدیث حاصل کیا، سال گزشتہ کی طرح امسال بھی آپ امتحانوں میں اعلی نمبرات سے کامیاب ہوئے اور خصوصی انعام کے مستحق ہوئے۔ اللہ کی قدرت اور تکوینی نظام کے تحت آپ کو دو سال اور دو مرتبہ دورۂ حدیث شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ بھی اللہ کا آپ پر خصوصی انعام تھا۔[۳۴]

دورۂ حدیث شریف میں نمبرات امتحانِ سالانہ:

بخاری شریف: ۲۱۔ مسلم شریف: ۲۰۔ ترمذی شریف: ½۱۵۔ ابوداؤد شریف: ۱۷۔ نسائی شریف: ۱۹۔ طحاوی شریف: ۱٦۔ شمائل ترمذی: ۲۱۔ مؤطا امام محمد: ½۱۵۔ مؤطا امام مالک: ۱۵۔ ابن ماجہ شریف: ۱۵۔ کل نمبرات ۱۷۵ ہیں۔[۳۵]

نوٹ: مظاہر علوم میں کل نمبرات ۲۰ ہوتے ہیں۔

مظاہر علوم کے مخصوص رفقاءِ درس:

آپ کے مخصوص رفقاءِ درس میں حضرت جی داعی کبیر مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت جی

مولانا انعام الحسن صاحبؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مظاہر علوم میں اساتذۂ دورۂ حدیث:

آپ نے دورۂ حدیث شریف کی کتابیں مندرجہ ذیل اساتذۂ کرام سے پڑھیں:

بخاری شریف اول اور ابوداؤد شریف شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے

بخاری شریف ثانی مولانا عبداللطیف صاحب (ناظم مظاہر علوم) سے

مسلم شریف، نسائی شریف، مولانا منظور احمد صاحب سے

ترمذی شریف اور طحاوی شریف، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری (صدر المدرسین مظاہر علوم) سے پڑھیں ۳۶؎

تکمیل فنون:

مظاہر علوم میں دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد مولانا نے منقولات سے بڑھ کو معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ مظاہر علوم میں اس وقت تکمیلِ فنون کے نام سے ایک شعبہ قائم تھا۔ جس میں فراغت کے بعد محنتی اور کامیاب طلبہ ہی داخلہ لے سکتے تھے۔ اس شعبہ میں تفسیر، حدیث، اصول فقہ، آداب افتاء، منطق، فلسفہ، حکمت، عربی ادب، حساب، عروض کی کتابیں نصاب میں شامل تھیں، پورا کورس دوسال پر مشتمل تھا۔ آپ نے اس شعبہ میں داخلہ لے کر یہ کورس مکمل کیا، تکمیل فنون کے سالوں میں بھی اول نمبر سے کامیابی اور وقیع انعام کا حصول مولانا کی کمالِ فطانت وذہانت اور اعلیٰ استعداد کا بین ثبوت ہے۔ ۳۷؎

حرمین شریفین سے قلبی لگاؤ:

آپ کا خیال تھا کہ دین کو اس کی اصل سے حاصل کرنے کا مزاج پیدا کرنے کے لئے ملت کا حرمین سے والہانہ رشتہ ضروری ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کچھ اعمال قولی دعوت اور تاکید سے پھیلائے جاتے ہیں اور کچھ صرف اپنے عمل سے، حج، عمرے کا شوق خود عمل کر کے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے وہ بار بار حج و عمرے کے سفر فرماتے۔ شاہ صاحب نے ۵۵ سے زیادہ حج کیے۔ آپ کے ساتھ خاصی تعداد خدام کی بھی ہوتی تھی۔ وہ حج کو ولایت کا مختصر ترین راستہ فرماتے تھے۔ اگر حرمین شریفین سے برصغیر کے مسلمانوں کے بڑھتے تعلق اور حج وعمرہ کرنے والوں کی روز افزوں بڑھتی تعداد کی وجوہات پر غور کیا جائے تو اس میں شاہ

صاحب کے کثرت سے حج اور عمرے کے سفروں کو بنیادی مقام دینا پڑیگا۔ ۳۸؎

نکاح:

مولانا ابرارالحق کا نکاح ۱۹۴۰ء میں آپ کے پیرومرشد حضرت تھانوی کے مشورہ سے ہردوئی کے ڈاکٹر احمد شاہ کی صاحب زادی سے ہوا۔ نکاح حضرت تھانوی نے پڑھایا تھا۔ ۳۹؎

آپ کی اہلیہ محترمہ نے باوجود ایک جدید تعلیم یافتہ اور نہایت ہی متمول خاندان سے تعلق رکھنے اور اپنے والدین کی ایک ہی بیٹی ہونیکی حیثیت سے بہت ہی ناز و نعم کی عادی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو خالص دین دار اور ایک عالم و مصلح کے مزاج کے موافق بنایا۔ آپ شاہ صاحب کے لیے ایک صالحہ وقانتہ رفیقۂ حیات ہی نہیں وفادار، خدمت گزار، عقیدت کیش بھی تھیں، ان کے معمولات زندگی ایک ولیٔ کامل کا نمونہ ہیں، عورتوں میں اس کی نظیر اقلِ قلیل ہیں۔ ۴۰؎

فصل سوم
مخصوص اساتذۂ کرام

محی السنہ شاہ ابرارالحق کا عہد میمون اس لحاظ سے بڑا اہم ہے کہ خاص طور پر پوری یوپی میں علم وعمل کی قندیلیں روشن تھیں اور بڑے بڑے علماء وربانیین تعلیم وتعلم سے لگے ہوئے تھے اشاعت علم میں ہمہ تن مصروف تھے۔ دوسری طرف کبار صوفیا بھی بوریہ نشیں ہوکر خدمت خلق اور تربیت خلق میں جٹے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب نے اپنی تعلیم کا آغاز اپنے وطن کے ایک چھوٹے سے مدرسہ سے کیا۔لیکن اپنی فطری قابلیت اور والدین کی خصوصی توجہ اور حضرت تھانوی کے ایماء پر جلد ہی اپنے وطن سے نکل مرکز علم سہارن پور چلے گئے ۔ مظاہرعلوم کو اس زمانے میں بعض خصوصیات کی بنا پر بعض دوسرے مدارس پر فوقیت حاصل تھی۔ اسی بنا پر وہاں کے علماء ومدرسین کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔جن کے تابندہ نقوش سے آج بھی ہندوستان کا گوشہ گوشہ منور ہے اور ہندوستان ہی کیا پوری دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں اس کے فیوض پہنچے ہیں۔

مظاہرعلوم میں داخلہ حاصل کرنے کے بعد شاہ ابرارالحق صاحب نے حصولِ علم کے لیے جس جاں فشانی اور عرق ریزی کا مظاہرہ کیا اس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ باوجود ہر وقت کتابوں کے مطالعہ اور ورق گردانی کے وہ اتنا وقت ضرور نکال لیتے کہ اپنے اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے علوم ومعارف سے اپنے قلب وذہن کو سرشار کرتے ۔ یوں انہوں نے اپنے سب ہی استاذوں کو محبوب رکھا اور ان کے ساتھ عزت و توقیر کا معاملہ کرتے تاہم ان کے بعض مخصوص اساتذہ ضرور تھے جن کے تابندہ نقوش ان پر تادیر قائم رہے اور آخر تک وہ ان کا نام بڑی عزت واحترام سے لیتے تھے اور اپنے طلباء اور متوسلین کو ان کے اقوالِ زریں سے عبرت ونصیحت دلاتے رہے۔ درج ذیل سطور میں شاہ صاحب کے بعض اساتذہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولانا میاں اصغرحسین صاحب دیوبندیؒ:

مولانا میاں اصغرحسین صاحب ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے ،والد بزرگوار شاہ

محمد حسن (متوفی ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۸۵ء) سے قرآن شریف اور فارسی گلستاں تک پڑھ کر دارالعلوم میں داخل ہوئے، اور ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء میں فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کی تعلیم شروع کی اور ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء تک دارالعلوم میں آپ کا تعلیمی مشغلہ جاری رہا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء کے اواخر میں حضرت شیخ الہند نے جونپور کی اٹالہ مسجد کے مدرسہ کی صدر مدرسی کے لیے آپ کا انتخاب کیا، جہاں سات سال تشنگانِ علوم دینیہ اور مسلمانانِ جونپور کو اپنے علوم ظاہری و باطنی سے سرفراز کرتے رہے۔

۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں جب ارباب دارالعلوم نے دیوبند سے ایک ماہنامہ رسالہ (القاسم) جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو آپ کو جونپور سے بلاکر ''القاسم'' کی ادارت پر مامور کیا گیا۔ اسی کے ساتھ مختلف کتابوں کے اسباق بھی آپ کے سپرد کیے گئے۔ آپ کے درس میں عموماً تفسیر و حدیث کی کتابیں رہتی تھیں۔ آپ ایک صاحب ورع و تقویٰ عالم باعمل اور سلف کا نمونہ اور ان کے صحیح خلف تھے، علم و عمل کی اس جامعیت کے ساتھ میاں صاحب کو تعویذات کے فن میں مہارت تامہ حاصل تھی، مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی آپ کے تعویذات سے فیض حاصل کرتے تھے، اس سلسلہ میں آپ کی خدمتِ خلق کا دائرہ بہت وسیع تھا، علم و فضل، زہد و تقویٰ، نیکی و پرہیز گاری نے ان کی ذات کو مرجعِ خلائق بنادیا تھا۔ میاں صاحب کو اپنے بزرگ ماموں حضرت میاں جی منے شاہ اور شیخ المشائخ حاجی امداداللہ مہاجر مکی سے اجازت و خلافت حاصل تھی، غرض کہ اپنے زمانہ کے بڑے بافیض بزرگ تھے۔

خدمات:

مولانا موصوف نے دیوبند میں دارالمسافرین کے نام سے ایک مسافر خانہ کی تعمیر کرائی اور اپنے خاندانی مکتب کو جو آپ کے والد ماجد کی وفات کے بعد بند ہوگیا تھا، دوبارہ جاری کیا۔ اردو زبان میں فقہ و فرائض اور تاریخ کے موضوعات پر چھوٹی بڑی تقریباً ۳۵ کتابیں آپ کی تصنیف و تالیف ہیں۔ ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء کے اواخر میں اپنے متوسلین کی دعوت پر گجرات تشریف لے گئے راندیر میں قیام تھا کہ اچانک حرکتِ قلب بند ہوگئی اور ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء بروز دوشنبہ داعی اجل کو لبیک کہا، وہیں پر ہی آپ مدفون ہیں۔ اھ

حضرت میاں دیوبندی نے ہی شاہ صاحب کی رسم بسم اللہ ادا کرائی تھی۔ نیز گاہے بگاہے وہ ان

کے والدین کے ذریعہ ان کی تعلیم وتربیت کے مواقع بھی فراہم کرتے تھے۔اس طرح ان کی قدر ومنزلت شاہ صاحب کے دل میں تادیر قائم رہی اور آپ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب

حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب کی پیدائش ریاست رام پور میں شوال ۱۳۱۴ھ/ مارچ ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔آپ کے والد ماجد مولانا رشید اللہ اور دادا مولانا مفتی بشارت اللہ ہیں۔تاریخی نام مرغوب اللہ اور چراغ علی ہے۔آپ نے قرآن شریف اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھ کر کچھ عرصہ رامپور کے ایک سرکاری اسکول میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔شوال ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء کے آخیر میں آپ اپنے چچا حکیم محمد فضل اللہ صاحب کے ساتھ رامپور سے تھانہ بھون تشریف لے آئے۔

یہاں ان کا تعلیمی سلسلہ مولانا الحاج عبداللہ صاحب گنگوہی سے قائم ہوا۔ابتدائی عربی سے متوسط کتابوں تک آپ کے استاذ مولانا عبداللہ رہے۔ترجمہ کلام پاک اور مشکوۃ شریف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ سے پڑھیں،تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں آپ نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب اور حضرت مولانا شبیر علی صاحب سے بھی متعدد کتابیں پڑھیں۔

۲۲شوال ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں آپ تھانہ بھون سے مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے ، یہاں مشکوۃ شریف،ہدایہ اولین،مختصر المعانی،سلم العلوم،مقاماتِ حریری،ہدیہ سعیدیہ،ملاحسن،نخبۃ الفکر سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔

۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لے کر صحاح ستہ کی تکمیل فرمائی۔[۴۲]

۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں آپ نے فنون کی تکمیل کی اس کے بعد ایک سال تک مزید مختلف علوم وفنون کی کتابیں بعض اساتذہ سے پڑھیں۔

۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں آپ مظاہر علوم کے معین مدرس بنائے گئے،ایک سال بعد شوال ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں پندرہ روپے مشاہرہ پر مستقل استاذ تجویز کیے گئے۔اور اسی زمانے میں آپ انجمن ہدایت الرشید کے ناظم بنے۔مظاہر علوم میں آپ نے تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، درجۂ ابتدائی کے علاوہ درجہ اعلیٰ کی یہ کتابیں بھی بہت سی مرتبہ آپ کے یہاں ہوئیں۔جلالین ،شرح عقائد،امورِعامہ ،خلاصۃ

الحساب، دیوانِ متنبّی، دیوان حماسہ، توضیح وتلویح، صدرا، اقلیدس، شمس بازغہ، بیضاوی تفسیر مدارک، ہدایہ رابع، حمداللہ، رسم المفتی۔ ۴۳؎

یکم صفر ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں مجلسِ شوریٰ جامعہ مظاہر علوم کے فیصلہ کے مطابق آپ اپنی مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے نائب ناظم بنائے گئے، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کے سانحۂ ارتحال کے بعد یکم محرم الحرام ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء میں آپ ناظمِ اعلیٰ منتخب ہوئے۔ مظاہر علوم جیسی معیاری دینی درسگاہ کے عہدۂ انہماک وانتظام کو آپ نے جس بیدار مغزی اور حوصلہ مندی کے ساتھ سنبھالا اس سے آپ کی قوتِ عمل انتظامی صلاحیت اور بھرپور فہم وفراست عوام وخواص پر آشکارا ہوئی ۴۴؎

مولانا اسعداللہ کی عمر کا ایک بڑا حصہ خدمتِ حدیث میں گزرا۔ آپ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں مظاہر علوم سہانپور کے استاذِ حدیث بنائے گئے۔ اس سال آپ نے پہلی مرتبہ مشکوۃ شریف کا درس دیا۔ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء سے ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء تک متواتر حدیث کی کتابیں آپ کے یہاں ہوتی رہیں۔ اس تینتالیس سالہ عرصہ میں آپ نے مشکوٰۃ تین مرتبہ، مسلم تین مرتبہ، ابوداؤد گیارہ مرتبہ، طحاوی اٹھارہ مرتبہ، نسائی سولہ مرتبہ پڑھائی۔ ۴۵؎

مولانا کی ذات سے جس طرح علمی فیض جاری ہوا اسی طرح روحانی سلسلہ کو بھی ترقی ہوئی۔ متعدد حضرات آپ کے فیض صحبت سے صاحبِ نسبت وتعلق ہوئے۔ جن حضرات کو آپنے اجازت بیعت و خلافت مرحمت فرمائی، وہ سب الحمدللہ مخلوق خدا کے لئے ذریعۂ خیر وبرکت بنے ہوئے ہیں اوران سے دین کی مہتم بالشان خدمات جاری وساری ہیں۔ ۴۶؎

تصانیف:

اسعادالنحو، تکمیل العرفان فی تسہیل حفظ الایمان، فتنۂ ارتد اور مسلمانوں کا فرض، القطائف من لطائف، حجاج، اسعادالطالبین، صحائف اسعد، کلامِ اسعد، کلام، مصباح الطحاوی، اسعاد الاسعد المکالمۃ بنی وبین المعقولین، یہ سب حضرت موصوف کی تصنیفات ہیں۔ ۴۷؎

ان خدمات کے علاوہ آپ کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ آپ دفاع اسلام کے لئے بے چین رہتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں غیر مسلموں کے مختلف فرقے اسلام کی شبیہ بگاڑنے میں لگے ہوئے تھے اور

جگہ جگہ جلسہ وجلوس ومناظرہ کرکے اسلام کو بدنام کرنے میں مصروف تھے۔ایسے لوگوں کا مولانا نے بے باکانہ تعاقب کیا۔مظاہرعلوم کے موجودہ ناظمِ عمومی مولانا سید محمد شاہد اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:

''جب کسی علاقہ یا گاؤں کے متعلق آپ کو معلوم ہوتا کہ وہاں صبح کو ارتداد کا بازار گرم ہوگا اور آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈر پنڈت مدن موہن مالویہ، شردھانند، پنڈت دھرم بھکشو وغیرہ آئیں گے تو آپ بے چین ہوجاتے اور ہزار دقتیں اٹھا کر راتوں رات اس علاقہ میں پہونچاتے اور صبح ہوتے ہی مدلل ومستحکم تقریر کے ذریعہ میدان اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اسلام کی حقانیت ثابت کرکے اہلِ باطل پر اس قدر عرصۂ حیات تنگ کردیتے کہ انہیں راہِ فرار اختیار کرنی پڑتی تھی۔''[۴۸]

آخر حیات میں مختلف عوارض وامراض کی وجہ سے ضعف وکمزوری بہت بڑھ گئی تھی۔حیات کے آخری دنوں میں عموماً دنیاوی امور سے انقطاع رہتا تھا۔اسی حالت میں ۱۴۔۱۵؍رجب ۱۳۹۹ھ/ ۱۰۔۱۱؍جون ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب میں وصال ہوا۔اگلے دن نمازِ جنازہ ہوکر قبرستان حاجی شاہ میں تدفین عمل میں آئی۔[۴۹]

حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب:

حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب (ناظم اعلی واستاذ حدیث جامعہ مظاہرعلوم سہانپور) کی ولادت پور قاضی ضلع مظفرنگر میں ہوئی۔آپ کا سنہ پیدائش اندازے کے مطابق ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولانا جمعیت علی ہے۔قرآن کریم اپنے وطن میں حفظ کرنے کے بعد ابتدائی کتب فارسی اپنے والدمحترم سے بھاولپور جاکر پڑھیں۔ایک موقعہ پر حضرت سہارنپوری (خلیل احمد) بھاولپور تشریف لے گئے تو والدمحترم نے مولانا کو دینی تعلیم کے لیے حضرت سہارنپوری کے حوالہ کردیا اور آپ اس طرح حضرت کے ہمراہ سہارنپور آگئے ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں آپ کا داخلہ مظاہرعلوم میں ہوا۔اس وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی۔مظاہرعلوم میں داخلہ لے کر آپ نے میزان الصرف، قال اقول اور بوستاں سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔

۱۳۲۲ھ/۱۹۰۳ء میں صحاح ستہ کے ساتھ، بیضاوی، ہدایہ آخرین اور قاضی مبارک پڑھ کر

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء میں شعبۂ فنون میں داخلہ لے کر توضیح تلویح، دیوانِ متنبّی، صدرا پڑھیں۔

دورۂ حدیث شریف کے امتحانِ سالانہ میں ہی موصوف اپنی جماعت میں اول نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۴ء میں آپ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی درجِ ذیل تجویز کے مطابق مظاہر علوم کے استاذ بنائے گئے۔

''مولوی عبداللطیف جو قریب الفراغ اور نہایت مستعد طالبعلم ہیں، بمشاہرہ دس روپے مولانا عنایت الٰہی کی جگہ مقرر کیے جائیں۔ یکم جمادی الاولیٰ سے اس کا اجرا کیا جائے''۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس تجویز کی منظوری ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں فرما کر اپنے دستخط فرمائے۔ اس تجویز کے مطابق آپ کا تقرر بعہدۂ معین مدرس ہوا۔

شوال ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں آپ استاذِ حدیث بنائے گئے، چونکہ اس زمانہ میں حضرت سہارنپوریؒ بذل المجہود کی تالیف میں مشغول تھے، اس لیے آپ کے کچھ اسباق دوسرے اساتذہ پر تقسیم کیے گئے، مولانا کے پاس بخاری شریف اور ترمذی شریف منتقل ہوئی، اس طور پر پہلی مرتبہ حدیث کی ان دو بڑی کتابوں کا درس مولانا کے حوالہ ہوا۔ ۵۵؎

حضرت اقدس سہارنپوریؒ جب ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے تو عارضی طور پر پہلی مرتبہ مظاہر علوم کے ناظم بنائے گئے، آپ نے اس موقعہ پر انتہائی تیقظ اور بیدار مغزی کے ساتھ اہتمام کے فرائض انجام دیئے۔ ۵۱؎

آپ حضرت سہارنپوری سے بیعت تھے اور انہی کے فرمائے ہوئے طریقہ پر اورادو معمولات کے پابند رہے۔ ۵۲؎

حضرت موصوف کی علالت کا سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا تھا۔ طویل علالت سے کچھ طبیعت سنبھلی تھی کہ طویل سفر برما کا ہوگیا۔ واپسی کے بعد مرض کی شدت بڑھتی رہی۔ بالآخر ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۲ء دوشنبہ کی صبح وصال ہوا۔ ۵۳؎

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری:

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا گل احمد ہے۔ مشہور افغان قبیلہ یوسف زی سے آپ کا نسب منسلک

ہے ۔بہبودی ضلع کیمبل پور(مقبول پنجاب پاکستان)میں حضرت مولانا کی پیدائش ۳شوال ۱۲۹۹ھ/ ۲۷اگست ۱۸۸۲ء میں ہوئی ۔ابتدائی فارسی اور عربی کی تعلیم کافیہ تک اپنے علاقہ کے ایک عالم مولانا فضل حق شمس آبادی سے حاصل کی ،اس کے بعد مختلف علوم وفنون کی تعلیم متفرق اساتذہ سے حاصل کی ۔

جامعہ مظاہرعلوم میں آپ کی آمد ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں ہوئی دوسال یہاں آپ نے تعلیم میں گزارے شعبان ۱۳۳۱ھ ،مطابق ۱۹۱۳ء میں آپ نے دورۂ حدیث پڑھا۔مظاہرعلوم سے فراغت کے بعدایک سال آپ نے دارالعلوم دیوبند میں گزارااور وہاں شیخ الہند مولانا محمودالحسن ،علامہ انورشاہ کشمیری، علامہ شبیراحمدعثمانی کے درس حدیث میں شریک ہوئے ۔

آپ کے استاذ ومرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس ہونے والے سفرِ دیوبند کے موقع پر یہ حکم فرمادیا تھا کہ دارالعلوم میں پڑھنے کے بعد مظاہرعلوم آنا ہوگااور یہیں پڑھنا ہوگا۔چنانچہ ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں دیوبند سے واپسی پرآپ کومظاہرعلوم میں پندرہ روپے مشاہرہ پراستاذ بنادیا گیا۔کچھ عرصہ بعدآپ مدرس دوم بنادیے گئے ۔۵۴؎

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں جب حضرت سہارنپوری حجازتشریف لے گئے تواپنی غیبت میں آپ نے بحیثیت سرپرست جوانتظامات مدرسہ کے لیے فرمائے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ مولانا کوصدرمدرس او مولاناعبداللطیف صاحب کوناظم مدرسہ تجویز فرمایا۔۵۵؎

آپ نے اپناروحانی تعلق سب سے پہلے مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی سے قائم کیا،فطری صلاحیتوں اور مجموعۂ کمالات ومحاسن ہونے کی وجہ سے حضرت بھی مولانا پرخصوصی توجہ وشفقت فرماتے تھے ۔حضرت کے وصال کے بعد حضرت تھانویؒ کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے ۔حق تعالیٰ نے آپ کی ذات کومحاسن و محامد کا مجموعہ بنایاتھا۔ مولانا خلیل احمدؒ اور حضرت تھانویؒ کی روحانی توجہات وبرکات نے آپ میں مزید چارچاندلگائے اورآپ نے ارشادوسلوک میں ایک مقام پیدا کیا۔۵۶؎

حضرت مولانامحمدزکریاصاحب کاندھلوی مہاجرمدنیؒ:

۱۱رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ/۲فروری ۱۸۹۸ء میں آپ کی ولادت قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر میں ہوئی۔ آپ کے دادا مولانامحمداسماعیل کاندھلوی مقیم دہلی نے جب ولادت کی خبرسنی تو برجستہ

فرمایا تھا کہ اب ہمارا بدل آ گیا۔حضرت شیخ کا عقیقہ مسنونہ یومِ ولادت سے ساتویں روز ہوا۔ جس میں خاندان کے تمام اکابر شریک تھے۔تقریب عقیقہ کے موقع پر آپ کے دو نام محمد زکریا اور محمد موسیٰ تجویز ہوئے۔لیکن عالمی شہرت پہلے نام سے ہوئی۔

والد ماجد کا قیام اس زمانہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں تھا۔اس لیے آپ بھی اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں کاندھلہ سے گنگوہ منتقل ہو گئے اس وقت آپ کی عمر ڈھائی سال تھی۔گنگوہ میں حضرت گنگوہی کی خصوصی شفقتیں اور محبتیں آپ کے شاملِ حال رہیں۔۵۸

جب حضرت شیخ کی عمر کا ساتواں سال تھا۔تب حفظ قرآن شریف کے بعد اردو دینیات بہشتی زیور وغیرہ اور کتبِ فارسی والد ماجد اور مشفق ومحترم چچا مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے پڑھیں۔تعلیم کے معاملہ میں ان دونوں حضرات کے اصول وضوابط بہت منفرد اور نرالے تھے۔ایک اصول یہ تھا کہ خود مطالعہ دیکھ کر آؤ پھر خود عبارت پڑھو اور اس کا مطلب وترجمہ صحیح صحیح بیان کرو۔اگر ان میں کسی چیز میں خامی ہے تو اگلے دن ازسرِ نو تیاری کر کے آؤ۔ایسے موقع پر والد ماجد تو سخت رویہ اختیار کر کے اٹھا دیا کرتے تھے۔ لیکن مولانا محمد الیاس صاحب زبان سے کچھ فرمائے بغیر اپنے ہاتھ کی انگلی سے کتاب بند کر دیا کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ کل دوبارہ محنت ومطالعہ کر کے آنا اور پھر پڑھنا۔۵۹

ماہِ شعبان ۱۳۲۸ھ/ جولائی ۱۹۱۰ء میں حضرت شیخ گنگوہ سے سہانپور منتقل ہوئے اور مظاہر علوم آ کر درجۂ ابتدائی عربی کی یہ کتابیں پڑھیں۔نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، ایساغوجی، مرقات، شرح تہذیب، مفید الطالبین، نفحۃ الیمن، القید ابن مالک، فصولِ اکبری، ترجمہ پارہ عم وتبارک الذی، مجموعہ چہل حدیث۔۶۰

والد ماجد نے آپ کی تربیت اور سخت نگرانی اسی وقت شروع کر دی تھی، جب آپ کا شعور بیدار ہو رہا تھا۔اور پھر سترہ سال کی عمر میں اس نگرانی اور تربیت کا سلسلہ اس وقت ختم ہوا، جب آپ کے اخلاق واطوار نیز عادات وکردار میں مضبوطی وپختگی آ گئی۔۶۱

حضرت اس سترہ سالہ زمانۂ حیات اور عنفوان شباب کی کیفیت اور والد ماجد کی سخت پہرہ والی تربیت کو اپنی تالیف (الاعتدال فی مراتب الرجال) میں لکھتے ہیں:

''میری ابتدائی تربیت جن اصولوں کے تحت ہوئی۔وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ سال کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلامعیت والدصاحب یاچچاجان کے کہیں جانے کی اجازت تھی۔اوراس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی مجلس میں بلا والد ماجد یا چچا جان کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں کہ مبادامیں سبق کی جماعت میں یاحضرت کی مجلس میں کسی بیٹھنے والے سے کوئی بات کرلوں۔مجھے دوتین آدمیوں کے سواکسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔تنہامکان میں جانے کی اجازت نہ تھی۔یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرات کی زیرِ نگرانی شرکت کرتا تھا۔اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں تو الف لیلیٰ بن جائے کہ کس قدر حکیمانہ اور مصلحت آمیز تشدد مجھ پر رہا۔'' ؁۶۲

شیخ الحدیث کے کارنامے:

آپ کے علمی کارناموں کی جولان گاہ تالیف وتصنیف تھی،اس میں بھی آپ نے اپنی انفرادیت کے جاوداں نقوش چھوڑے ہیں۔آپ کی تالیفات کودرج ذیل دومختلف نوعیّتوں میں تقسیم کیاجاسکتا ہے:

(۱)دعوتی اوراصلاحی:آپ کی یہ تالیفات نہایت شیریں اورعام فہم تحریر ہیں۔یہ کتابیں اتنی مقبول ہوئیں کہ اس کی مثال ماضی قریب کی تاریخ میں مفقود ہے۔ان کے لاتعدادایڈیشن شائع ہوئے اوردنیا کی بکثرت زندہ زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے۔اکثر گھروں میں آپ کی اصلاحی اورفضائل کی کتابیں موجود ہیں۔

(۲)علمی اورتحقیقی:آپ نے اس میدان میں بیحد کارہائے نمایاں انجام دیئے اسلامی کتب خانہ آپ کی گرانقدر تالیفات سے مالامال ہے۔اہل علم،مدرسین اورطلباءِ مدارس ان دریائے آبدار سے اپنے ذہن ودماغ اورسینہ کوروشن کرتے ہیں۔ ؁۶۳

حضرت شیخ کی مطبوعہ تالیفات:

(۱) اوجزالمسالک الی مؤطاامام مالک:اس کتاب کی تالیف کے وقت آپ کی عمر۲۵سال تھی۔

(۲) لامع الدراری علی جامع البخاری:یہ مولانارشیداحمدگنگوہی کےعظیم افادات ونادرتحقیقات کا مجموعہ ہے۔اس کومولانامحمدیحیٰ کاندھلوی نے درسِ بخاری کے دوران عربی زبان میں قلمبند کیا تھا۔آپ نے ان نادرتحقیقات اورجامع افادات کی شرح فرمائی۔

(۳) الابواب والتراجم: یہ کتاب صرف صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی تفصیلی شرح پر مشتمل ہے۔

(۴) الکوکب الدری علی جامع الترمذی: یہ حضرت گنگوہی کے ترمذی کے امالی ہیں۔مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی نے عربی میں قلم بند کیا تھا۔آپ نے اس پر حواشی تحریر فرما کر اس کی عبارت کی تفصیل کردی اور بہت سی تحقیقات کو حدیث کے مراجع ومصادر سے اخذ فرما کر حسبِ موقع نقل فرمایا ہے۔

(۵) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی: یہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق وشمائل پر سب سے جامع حدیث کا مجموعہ ہے جو سنن ترمذی کا حصہ ہے۔آپ نے اس کا اردو میں ترجمہ اور تشریح فرمائی ہے۔مزید یہ کہ کتاب کے حاشیہ پر عربی مشکل کلمات اور مفردات کی شرح بھی تحریر کی ہے۔

(۶) حجۃ الوداع وعمرات النبیؐ: یہ رسالہ آپ نے اپنے مشکوٰۃ کی تدریس کے دوران صرف ایک دن اور ڈیڑھ رات میں تصنیف فرمایا تھا۔

(۷) فضائل اعمال: یہ حضرت شیخؒ کی فضائل پر سب سے مشہور تصنیف ہے جس کے تراجم بہت سی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ان کے علاوہ آپ کی غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔[۶۴] حضرت شیخؒ کا اصل اور محبوب موضوع حدیث کا فن تھا۔لیکن فقہ کا موضوع بھی آپ کے فیض رساں سے محروم نہیں۔چنانچہ فہرست تالیفاتِ شیخؒ کے مصنف مولانا سید محمد شاہد نے آپ کی فقہ واصولِ فقہ کے موضوع پر چھ کتابوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) اختلافِ ائمہ

(۲) جزء المناط

(۳) جزء اختلاف الصلوٰۃ

(۴) جزء رفع یدین

(۵) ڈاڑھی کا وجوب

(۶) شذرات، ہدایہ، نورالانوار۔[۶۵]

حضرت مولانا الحاج مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی:

۸ یا ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۷ء شب جمعہ میں آپ کی ولادت باسعادت مشہور قصبہ گنگوہ ضلع

سہارنپور میں ہوئی ۔۶۶ے

تعلیم:

آپ کی بسم اللہ حضرت شیخ الہند نے کرائی ۔اس کے بعد آپ نے اولاً گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی صاحب زادی کی بیٹھک میں حافظ کریم بخش نابینا سے قرآن پاک پڑھا۔ اٹھارہ سطریں ختم قرآن باقی تھیں کہ حافظ صاحب کا انتقال ہوگیا۔بعدازاں حافظ عبدالکریم صاحب امام جامع مسجد گنگوہ کے پاس قرآنِ مجید کی تکمیل کی ۔۶۷ے

ابتدائی عربی وفارسی کتابیں اپنے وطن گنگوہ میں مختلف اساتذہ وقت سے پڑھیں، پھر ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء میں مظاہر علوم آگئے اور عربی درجات کی متوسط کتابیں پڑھنے کے بعد شوال ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ہدایہ آخرین ،مشکوۃ شریف پڑھیں ، ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء میں بیضاوی، ابوداؤد، مسلم شریف۔

۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء میں بخاری شریف وترمذی شریف پڑھیں۔

آپ نے مشکوۃ شریف مولانا نبی حسن دیوبندی سے، ابوداؤد شریف حضرت میاں اصغر سے، مسلم شریف مولانا رسول خاں سے ، بخاری شریف حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے پڑھیں۔ دیوبند سے تکمیل کے بعد آپ پھر جامعہ مظاہر علوم میں آگئے اور یہاں داخلہ لے کر بخاری اور ابوداؤد شریف حضرت شیخ (زکریا) سے، طحاوی ،مؤطاامام مالک ،مؤطاامام محمد مولانا منظور احمد سے ،نسائی ، ابن ماجہ مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری سے پڑھیں۔فنِ قرأت میں اعلیٰ نمبرات سے آپ کامیاب ہوئے اس موقعہ پر بطورِ انعام ایک قیمتی گھڑی الحاج وجیہ الدین صاحب رئیس میرٹھ کی جانب سے آپ کو دی گئی تھی ۔۶۸ے

۴ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۳ء میں آپ کا تقرر دس روپے مشاہرہ پر بحیثیت معین مفتی جامعہ مظاہر علوم سہانپور ہوا۔مولانا منور حسین بہاری ۔مولانا ظہور الحسن کسولوی ، مولانا سمیع الحق پشاوری یہ سب حضرات اسی زمانے میں مظاہر علوم کے دارالافتاء میں آپ کے رفیق تھے ۔۱۳۵۴ھ میں آپ نائب مفتی بنائے گئے ۔۱۳۵۱ھ تک اسی عہدہ پر رہے اس کے علاوہ درسیات کی کتابیں بھی آپ کے ذمہ رہیں۔

۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء میں آپ جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے ۔اور وہاں رہ کر درس وتدریس، فقہ

وفتاویٰ، وعظ وارشاد کے ذریعہ دینی خدمات انجام دیں۔

۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء میں آپ جامع العلوم کے شیخ الحدیث منتخب ہوئے اور پہلی مرتبہ ترمذی شریف کا درس دیا۔

۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۶ء میں جامعہ مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے۔ مولانا کا شمار مظاہر علوم کے ان سرپرستان میں آٹھویں نمبر پر ہے جو فیض یافتہ ہو کر بہ حیثیت سرپرست اس کے خادم بنے۔

طلباء پر عنایات:

شفقت ومحبت اور کرم گستری آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بالخصوص غریب الاوطان طلباء پر ہمیشہ آپ نے دستِ شفقت رکھا۔ ہر سال کتنے ہی طلبہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور دیگر مدارسِ عربیہ کے ایسے ہوتے تھے جن کا وظیفہ اپنے پاس سے مرحمت فرماتے تھے۔ اور ان کی ہر قسم کی ضروریات کی کفالت فرماتے تھے۔ اس کی بھی نوبت آئی کہ بدن کے کپڑے اور اپنی بیش قیمت کتابیں تک دینے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود طلباء کو اپنا محسن سمجھا ان پر کوئی احسان نہیں جتایا۔ ان سے ذاتی خدمت لینے سے ہمیشہ اعراض فرمایا۔ ۶۹

قاری صدیق احمد صاحب باندوی تحریر فرماتے ہیں:

''مظاہر علوم کے قیام کے زمانے میں دیکھا کہ اپنا کھانا تک طالب علم سے نہیں منگواتے تھے بلکہ خود ہی مطبخ تشریف لا کر لے جاتے تھے۔'' ۷۰

آپ ہندوستان کے بہت سے علمی ودینی اداروں اور مدرسوں کے خصوصی مشیر اور سرپرست بھی تھے۔ چنانچہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراداباد، مدرسہ جامع العلوم کانپور، مدرسہ دارالرشاد بارہ بنکی وغیرہ آپ کی سرپرستی اور خصوصی نگرانی میں دینی وروحانی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۷۱

حضرت مفتی صاحب افتاء اور درس وتدریس کی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے، آپ کے نوک قلم سے ایسی کتابیں منظر عام پر آئیں جو سند کا درجہ رکھتی ہیں اور عوام وخواص میں مقبول ہیں۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) مسئلۂ تقلید اور جماعتِ اسلامی (۲) حواشی بہشتی گوہر (۳) مسئلۂ تنقید اور جماعتِ اسلامی

(۴)وصفِ شیخ (۵)اسبابِ غضب حدیث کی روشنی میں(۶)حقوق مصطفیٰ (۷)فتاویٰ محمودیہ۔یہ مجموعہ ہے ان فتووں کا جومفتی صاحب نے قیام مظاہرعلوم اورقیامِ دارالعلوم میں لکھے تھے ان فتاویٰ کومفتی محمد فاروق میرٹھی نے ۲۳جلدوں میں مرتب فرمایاہے۔

وفات:

۲ستمبر۱۹۹۶ءمطابق ۱۷ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ بروزمنگل ہندوستان کے وقت کےمطابق رات کے تقریباًساڑھے دس بجے اورافریقہ کے وقت کےمطابق ۱۸ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ افریقہ میں صبح کے وقت آپ اس دارفانی سے رخصت ہوکراپنے مالک حقیقی سے جاملے۲؎

اگلے روز۱۹ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ کوایلسبرگ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔۳؎

فصل چہارم
تصوف وسلوک

ثبوت بیعت کلام اللہ کی روشنی میں:

ارشادِخداوندی ہے:لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَأَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَأَثَابَھُمْ فَتْحاً قَرِیْباً (الفتح:۱۸)

تحقیق اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے اورجان لیاان کے دلوں میں جوکچھ تھا،ان کے قلب میں اطمینان پیدا کردیااوران کوایک لگتے ہاتھ فتح دی۔ ۵؎

اسی سورۃ میں ارشادخداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ إِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ أَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَإِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ أَوْفٰی بِمَا عَاھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ أَجْراً عَظِیْماً (الفتح:۱۰)

جولوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں خداکاہاتھ ان کے ہاتھوں پرہے۔پھرجوبھی عہدتوڑے گاتواس کےعہدتوڑنے کاوبال اس پرپڑیگااورجوشخص اس بات کوپوراکرے گاجس پرخداسے عہدکیاہے توعنقریب خدااس کواجردے گا۔ ۶؎

شرائط بیعت احادیث کی روشنی میں:

حضرت عبادۃ بن صامتؓ جوجنگِ بدرمیں شریک ہوئے ہیں اورلیلۃِ عقبہ کےنقباء میں سے ایک ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ارشادفرمایاکہ مجھ سے بیعت کروان چیزوں پر(غالب گمان یہی لگ رہاہے کہ صحابۂ کرام کی بڑی جماعت آنحضورﷺ کےاردگردموجودرہی ہوگی)

(۱)اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کوشریک نہیں کروگے

(۲)چوری نہیں کروگے

(۳)زنانہیں کروگے

(۴) اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے

(۵) کسی پر کوئی بہتان نہیں باندھو گے، جس کو اپنے ہاتھ اور پیروں کے درمیان گھڑو

(۶) کسی معروف چیز میں نافرمانی نہیں ہو گی

پس جو اس عہد کو پورا کرے گا اس کے لیے اللہ پر اجر ہوگا اور جو ان میں سے کسی چیز کی بھی خلاف ورزی کرے گا اس کو دنیا میں سزا مل جائے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے اور اللہ اس کی پردہ پوشی فرمائے تو اس کا اختیار اللہ کو ہے چاہے تو اس کو معاف کردے اور چاہے اس کو سزا دے۔ ۶۷

آنحضور ﷺ کے زمانے سے لے کر اب تک بیعت کا معمول ہے:

آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کے انتقال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر حضرت عثمان غنی کے ہاتھ پر، ان کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر حضرات صحابہ اور حضرات تابعین نے بیعت فرمائی، حضرت علی کے بعد بھی ہر دور میں یہ سلسلہ برابر چلتا رہا ہے، اپنے اپنے وقت کے مشائخ، اولیاء کرام نے بیعت ہونے اور کرنے کو اختیار فرمایا ہے اور اللہ نے ان حضرات سے اشاعتِ دین کا بہت بڑا کام لیا ہے، ہر زمانہ میں قرآن وحدیث اور اشاعتِ دین کی عظیم خدمت انجام دینے والے حضرات موجود رہے ہیں، جنہوں نے مشائخ سے وابستہ ہو کر اپنے نفس کی بھرپور اصلاح کرائی، اور یہ حقیقت بھی لگتی ہے کہ جیسے کوئی شخص بھی اپنا علاج خود نہیں کرسکتا ہے۔ اس کو حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جانا ہی پڑیگا حتیٰ حکیم یا ڈاکٹر بھی اپنا علاج خود نہیں کرسکتا ہے تو پھر بغیر روحانی معالج (شیخ) کے اپنی روح کا علاج کیسے کرسکتا ہے۔ اگر اپنی روح کا علاج کرانا ہو تو پھر کسی بزرگ شخصیت سے رابطہ رکھنا ہی ہوگا۔

شاہ صاحب کا انتخاب شیخ اور بیعت:

انسان جس طرح مہارتِ فن کے ساتھ ساتھ مناسبت مزاج وغیرہ کو دیکھ کر جسمانی معالج کا انتخاب کرتا ہے۔ اسی طرح معالج روحانی میں بھی مہارت فن اور اس کے اوصاف ضروریہ کے ساتھ مناسبت مزاج کو دیکھ کر منتخب کیا جاتا ہے۔ حضرت تھانوی دیگر اوصاف وکمالات علمی وروحانی کے ساتھ

معالجۂ روحانی میں خاص مہارت رکھتے تھے۔اور پھراس کی شہرت بھی بہت تھی ،خودشاہ صاحب کے والد وکیل محمودالحق حضرت تھانوی سے وابستہ وفیض یافتہ اورمجاز بیعت تھے۔جس کی وجہ سے گھر کے ماحول میں حضرت تھانوی کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ رہتا تھااورحضرت تھانوی کے مواعظ وملفوظات پڑھے اور سنائے جاتے تھے، پھرشاہ صاحب کے مزاج میں بچپن ہی سے حق تعالیٰ نے دیگراوصاف وکمالات کے ساتھ اصول پسندی اورنظم وضبط کی خاص شان رکھی تھی۔جس کی وجہ سے حضرت تھانوی سے خاص مناسبت تھی ۔ان سب وجوہات کی بناپرحضرت تھانوی کواپنا شیخ ومرشداورروحانی معالج منتخب فرمایااوربچپن ہی میں بزمانۂ طالب علمی اپنی اصلاح نفس کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا۔۷۷

حضرت تھانوی سے نسبت وتعلق کا آغاز:

شاہ صاحب کے والدمحمودالحق جوایک اچھے قانون داں اوروکیل تھے۔آپ حضرت تھانوی سے نہ صرف بیعت تھے بلکہ مجاز بیعت بھی تھے،اس لیے شاہ صاحب کے لیے انتخاب مرشدمیں پس وپیش نہیں کرنا تھا۔طبیعت فطری طورپرانہی سے مانوس تھی ۔مزاج میں انہی کے ساتھ یگانگت تھی ۔حضرت تھانوی کے لیےبھی آپ اجنبی نہیں تھے،اس لیے آپ کے تعلیمی مرحلے کے ساتھ سلوک واحسان کا مرحلہ بھی چلتارہا۔اوراپنی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ اس کے لیے وقت بھی نکال لیتے تھے۔ ہفتہ کی چھٹی ہو یا بعض درمیانی چھٹیاں یاسالانہ کی طویل تعطیل ،بغیرکسی تردد کے آپ کی منزل خانقاہ تھانہ بھون ہوتی ۔اس طرح آپ نےتعلیم کی تکمیل کےساتھ ساتھ سلوک کی بھی تکمیل کرلی۔۷۸

مولاناقاری صدیق احمدباندوی نےمولاناابرارالحق کےمتعلق اپنی کتاب آداب المتعلمین میں لکھاہے:

’’آپ کی اس صفت وامتیازکوآپ کےایک استاذ شیخ الحدیث مولانامحمدزکریاصاحب نے بھانپ لیاتھااوربعد میں کسی موقع پردورانِ درس آپ کےمتعلق یہ بات فرمائی کہ مولاناابرارالحق زمانۂ طالب علمی ہی سے صاحب نسبت ہوگئے تھے۔‘‘۷۹

مرشدِ تھانوی کی ہمراہی:

شاہ صاحب کی حضرت تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون حاضری توبرسوں پوری پابندی کےساتھ ہوتی رہی ایک دودن قیام اورہفتوں مہینوں قیام کی بھی سعادت ملی۔اورسفرمیں بھی ساتھ رہنے کی سعادت

حاصل ہوئی ۔جب حضرت تھانوی کا بغرضِ علاج لکھنؤ کا سفر طے پایا اوراس کے لیے ۱۲؍جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ/ ۱۰؍اگست ۱۹۳۸ء کو تھانہ بھون سے سہار نپور اور سہار نپور سے اگلے روز لکھنؤ روانگی کا پروگرام طے پایا تو تھانہ بھون سے شاہ صاحب بھی ساتھ ہولئے ۔اس سفر میں حضرت تھانوی کے ساتھ آپ کے اہل خانہ، خدام اور بعض خلفاء بھی تھے جن میں خصوصیت سے مولانا جمیل احمد تھانوی، مولانا عبدالباری ندوی قابلِ ذکر ہیں۔اس سفر میں شاہ صاحب نے حضرت تھانوی کے ملفوظات قلمبند کرنے کا اہتمام بھی فرمایا اورآپ کے ضبط میں لائے گئے ملفوظات کا عنوان حضرت تھانوی نے ’’نزول الابرار‘‘ تجویز کیا۔ مگر بعد میں یہ ملفوظات مولانا اسعداللہ صاحب کے نظرِ ثانی کے بعد پیش کیے گئے تو حضرت تھانوی نے نام تبدیل کر کے ’’اسعدالابرار‘‘ کردیا۔الغرض شاہ صاحب نے حضرت تھانوی کے لکھنؤ کے اس قیام سے خاطر خواہ دینی اصلاحی وروحانی استفادہ کیا۔۸۰؎

حضرت تھانوی کی جانب سے اجازتِ بیعت:

اصلاح وتربیت اور رجالِ کار کی تیاری میں حضرت تھانوی کو اللہ نے جو امتیازی شان مرحمت فرمائی تھی وہ محتاج بیان نہیں۔حضرت تھانوی کے ضیاپاش سے باقاعدہ جذب نور کرنے والوں میں شاید سب سے کم عمر حضرت ہردوئی کی ذات تھی ۔۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں جب آپ فتح پور مدرسہ میں مقیم تھے بعمر ۲۲ سال حضرت تھانوی کی خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوگئے تھے۔۸۱؎

اصلاحی وتربیتی جذبہ وفکر:

حضرت تھانوی کی وفات کے بعد مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا۔ان کی رحلت کے بعد خواجہ عزیزالحسن مجذوب سے ،پھر مولانا عبدالغنی پھولپوری سے ،ان کی وفات کے بعد مولانا شاہ وصی اللہ کی خدمت میں مسلسل آمدورفت کا سلسلہ رکھا۔آخر میں مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھی کی خدمت میں آمدورفت کا سلسلہ قائم رکھا۔۸۲؎

مولانا شاہ ابرارالحق اور مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھی دونوں ہی حضرات ایک دوسرے کا انتہائی ادب اوراحترام کرتے تھے حضرت ہردوئی نے ایک دفعہ فرمایا کہ بھائی ہم کو مولانا محمد احمد پرتاپگڑھی کے یہاں کچھ ملتا ہے اس لیے ہم یہاں آتے ہیں۔۸۳؎

فصل پنجم

پیر و مرشد

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی:

حکیم لامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ چودھویں صدی ہجری کے ان علماء اور صوفیاء میں سے ہیں جنہوں نے اس امت کی اصلاح وتزکیہِ نفس کی خدمتِ جلیلہ انجام دی ۔اکثر علماء حقہ نے مولانا اشرف علی تھانوی کو تیرہویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا ہے ۔۸۴؎

آپ کا نام اشرف علی ہے ۔یہ نام حضرت حافظ غلام مرتضٰی پانی پتیؒ نے جو اس وقت کے مقبولِ عام اور مشہور امام اہلِ خدمت مجذوب تھے ۔قبل ولادت حضرت تھانوی بلکہ قبل استقرارِ حمل ہی بطور پیشین گوئی تجویز فرمادیا تھا۔یہ نام تو ابتداءً نانہال کی طرف سے تجویز کیا گیا تھا کیوں کہ حافظ غلام مرتضٰی مجذوب نے نانہال ہی میں تشریف لاکر یہ نام تجویز فرمایا تھا اور دادھیال سے عبدالغنی تجویز کیا گیا۔۸۵؎

حضرت والا کی دادھیال فاروقی اور نانہال علوی ہے والد ماجد کا نام عبدالحق تھا۔آپ قصبۂ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر کے ایک مقتدر رئیس اور صاحب نقد و جائداد تھے ، غرض عقل کی دولت تو حضرت والا کو دادھیال سے ملی اور عشق کی دولت نانہال سے پہنچی جو پیرزادوں کا ایک مشہور خاندان ہے ،والدہ ماجدہ بھی ایک باخدا اور صاحب نسبت بی بی تھیں ۔۸٦؎

چوں کہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی صاحب حضرت والا کے تولد کے تقریباً چودہ ماہ بعد ہی پیدا ہو گئے تھے اور دودھ دو بچوں کے لیے کافی نہ ہوتا تھا۔اس لیے حضرت والا کے لئے ایک انّا (دودھ پلائی) مقرر کی گئی وہ ضلع میرٹھ کے کسی دیہات کی تھیں ،اور قوم کی قصائی تھیں ۔ چنانچہ حضرت والا اکثر مزاح میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قصائی کا دودھ پیا ہے ۔اس لیے بھی میرے مزاج میں حدت ہے مگر الحمدللہ شدت نہیں ۔میرا دل اس قدر نرم ہے کہ مجھ سے کسی کی بھی ذرا سی تکلیف نہیں دیکھی جاتی ، اگر کسی کو ادنیٰ تکلیف میں بھی دیکھ لیتا ہوں تو بس دل پگھل جاتا ہے اور پانی پانی ہو جاتا ہے ۔حضرت والا

نے بہت چاہا کہ اپنی مرضعہ کی اولاد وغیرہ کا پتہ چلائیں تا کہ ان کے ساتھ سلوک کیا جائے۔لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔ ۸۷؎

حضرت والا کا وطنِ مالوف قصبہ تھانہ بھون ہے جو ضلع مظفر نگر میں واقع ہے اس کا اصل نام تھانہ بھیم تھا۔کیونکہ وہ کسی زمانہ میں راجہ بھیم کا تھانہ تھا۔کثرتِ استعمال سے تھانہ بھون ہوگیا۔جب یہاں مسلمان آکر آباد ہوئے تو شرفاءِ قصبہ کے بعض اجداد نے اپنے ایک فرزند ''فتح محمد'' کے نام پر اس کا نام فتح پور کرایا جو کاغذاتِ شاہی میں بھی پایا جاتا ہے ۔لیکن عام طور پر پرانا نام یعنی تھانہ بھون ہی مشہور رہا۔ ۸۸؎

ولادت باسعادت:

حضرت کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء کو چہار شنبہ کے دن بوقت صبح صادق واقع ہوئی ،کسی نے مادۂ تاریخ کرم عظیم نکالا ہے جو بالکل مطابق واقع کے ہے ۔کیونکہ حضرت تھانوی کی ذات بابرکات کا امتِ محمدیہ کے لیے اللہ تعالی کا کرم عظیم ہونا اظہر من الشّمس ہے ،حضرت والا کی ولادت باسعادت ننہال کے اس مکان میں ہوئی جو محلّہ خیل میں ہے اور جواب پیر جی شوکت علی صاحب مرحوم کی اولاد کے حصے میں ہے۔ ۸۹؎

بعد فراغت درسیات حضرت تھانوی چودہ سال تک کانپور مدرسہ فیض عام میں درس وتدریس میں مشغول رہے ۔ اوراس درمیان اپنے مواعظِ حسنہ اور تصنیفاتِ مفیدہ سے بھی وہاں کے مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہے۔علاوہ بریں افتاء کا کام بھی اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔فتوؤں کی نقل بھی مدرسہ میں محفوظ رکھی جاتی تھی ۔جن کا ایک بڑا مجموعہ ہوگیا تھا۔ ۹۰؎

کانپور میں مدرسہ فیض عام میں جو کانپور کا سب سے قدیم مدرسہ دینیہ تھا،صفر ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں پچیس روپے ماہانہ تنخواہ پر ملازم ہو کر تشریف لے گئے تھے ،جو اس وقت کے لحاظ سے کم نہیں سمجھی جاتی تھی ۔ ۹۱؎

آپ کی طبیعت شروع ہی سے عشقِ خداوندی کی طرف مائل تھی ،چوں کہ آپ کی ولادت ایک صاحب خدمت مجذوب بزرگ کی دعا کے نتیجے میں ہوئی تھی ۔اس لیے اس کے آثار بصورتِ انجذ اب الی

الحق وانقطاع عن الخلق آپ کے اندر موجود تھے ،لہذا شروع میں آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت کی درخواست کی ، چونکہ وہ زمانہ آپ کی طالب علمی کا تھا اس لیے حضرت گنگوہی نے طالب علمی کے زمانہ میں بیعت کرنے کو خلافِ مصلحت سمجھ کر انکار فرما دیا تھا۔۹۲

حلیہ:

کھلتا ہوا گندمی رنگ ، وجیہ چہرہ ، سر پر برابر کے بال ، داڑھی گول بھری ہوئی ، سر کے بال اور داڑھی میں سفیدی غالب ، دونوں بھنویں قریب قریب ملی ہوئی ، دوہرا بدن میانہ دراز قد ، چہرہ گول رعب دار باوقار سنجیدہ اور متین ، بادشاہوں کی سی شبیہہ ۔ رفتار نہایت آہستہ ، گردن تھوڑی سی خم کرنے کی عادت ، جسم کے قویٰ مضبوط اور پر گوشت ، آواز صاف و نرم ، پیشانی پر ہلکا سا نشان ، آنکھیں بارونق ، پر کیف ہمیشہ نیچے کی جانب جھکی ہوئی ، جن میں ایک خاص اثر اور رعب تھا۔

چکن ڈوریہ یا تن زیب کی پنچ کلی ٹوپی ، کرتہ زیادہ تر چکن یا سفید نینون کا زیب تن فرماتے تھے۔ اندر ایک بنڈی بند دار ، کرتہ کا بٹن اوپر کا ہمیشہ کھلا ہوا۔شرعی پاجامہ ازار بند کپڑے کا۔جس میں کنجیوں کا گچھا بندھا ہوا۔کپڑے نفیس اور عمدہ وضع دار ، رومال بڑا چار خانہ کا۔جمعہ کے دن دھاری دار عمامہ۔کپڑے ہفتہ میں دو بار ضرور تبدیل فرماتے تھے۔ جمعہ کے روز عطر لگاتے تھے ، سردیوں میں اونی عبا زیب تن فرماتے تھے ۔سردیوں میں سر پر رومال باندھ لیتے تھے ۔اور اونی گرم چادر اوڑھے رہتے تھے ۔صبح و شام گرم موزہ پہنتے تھے ۔بعد میں اونی موزہ پہننا چھوڑ دیا تھا ، جمعرات کے دن حجامت بنواتے تھے ، سر کے بال پیچھے کچھ پٹھوں کی طرح تھے ۔۹۳

حضرت تھانوی نے جس قدر تصنیفات و تالیفات کی تھیں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے ۔آپ نے اسلام کے ہر پہلو پر اور شریعت کے ہر گوشہ پر روشنی ڈالی اور ان تصانیف سے وضاحت کی:

(۱) بیان القرآن : یہ مختصر لیکن قرآن مجید کی نہایت جامع تفسیر ہے جس میں ترجمہ سلیس اردو میں بامحاورہ تحت اللفظ کی رعایت کے ساتھ تحریر فرمایا گیا۔

(۲) جامع الآثار: علوم الحدیث میں یہ کتاب مذہبِ حنفیہ کے دلائل احادیث کا مخزن ہے ۔جن احادیث سے ائمہ حنفیہ استدلال کرتے ہیں۔ان کو تتبع اور تلاش کر کے فقہی ابواب کی ترتیب پر جمع

کیا ہے۔

(۳) فروع الایمان: اس میں ان ایمانی خصائل وعادات کا بیان ہے جو ایک مومن میں ہونی چاہئیں۔

(۴) تعلیم الدین مع تکمیل الیقین: اصلاح عقائد کے لیے بہترین کتاب ہے۔

(۵) جزاء لاعمال: اس میں اعمال خیر وشر اور ان کی جزاء وسزا کا مفصل حال بیان فرمایا ہے۔

(۶) تعلیم الدین: اس میں دین کے ہر چہار اجزاء، عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور سلوک کے طریقوں وغیرہ سے بحث کی ہے۔

(۷) التکشف عن مہمات التصوف: یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں تصوف کی حقیقت قرآن وسنت سے ثابت کی ہے اور مسائل تصوف پر تفصیلی بحث کی ہے۔[۹۴]

(۸) اصلاح الرسوم: پیدائش سے لے کر بوقت موت تک کی کل رسومات مروجہ کی خرابیاں اس میں دکھلائی گئی ہیں۔ اور ان سے جو دینی ودنیوی نقصانات ہوتے ہیں وہ تحریر کیے گئے ہیں۔

(۹) آداب المعاشرت: اس میں باہمی معاشرت اور مل کر رہنے کے آداب بتلائے گئے ہیں۔

(۱۰) بہشتی زیور: عورتوں کے جملہ مسائل اور دین کے تمام احکامات پر تفصیلی مسائل درج ہیں اپنے موضوع پر ایک نادر کتاب ہے۔ جو عوام وخواص میں اب تک اسی طرح مقبول ہے جس طرح پچاس سال قبل تھی۔ گیارہویں حصے میں جو بہشتی گوہر کے نام سے مشہور ہے مردوں سے متعلق مسائل ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے دین کے ہر شعبہ پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اس کے علاوہ مواعظ وملفوظات کے مجموعے الگ چھپے ہیں۔ تالیفات بھی کئی سو کی تعداد میں ہیں۔[۹۵]

۱۵۔۱۶ ار جب ۱۳۶۳ھ/ مطابق ۱۹۔۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب میں تھانہ بھون میں آپ نے وفات پائی، وہاں پر ہی آپ مدفون ہیں۔[۹۶]

حضرت تھانوی کے انتقال کے بعد شاہ صاحب نے جن بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، وہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب ہیں:

خواجہ عزیز الحسن مجذوب کی تاریخ پیدائش ۱۲ جون ۱۸۸۴ء ہے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں تعلیم

حاصل کرنے کے بعد ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر فائز ہو گئے ،مگر سات برس بعد نصف تنخواہ پر محکمۂ تعلیم میں اپنی خدمات منتقل کروالیں ،اور انسپکٹر آف سکولز کے عہدہ پر ترقی پائی ۔حضرت تھانوی سے آپ کو خصوصی تعلق تھا۔حضرت تھانوی سے خصوصی تعلق کے بعد آپ کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہو گیا تھا۔حقوق العباد کی ادائیگی پر خصوصی توجہ فرمانے لگے۔۹۷

ایک مرتبہ حضرت تھانوی نے خواجہ صاحب کے متعلق فرمایا کہ خواجہ صاحب بے حد بے نفس آدمی ہیں۔خواجہ صاحب نے ایک شعر پڑھا تھا اس کے متعلق حضرت تھانوی نے فرمایا کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپئے ہوتے تو میں خواجہ صاحب کو انعام دیتا۔شعر یہ تھا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی

اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی ۹۸

۱۷/اگست ۱۹۴۴ء کو چمنستان اشرفی کا یہ بلبل ہزار داستان اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر وہاں پہنچ گیا جہاں کچھ عرصہ پہلے اس کا محبوب گل سر سبد گلستان چشتیہ (حضرت تھانوی) زینت بخش ہو چکا تھا۔۹۹

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری سے تعلق:

شاہ ابرارالحق صاحب کا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے وصال کے بعد جن عظیم المرتبت خلفاء سے طویل المدتی اصلاحی تعلق رہا ان میں مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔شاہ ابرارالحق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کئی کئی روز آپ کے پاس قیام کرتے تھے۔ مقصد صرف اور صرف معرفتِ الٰہیہ کی طلب تھا۔

مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری کی سن ولادت ۱۲۹۳ھ/۱۸۸۰ء ہے اور آپ اپنے مرشد مولانا اشرف علی تھانوی سے تیرہ سال عمر میں چھوٹے ہیں۔والد ماجد کا نام عبدالوہاب تھا۔ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں مسمیٰ بہ چھاؤں کے رہنے والے ہیں۔لیکن آپ کی عمر کا بیشتر حصہ چونکہ قصبہ پھولپور میں گزرا ہے۔اسی لیے آپ پھولپوری مشہور ہیں؟ پھولپور چھاؤں سے گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔۱۰۰

۲۱/ربیع الاول ۱۳۸۳ھ/۱۲اگست ۱۹۶۳ء بروز دوشنبہ کی شام کو ۵ بجکر ۵۰ منٹ پر اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔پاپوش نگر کراچی (پاکستان) میں آپ مدفون ہیں۔۱۰۱

مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ:

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پورتالی نرجا کے ایک گاؤں میں ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ دس بارہ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔گھر پر عربی اور فارسی کی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔اور ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء میں سندفراغت حاصل کی، علامہ انورشاہ کشمیری، مولانا مرتضیٰ حسن، مولانا شبیراحمد عثانی آپ کے اساتذۂ کرام تھے۔خوش نصیبی سے طالب علمی کے زمانہ ہی میں آپ کو حضرت تھانوی کی خدمت میں حاضری اور تربیتِ باطنی کا شرف حاصل ہوگیا اور نصابِ تعلیم کو پورا کر کے تھانہ بھون کے ہورہے۔اور بہت جلد باطنی تربیت مکمل کر کے حضرت تھانوی کے خلفاءِ مجاز میں شامل ہوگئے۔۱۰۲

زندگی کے آخری سالوں میں مختلف امراض کے سبب ممبئی میں آپ کا قیام ہونے لگا اور خدا نے اس قیام ممبئی کو اہل ممبئی کے لیے رشدوہدایت اور رحمت کا وسیلہ بنادیا، شاید ہی اللہ کے کسی اور بندے سے اہل ممبئی کو اس قدر وسیع پیمانہ پراتنا دینی فائدہ پہنچا ہو۔

۲۲ نومبر ۱۹۶۷ء کو آپ نے حج کی غرض سے بحری سفر اختیار کیا اور ۲۵ نومبر ۱۹۶۷ء کو جہاز ہی پر آپ کا انتقال ہوگیا۔مکہ مکرمہ میں آپ کو دفن کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر منشائے ایزدی کے تحت آپ کو سمندر کے حوالہ کردیا گیا تھا۔۱۰۳

شاہ ابرارالحق کا شاہ وصی اللہ صاحب سے تعلق:

شاہ ابرارالحق کا حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ سے خاص تعلق تھا۔شاہ صاحب بھی آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے اور آپ کی قدر فرماتے تھے، چنانچہ جب پہلی مرتبہ شاہ صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں فتح پورتال نرجا تشریف لے گئے تو حضرت والا نے چندقدم بڑھ کر آپ کا استقبال فرمایا اور اپنے خاص گدے پر بٹھایا اور آپکے قیام وطعام کا خاص اہتمام فرمایا۔جب خاص مجلس میں شاہ صاحب نے اپنے کام کے اصول وقواعد بیان کیے، تو حضرت مصلح الامت نے فرمایا اس طرح کام کیا کرتے ہیں، پھر گاؤں کی باہری مسجد میں وعظ کے لیے فرمایا تو مولانا المکرّم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد یٰاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا الخ: کی تلاوت کر کے بہت ہی مفید اور موثر مضمون بیان فرمایا۔پھر شاہ

صاحب الٰہ آباد بھی متعدد بار تشریف لائے نیز جب بغرض علاج لکھنؤ قیام فرماتے تو وہاں نیز ممبئی کے اثناء قیام مصلح الامت کی خدمتِ اقدس میں تشریف لے جاتے تھے۔اور حضرت والا حسب معمول آپ کے قیام وطعام کا خاص انتظام فرماتے تھے اور جب حضرت والا حج کے لیے جارہے تھے ،تو شاہ صاحب حضرت کو رخصت کرنے کے لیے ممبئی تشریف لے گئے ۔تو حضرت مصلح الامت بہت مسرور ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ آپ سے مجھے بہت توقعات ہیں۔[۱۰۴]

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڑھیؒ:

آپ کی ولادت باسعادت موضع پھولپور ضلع پرتا پگڑھ یوپی میں ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں ہوئی ۔ آپ کے والد کا نام غلام محمد تھا اور آپ کا اصلاحی تعلق اولیں زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے تھا۔آپ ان کی خدمت بابرکت میں برابر حاضر ہوا کرتے ،ان کی بابرکت ذات سے مستفید ہوتے اوران کی دعائیں لے کر واپس ہوتے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی دعاوتوجہ سے مولانا محمد احمد میں رشد وصلاح کے آثار بچپن سے ہی نمایاں تھے ۔نیکی وپرہیزگاری کا خاص لحاظ رہتا۔نماز روزے کے پابند اور تلاوت کلامِ پاک کا ذوق وشوق تھا۔عام بچوں کے برخلاف کھیل کود سے مجتنب ومحترز رہتے ۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کے ساتھ بہت خاص معاملہ فرمانا چاہتا ہے اوراس کی طرف اپنا لطف وعنایت مبذول کرنا چاہتا ہے ۔اوراس کو اپنی عظیم نعمت یعنی اپنی نسبت ومعیت اورمحبت ومعرفت عطا فرمانا چاہتا ہے ۔تواس کے حصول کے لیے اس کے اسباب وعوامل بھی فراہم فرمادیتا ہے ۔ چنانچہ جب حضرت مولانا سن شعور کو پہنچے تو اس دولت کی تحصیل کے لیے آپ مولانا وارث حسن کی خدمت میں لکھنؤ پہنچ گئے ۔آپ کا قیام گومتی ندی کے کنارے ٹیلہ والی مسجد میں رہتا تھا اور وہاں ان کی تعلیم کے مطابق ذکر واذکار، تزکیۂ نفس اوراصلاح قلب میں مشغول ہوگئے ایک طویل عرصہ تک آپ ان کی خدمت میں رہے اور حضرت کی طرف سے اجازت وخلافت سے بھی مشرف وسرفراز ہوئے ۔[۱۰۶]

وفات سے چند سالوں پہلے حضرت کا قیام زیادہ تر شہر الٰہ آباد میں رہنے لگا تھا،اس سے پہلے کبھی پرتاپگڑھ شہر میں تشریف رکھتے ،کبھی اپنے گاؤں پھولپور قیام رکھتے ،شہر الٰہ آباد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت

کے وجود میمون سے خوب کام لیا۔اس شہر میں علماء ومشائخ دور دور سے آ کر قیام رکھتے اور حضرت کے مفید ارشادات اور خصوصی توجہات سے مستفید ہوتے ۔شہر الہ آباد کے حضرات بھی آپ کے روحانی مواعظ سے فائدہ اٹھاتے۔۱۰۶

علماء ومشائخ کی آپ کے ساتھ عقیدت:

علماء ومشائخ آپ سے بیحد محبت وعقیدت رکھتے تھے۔اور اپنی تقریروں وتحریروں میں بلند کلمات والقاب کے ساتھ آپ کا ذکر فرماتے تھے۔چنانچہ کسی کا قول ہے:

آپ کی ذات مغتنمات میں سے تھی، کسی کا ارشاد ہے کہ آپ منجملہ انعامات الٰہیہ کے تھے اور کوئی آپ کو بقیۃ السلف کے لقب سے ملقب کرتا تھا۔غرض بکثرت علماء ومشائخ آپ کی ولایت اور نسبت مع اللہ کے معترف ومعتقد تھے۔۱۰۷

وفات:

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڑھیؒ ۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ م/ ۲۲؍اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ہزاروں محبین ومخلصین کو چھوڑ کر دارِ آخرت کی طرف رحلت فرما گئے ۔ جنازہ میں شرکت کے لیے عقیدت مندوں کا ایک مجمع کثیر سیلاب کی مانند امنڈ پڑا منصور پارک میں نمازِ جنازہ آپ کے صاحبزادے مولانا اشتیاق احمد صاحب نے پڑھائی اور محلّہ رام باغ کے قریب اکیلا آم نامی قبرستان میں تدفین ہوئی۔۱۰۸

فصل ششم

علالت ووفات

شاہ ابرار الحق صاحب پر بیماری کا پہلا حملہ کافی تشویشناک تھا جس نے لوگوں کو فکر میں ڈال رکھا تھا۔ مولانا کو لکھنو لے جایا گیا پہنچتے پہنچتے غنودگی طاری ہوگئی۔ منھ سے ایک بار نہیں کئی بار خون آچکا تھا۔ سحر نرسنگ ہوم میں داخل کیے گئے۔ ڈاکٹروں کی ٹیم نے اپنے ہنر اور کرتب دکھلائے اور سب کے مشورے سے علاج شروع ہوا، مسلم ہی نہیں غیر مسلم اطبا بھی آپ کی خدمت میں حاضری دینے کو اورادنیٰ خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ بالائی منزل میں سکون واطمینان کی جگہ آپ کو رکھا گیا۔ آپ غنودگی اور سکتہ کے عالم میں پڑے ہوئے تھے۔ نلکی کے ذریعہ سے دوائیں اور غذائیں پہنچائی جارہی تھیں۔ لکھنؤ اور کانپور میں ہی نہیں دور دراز شہروں اور بیرون ملک بیماری کی خبر بجلی کے کرنٹ کی طرح پھیل چکی تھی۔ عیادت اور زیارت کرنے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ بیماری کی خبر پھیلتی جارہی تھی۔ لکھنؤ اور کانپور کے علاوہ حیدرآباد، گجرات، بمبئی، اورنگ آباد، افریقہ سے آنے والوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، علماء ومفتیان کرام اور دیگر عمائدین صرف زیارت وعیادت کی نیت سے حاضر ہوتے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر چلے جاتے تھے۔ مرکز نظام الدین، مکہ مکرمہ، خانہ کعبہ، مدینہ طیبہ، مسجد نبوی میں آپ کی صحت کے لیے دعائیں کی جارہی تھیں، ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق برین ہیمبرج کا حملہ تھا۔ دوا اور دعا دونوں ساتھ چل رہی تھیں۔ بالآخر حرم پاک اور مدینہ میں رورو کر کی جانے والی دعائیں کیوں اثر نہ لاتیں، الحمدللہ آپ صحت یاب ہوگئے۔ ۱۰۹؎

بیماری کا ایک اور حملہ اور بمبئی کا سفر:

طویل بیماری کے بعد صحت وتندرستی کے خوشگوار دن گزارتے رہے۔ آپ کے فیض کا سلسلہ بڑھتا ہی جارہا تھا، اہل مدارس، علماء وفضلاء اور مشائخ کا تانتا لگا ہوا تھا، بعد نماز عصر کی مجلس آپ کے پورے انشراح وانبساط کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ مدرسہ کا نظم ونسق اور واردین وصادرین جن جن اغراض ومطالب کے لیے

آتے تھے۔آپ ان سب سے ملاقات کرتے۔آنے والوں کے لیے اصلاح وتربیت کادروازہ کھلا ہوا تھا، ہر وقت مہمانوں کا ہجوم رہتا تھا۔اہل علم واہل مدارس کی بڑی تعداد ہر وقت استفادہ کی غرض سے اور تصحیح کلام پاک وتصحیح اذان وصلوٰۃ کے لیے پڑی رہتی تھی۔ اور آپ ان سب کی سرپرستی فرماتے تھے۔کوتاہی کرنے والوں پر زجر وتوبیخ کے منظر بھی سامنے آتے رہتے تھے۔کارکنان مدرسہ سے ادنیٰ لغزش ہوجانے پر محاسبے بھی ہوا کرتے تھے۔دوران سفر بھی حضرت خبر گیری فرماتے رہے۔کبھی علی گڑھ میں کبھی مرادآباد میں ہیں وہاں سے بھی رابطہ رہتا تھا، لیکن دیکھتے دیکھتے ایک دن حضرت پر پھر بیماری کا شدید حملہ ہوا۔حسبِ معمول حضرت پھر لکھنؤ تشریف لے جانے لگے۔لکھنؤ میں علاج ہوا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ڈاکٹروں نے اپنی جانب سے تمام تدابیر کرڈالیں ۔لیکن تمام کی تمام بے سود ثابت ہوئیں۔اور تقدیر کے آگے تدبیر کرہی کیا سکتی تھی ۔ منجانب اللہ یہ بات مقدر ہوچکی تھی کہ وقت کے شیخ ابرار کے فیض کو بمبئی جیسے شہر میں بھی پہنچایا جائے۔

وہ بمبئی شہر جہاں آپ کے شیخ حضرت تھانوی نے اصلاح وتربیت کی بنیاد ڈالی، جہاں آپ کے شیخ نے اصلاحی وعظ فرمایا،وہ بمبئی شہر جو ایک عرصہ سے حضرت تھانوی کے خلفاء مصلح الامۃ شاہ وصی اللہ وحکیم الاسلام قاری محمد طیب اور دیگر اکابر کی توجہات کا مرکز بنا رہا۔اب پھر کسی اللہ والے کی آمد کا منتظر اور اپنی قسمت کے دن شمار کررہا تھا۔قدرت کو منظور یہی تھا جس کے لیے قدرتی طور پر حضرت کو لکھنؤ سے بمبئی بھیجنے کے اسباب پیدا کیے گئے ۔ یہ بیماری نہیں بیماری کا بہانہ ہے۔کسے معلوم تھا کہ حضرت کا یہ سفر لکھنؤ کے لیے ہورہا ہے۔یا بجائے لکھنو کے بمبئی کا۔چنانچہ لکھنؤ سے برائے ہوائی جہاز آناً فاناً بمبئی کا نظام بن گیا۔حضرت ہردوئی بمبئی تشریف لے آئے ،علاج کی کارروائیاں ہوئیں ۔ ہر ڈاکٹر اپنی سعادت سمجھ رہا تھا کہ حضرت کی خدمت کا موقع ہمیں مل جائے ،رات کے وقت کئی ڈاکٹروں کا اجتماع ہوتا اور سب باہم مشورے کرتے۔ حضرت کے جسمانی امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز فرماتے ،یہ تھوڑی دیر کی صحبت خود ان ڈاکٹروں کے لیے بڑی مفید اور نفع بخش ثابت ہوتی ،حضرت کی خصوصی دعاء اور توجہ ان سب کو حاصل ہوتیں۔[۱۰۱]

ٹھیک وہی صورت حال یہاں بھی تھی جس کو حضرت شاہ وصی اللہؒ کی بابت مفکرِ اسلام مولانا سیدابوالحسن علی ندوی نے اپنی تصنیف پرانے چراغ میں تحریر فرمایا ہے:

’’میں نے ان تاجروں اور چوٹی کے کاروباری لوگوں کی عقیدت ورجوع کو دیکھا جو اس سے پہلے

کسی دینی دعوت وتحریک سے متاثر نہیں ہوئے تھے اور جو علماء حق کی طرف شدید غلط فہمیوں اور بدگمانیوں میں مبتلا تھے۔ان کا رجوع برابر بڑھتا گیا اور تیزی سے ان میں اصلاح وتغیر آنے لگا۔دیکھتے دیکھتے ان کی صورت وسیرت میں نمایاں تبدیلیاں ہونے لگیں۔''[۱۱]

دوران علاج شاہ ابرار الحق کا ارشادفرمودہ ملفوظ:

''ارشادفرمایا کہ صحت کی دعاء کرتے رہنا چاہیے۔لیکن جب بیماری آجائے تو اس کو بھی اپنے لیے خیر سمجھے اس سے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے اور عاجزی وتواضع پیدا ہوتی ہے اور تکوینی طور پر ڈاکٹر کی روزی، ٹیکسی والوں کی روزی، تیمارداروں کو ثواب اور دواخانوں کا نفع اور نہ جانے کیا کیا حکمتیں ہیں۔ بالخصوص جب مقتدائے دین اور مشائخ بیمار ہوتے ہیں۔تو وہ ضعفاء اور کم ہمت جو دین کے کنوئیں تک نہیں جاسکتے ہیں تو بیماری کی راہ سے کنواں وہاں تک پہنچادیا جاتا ہے۔میں مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے بارے میں کہا کرتا ہوں کہ مولانا جب بیمار ہوکر علاج کے لیے بمبئی تشریف لے گئے تو بمبئی کے کتنے لوگوں کو دینی نفع ہوا اور کتنے ڈاکٹروں کی اصلاح ہوئی۔''[۱۱۳]

آخری دن اور آخری لمحات:

۱۷مئی ۲۰۰۵ء سہ شنبہ کا دن تھا لوگوں نے بتایا کہ آج حضرت بڑے ہشاش بشاش بڑے نشاط اور قوی معلوم ہورہے تھے۔چہرے سے بشاشت اور خوشی کے آثار نمایاں تھے ،فکر کے ساتھ چستی اس قدر غالب تھی کہ آنے والے مہمانوں کے لیے خود ہی باہر تشریف لائے۔مہمان خانہ آکر مہمانوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔سب سے ملاقات کررہے ہیں، کسے معلوم تھا کہ مصافحہ بھی الوداعی مصافحہ ہورہا ہے۔کبھی یہ فرماتے ہیں کہ میرے بعد تم لوگ کیسے کام کروگے، تیزی سے اپنی کرسی پر سوار،کبھی دفتر تشریف لے جاتے ہیں، اور کام کا جائزہ لیتے ہیں۔کبھی مطبخ کے دفتر جاتے ہیں تو سارے حسابات کا معائنہ فرماتے ہیں۔مطبخ میں صفائی ستھرائی کی کمی دیکھ کر اس پر تنبیہ فرماتے ہیں۔ایک طرف مہمانوں کا ہجوم ہے،ان سے ملاقات و مصافحہ کے بعد ان کو دعائیں بھی دیتے ہیں۔اور مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم صاحب جن کے نام حضرت نے خط ارسال فرمایا تھا وہ بھی تشریف لاچکے تھے، دوپہر ہوچکی تھی صبح سے گشت کرتے ہوئے حضرت تھک چکے تھے۔تھوڑی دیر آرام فرمایا، سہارنپور سے آنے والے مہمانوں سے ملاقات اور گفتگو کا وقت عنایت

فرمایا۔اب وقت آیا تھا کہ حضرت ان مہمانوں سے ملاقات کرتے اور مدرسہ کی اصلاح کے متعلق کچھ ہدایات فرماتے ،لیکن طبیعت کافی مضمحل ہوچکی تھی ۔۱۱۳

غنودگی اور موت کے آثار:

آپ نے ظہر کی نماز ادافرمائی اب طبیعت کافی مضمحل ہے نقاہت وضعف اس درجہ ہوگیا کہ اب بات کرنے کی ہمت نہیں،طبیعت گرتی جارہی ہے۔اسی اثناء میں اچانک منھ سے خون آیا،اور کافی مقدار میں آیا۔معالجین کوفورابلایا گیا،انہوں نے اپنی تمام تر تدبیریں کرڈالیں۔اسی ضعف اور شدید نقاہت کے عالم میں عصر کی نماز بھی ادافرمائی ۔خون پھرآ گیا اوراس بار پہلی مرتبہ سے بھی زیادہ آیا،غنودگی طاری ہوگئی، زبان پر اللہ کا ذکر جاری اور بے ہوشی طاری،ڈاکٹر آئے آکسیجن لگایا گیا،اسپتال لے جانے کے انتظامات کیے گئے، ڈاکٹروں نے اپنی کوششیں کرڈالیں ۔ ہرممکن تدبیر میں کسر نہ اٹھارکھی ،لیکن تقدیر کے آگے تدبیر کچھ نہ کرسکی ۔۱۱۴

وفات کا حال:

سوانح مولانا ابرارالحق کے مرتب حضرت کی زندگی کے آخری ایام اوروفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’مغرب کی نماز کے وقت تھرمامیٹرلگایا تو درجۂ حرارت ۹۸ نکلا اور مکرم جناب حکیم کلیم اللہ صاحب کی ہدایت تھی کہ اگرتھرمامیٹر میں درجۂ حرارت ۹۸ ہوتو تیمّم کرادیا کرو، چنانچہ حکیم صاحب کی ہدایت کے مطابق تیمّم کرادیااور ہم خدام نے کمرے ہی میں حضرت والا کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی ،نماز محمد خالد (مدھیہ پردیش) متعلم مدرسہ اشرف المدارس نے پڑھائی ،فرض نماز کے بعد دورکعت سنت بھی ادافرمائیں اور دعوۃ الحق کے سلسلے میں کچھ گفتگوفرمائی ،اس کے بعد حضرت والا کو کھانسی آئی تو منھ سے بجائے بلغم کے خون نکلنے لگا، تو مولوی علیم الحق (شاہ صاحب کے نواسے) نے بمبئی کے ڈاکٹر سے رابطہ کرکے دوا پلائی تھوڑی دیر کے لیے کھانسی بندہوگئی ، ہردوئی کے ڈاکٹر بھی آگئے، آپس میں مشورہ ہورہا تھا کہ ناک سے خون آنے لگا اورضعف محسوس ہونے لگا،تو حضرت نے ہم خدام سے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ پڑھ کردم کرو،اس دوران شدید گرمی محسوس کی ۔یہ دیکھ کرڈاکٹر نے

کہا کہ ہم لوگ یہاں کچھ نہیں کر پائیں گے ،فوراً اسپتال لے چلو، حضرت کو گاڑی پر لٹایا گیا۔ حضرت کے منھ سے اللہ اللہ کا ورد سنا گیا،اس کے بعد اندازہ لگایا کہ اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی قبل نماز عشاء حضرت رحلت فرماگئے ۔اناللہ وانا الیہ راجعون ۔۱۱۵

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷ مئی ۲۰۰۵ء چہار شنبہ کی رات تقریباً ۹ بجے ایک ہنگامہ خیز رات اور قیامت خیز منظر تھا، کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ دفعتاً پہاڑ ٹوٹ پڑیگا، دل ودماغ ماؤف ہوگئے ۔ایک اچھی خاصی شخصیت ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی ۔ چراغ گل ہوگیا، دل بجھ گئے ، چاند چھپ گیا،سورج غروب ہوگیا۔ اور پوری دنیا پر اندھیرا چھا گیا۔ بجلی گر گئی ۔غم کے بادل چھا گئے ، کتنے دلوں کے ارمانوں کا خون ہوگیا۔۱۱۶

مدرسہ کے احاطہ میں چاروں طرف لوگوں کا ہجوم تھا،مدرسہ کا صحن ومسجد،مہمان خانہ، دفتر و دیگر مقامات کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں لوگوں کی بھیڑ نہ ہو،ہجوم بڑھتا جارہا تھا اور ہر شخص حضرت کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس رہا تھا۔لوگ مچھلی کی طرح مضطرب اور بے چین تھے کہ کسی طرح حضرت کی ایک مرتبہ زیارت ہوجائے ۔۱۱۷

مجمعِ عام میں شاہ صاحب کی آخری زیارت:

مجمع کو دیکھتے ہوئے حضرت کی آخری زیارت کے لیے نظام بنایا گیا اور یہ نظام بنانا بھی وقت کی ضرورت کے لحاظ سے تھا۔ کیونکہ مجمع بے قابو وبے چین تھا کہ آخر ہم کو حضرت کی زیارت کیوں نہیں کرائی جارہی ہے ،مکان کے چاروں طرف اور دروازہ پر لوگوں کی ایسی بھیڑ کہ ایسا لگتا تھا کہ دروازہ ٹوٹ جائیگا اور پورا مجمع اندر ٹوٹ پڑے گا۔۱۱۸

دفترِ اہتمام جس کے تین در ہیں وہاں پر لمبے لمبے پائپ اور بلیاں مضبوط رسیوں سے باندھ دیے گئے تاکہ لوگ اندر نہ آسکیں اور مضبوط اور طاقتور بہادر قسم کے چند افراد ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہوگئے کہ درمیان سے کوئی صاحب آنے کی کوشش نہ کریں، حضرت کا جنازہ گھر کے اندر سے باہر چارپائی پر لایا گیا اور جنازہ دفترِ اہتمام ہی کے بائیں طرف در پر رکھ دیا گیا۔ یہ وہی قدیم دفترِ اہتمام ہے، جہاں حضرت کی مجلس ہوتی تھی اور حضرت وعظ ونصیحت کی باتیں بیان فرماتے تھے ۔افسوس آج اس کا نقشہ ہی کچھ اور ہے، اعلان کردیا گیا کہ آنے والے حضرات ایک طرف سے آتے جائیں اور سیدھے مسجد کے راستے سے نکل کر عیدگاہ

جاتے جائیں، جہاں نمازِ جنازہ ہونی ہے زیارت شروع ہوئی، اللہ اللہ لوگوں کا کس قدر ہجوم چیخ وپکار ریل پیل کا ایسا منظر کہ لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، بار بار لوگوں کو آگاہ کرنا پڑتا تھا، تنبیہ کی جاتی کہ نظم ونسق کو برقرار رکھیں ایک ہی طرف سے آئیں لائن سے آئیں، لائن نہ توڑیں، زیارت کر کے جلد آگے بڑھ جائیں، لوگ گھنٹوں پہلے سے لائن لگائے کھڑے تھے جن کی زیارت کا نمبر نہیں آرہا تھا اور جس کا نمبر آجاتا وہ ایک جھلک دیکھنے پر قناعت نہ کرتا، بلکہ جی بھر کے دیکھنے کی کوشش میں رہتا۔۱۱۹

جنازہ کاندھوں پر:

بمشکل تمام کسی طرح زیارت کا سلسلہ بند کیا گیا اور اب وقت آگیا کہ جنازہ کندھوں پر اٹھایا جائے، جنازے کے ارد گرد ایسا جم غفیر اور ازدھام اور ایسی چیخ وپکار کا عالم کہ ایک دوسرے کی آواز سنائی دینی مشکل، لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا جارہا تھا کہ آپ لوگ خاموش رہیں اب جنازہ باہر لے جایا جائیگا، آپ لوگ راستہ صاف کردیں، نکلنے کی جگہ دے دیں خاموش ہوجائیں، کنارہ کو ہٹ جائیں، بڑے پائپ جنازہ کی چارپائی پر باندھے گئے تاکہ زائد سے زائد لوگوں کو کاندھا دینے میں سہولت ہو، مدرسہ کے احاطہ میں لوگوں نے گیٹ کے کنارے قطار بنالی، اور سڑک پر تو گھنٹوں پہلے لوگ قطار میں صف بستہ منتظر دھوپ میں کھڑے ہوئے تھے، بالآخر جنازہ اٹھاکر مدرسہ کے گیٹ سے باہر لایا گیا، کاندھا دینے والوں کی ایسی بھیڑ کہ کمزوروں کا تو وہاں گزر نہیں، بس قطار میں کھڑے دور سے جنازہ کی زیارت پر اکتفا کرلو اور اسی کو غنیمت سمجھ لو، خوش نصیب ہوگا وہ شخص جسے آج کاندھا دینے کی سعادت حاصل ہوجائے۔۱۲۰

نماز جنازہ:

جس جگہ نماز جنازہ ہونی تھی وہ جگہ تو پہلے سے پُر ہوچکی تھی، مجمع کی کثرت کی وجہ سے جنازہ آگے لے جانے کی شکل نظر نہیں آرہی تھی آنے والا مجمع جائے تو کہاں، کوئی دکان کے گوشوں میں ہے، کوئی مکان کے سایہ میں، جس کو جہاں جگہ ملی قبلہ رو کھڑا ہوگیا۔ لاکھوں کا مجمع ہے آگے بڑھنے کی گنجائش کہاں، اعلان پر اعلان ہورہا ہے کہ آپ لوگ خاموش رہیں جنازے کی نماز ہونے جارہی ہے۔ امام صاحب آگئے ہیں نماز پڑھائیں گے، حضرت قاری امیر حسن صاحب (خلیفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) تشریف لائے اور نماز جنازہ پڑھائی۔۱۲۱

نمازِ جنازہ کے بعد اب وقت آ گیا تھا کہ جنازہ قبرستان لے جایا جائے، قبرستان وہاں سے کوئی بہت دور اور فاصلہ پر نہیں ہے لیکن بھیڑ کی زیادتی کی وجہ سے وہی دشواری پھر آئی، کسی طرح مجمع پر قابو پا کر جنازہ قبرستان لے جا کر قبر کے قریب رکھا گیا، پورا قبرستان اور اس کے اطراف لوگوں سے بھرے ہوئے اور مٹی دینے کے منتظر، ہر شخص قبر کے قریب جانے کی فکر اور کوشش میں لیکن بھلا یہ کیسے ممکن تھا، قبر کے قریب بھی چاروں طرف بلی بانس باندھ دیے گئے تھے تاکہ بھیڑ کا ریلا آگے نہ بڑھے اور سکون کے ساتھ تدفین کی جا سکے۔ قبر میں جنازہ اتارنے کے وقت ہر شخص اس سعادت کو حاصل کرنے کی فکر اور کوشش میں تھا۔[۱۲۲]

تدفین کے بعد:

تدفین کے بعد لوگ رنجیدہ افسردہ کفِ افسوس ملتے ہوئے قبرستان سے واپس ہو رہے تھے۔ اب تک تو جنازہ میں شرکت کے لیے لوگوں کی آمد و رفت ہو رہی تھی اور اب تعزیت اور زیارت قبر اور فاتحہ خوانی کے لیے ہو رہی ہے۔ آنے والوں کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ چاروں طرف لوگ اداس رنجیدہ مغموم ومحزون نظر آ رہے ہیں، جیسے ہر شخص نے اپنی کسی قیمتی چیز کو کھو دیا ہو۔ مدرسہ والے بھی سکتے کے عالم میں ہیں، زبانیں گنگ آنکھیں نم ہیں، نہ کھانا اچھا لگتا ہے نہ پانی، در ودیوار سونے معلوم ہوتے ہیں اور یہ سرسبز باغ آج اجڑا نظر آ رہا ہے۔ کسی کو کسی پل چین نظر نہیں آتا۔ مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ گئے، سب کچھ لٹ گیا دنیا تاریک نظر آ رہی ہے۔ کدھر جائیں اور اب کس سے رہنمائی حاصل کریں۔[۱۲۳]

شاہ ابرار الحق کا حلیہ:

حیات محی السنہ کے مصنف سید افسر پاشاہ صاحب نے شاہ صاحب کے حلیہ کے متعلق لکھا ہے:

آپ میانہ قد رنگ سرخ وسفید مائل بہ گندمی، فراخ جبیں گول چہرہ، سفید ڈاڑھی، سر بڑا اور گول بھنویں، کمان کی سی آنکھیں ابھری ہوئی اور بڑی بڑی سی، ناک اونچی، سینہ کشادہ اور ہموار، ہاتھ پاؤں اور انگلیاں پر گوشت اور متناسب الاعضاء، سفید کرتہ، سفید جبہ، سفید ازار میں ملبوس مجموعی طور پر بڑے وجیہہ بارعب باوضع اور باوقار، سر پر ہمیشہ کپڑے کی پھول دار پنج کلی ٹوپی پہنے ہوئے اور اس پر سفید رومال اوڑھے ہوئے، رفتار میں پوری میانہ روی، گفتار میں نرمی اور خوش اسلوبی، کردار میں حد درجہ خوش خلقی، خوش مزاجی، خوش طبعی اور ہر دل عزیزی کا سرتاپا نمونہ تھے۔[۱۲۴]

مراجع وماخذ

۱۔ خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتبہ ندوۃ المصنفین اردو بازار، دہلی ۱۹۵۳ء، ص:۱۵

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (اردو ترجمہ سبحان محمود محمد فاضل) اخبار الاخیار، مکتبہ دانش دیوبند، ص:۱۲

۳۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص:۵۳-۵۴

۴۔ ایضاً، ص۵۵-۵۶

۵۔ ایضاً، ص:۵۸

۶۔ عبدالحئی حسنی: نزہۃ الخواطر مجلس دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدر رآباد، ۱۹۵۵ء، ج:۴، ص:۱۳۱

۷۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص:۴۳

۸۔ سید احمد قادری، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاد بکڈ پو پٹنہ ۱۹۹۴ء، ج:۱، ص:۲۲

۹۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص:۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۲

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۳

۱۲۔ ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو ۱۹۸۴ء، ج:۵، ص:۱۸۰

۱۳۔ اخبار الاخیار، ص:۱۴-۱۵

۱۴۔ محمد زید مظاہری، نقوشِ ابرار، مکتبہ افادات اشرفیہ دوبگہ لکھنو، ۱۴۲۸ھ، ص:۲۹

۱۵۔ ماہنامہ ارمغان محی السنہ نمبر جولائی اگست ۲۰۰۵ء، شمارہ ۷۔۸ پھلت (مظفر نگر) ص:۲۹

۱۶۔ نقوش ابرار، ص:۲۷

۱۷۔ محمد فاروق میرٹھی، حیات ابرار، مکتبہ جامعہ محمودیہ علی پور میرٹھ، ۱۴۲۶ھ، ص:۱۰۸

۱۸۔ پروفیسر احمد سعید، بزم اشرف کے چراغ، مکتبہ دار الکتاب، دیوبند، ۱۹۹۷ء، ص:۲۴۰

۱۹۔ ایضاً، ص:۲۴۱

۲۰۔ ایضاً، ص:۲۴۲

۲۱۔ نقوش ابرار، ص:۳۸-۳۹

۲۲۔ حیات ابرار، ص:۱۰۹-۱۱۰

۲۳۔ سید افسر پاشاہ، حیات محی السنہ، حقی پبلیکیشنز، ویلور (تمل ناڈو) اپریل ۲۰۰۶ء، ص:۱۴

۲۴؎ حیات ابرار،ص:۱۱۱

۲۵؎ محمود حسن حسنی، سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقی، صدق فاؤنڈیشن، گولہ گنج لکھنؤ، ۲۰۰۷ء، ص:۶۱

۲۶؎ سید محمد شاہد، حیات شیخ، مکتبہ یادگار شیخ، اردو بازار، سہارنپور، ۲۰۰۴ء، ج:۱، ص:۳۴۲

۲۷؎ سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقی، ص:۶۲

۲۸؎ ایضاً، ص:۶۳-۶۴ ۲۹؎ حیات ابرار، ص:۱۱۸

۳۰؎ ایضاً، ص:۱۱۳ ۳۱؎ ایضا، ص:۱۱۴

۳۲؎ نقوش ابرار، ص:۴۸-۴۹

۳۳؎ ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم، محی السنہ نمبر، جمادی الاولی - رجب ۱۴۲۶ھ/ جولائی - ستمبر ۲۰۰۵ء، دفتر آئینہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، ص:۴۷-۴۸

۳۴؎ نقوش ابرار، ص:۵۱

۳۵؎ حیات ابرار، ص:۱۲۳۔ ماہ نامہ آئینہ مظاہر علوم، محی السنہ نمبر: ص:۱۳۱

۳۶؎ ایضاً، ص:۱۲۰

۳۷؎ ایضا، ص ۱۲۵۔ نقوش ابرار، ص:۵۱

۳۸؎ ماہنامہ ارمغان، محی السنہ نمبر، جولائی - اگست ۲۰۰۵ء، ص:۱۷

۳۹؎ حیات محی السنہ، ص:۲۷

۴۰؎ حیات ابرار، ص:۱۲۸

۴۱؎ سید محبوب رضوی، تاریخ دار العلوم دیو بند، ادارۂ اہتمام دار العلوم دیو بند، ۱۴۱۴ھ، ج:۲، ص:۹۰-۹۱

۴۲؎ سید محمد شاہد، علماءِ مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات، مکتبہ یادگار شیخ، سہارنپور، ۲۰۰۵ء، ج:۲، ص:۴۱۸

۴۳؎ ایضاً، ص:۳۸ ۴۴؎ ایضاً، ص:۳۹

۴۵؎ ایضاً، ص:۴۲ ۴۶؎ ایضاً، ص:۴۴

۴۷؎ حیات ابرار، ص:۷۳

۴۸؎ علماءِ مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات، ج:۲، ص:۴۳

۴۹؎ ایضاً، ج:۲، ص ۲۴ ۵۰؎ ایضاً، ج:۴، ص ۳۷

۵۱؎ ایضاً، ج؛۴، ص ۳۸ ۵۲؎ ایضاً، ج:۴، ص:۴۳

۵۳ ایضاً، ج:۴،ص۴۴ ۵۴ ایضاً، ج:۴،ص:۵۰-۵۱

۵۵ ایضاً، ج:۴،ص:۵۲ ۵۶ ایضاً، ج:۴،ص:۵۴

۵۷ ایضاً، ج:۴،ص۵۵ ۵۸ حیات شیخ،ص:۲۹

۵۹ ایضاً،ص:۳۰ ۶۰ ایضاً،ص:۳

۶۱ ایضاً،ص:۳۸

۶۲ محمد زکریا کاندھلوی، الاعتدال فی مراتب الرجال، مکتبہ اشاعت العلوم، سہارنپور، ۱۳۵۷ھ،ص:۳۱

۶۳ فیروز اختر ندوی، ذکرِ زکریا، مرکز الشیخ ابوالحسن ندوی، اعظم گڑھ، ۱۴۲۶ھ،ص:۱۶۹

۶۴ ایضاً (ماخوذ) ص:۱۷۲-۱۷۵

۶۵ سید محمد شاہد، فہرست تالیفات شیخ، مکتبہ یحیوی، مظاہر علوم، سہارنپور، ج:۳،ص:۳۸۴

۶۶ محمد یوسف متالا، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفاء کرام، مکتبہ یحیوی مظاہر علوم، سہارنپور، ۲۰۰۸ء، ج:۲،ص:۱۵

۶۷ ایضاً،ص:۱۸

۶۸ ایضاً،ص:۱۹

۶۹ ایضاً،ص:۲۱-۲۲

۷۰ محمد صدیق باندوی، آداب المتعلمین، یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند، ۱۳۹۲ھ،ص:۵۶

۷۱ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفاء کرام،ص:۲۲

۷۲ محمد فاروق میرٹھی، حیات محمود، مکتبہ جامعہ محمودیہ، علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ، ۱۴۲۸ھ،ص:۴۴۴

۷۳ ایضاً،ص:۴۴۶

۷۴ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ربانی بک ڈپو، دہلی، ۱۹۸۹ء، ج۸،ص:۷۹

۷۵ ایضاً،ص:۷۰

۷۶ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ، صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار، مکتبہ رشیدیہ، دہلی

۷۷ حیات ابرار،ص:۲۱۸

۷۸ سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقی،ص:۶۳

۷۹ آداب المتعلمین، ص:۲۵

۸۰ سوانح حضرت مولانا ابرارالحق حقی، ص:۷۰

۸۱ ایضاً، ص:۷۱

۸۲ محمد قمرالزماں الہ آبادی، امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، مکتبہ دارلمعارف الہ آباد، ۲۰۰۵ء، ص:۳۰

۸۳ ایضاً، ص:۳۶

۸۴ پروفیسر ماجد علی خاں، حضرت مولانا شاہ عبداللطیف اورآپ کے مشائخ ایک تعارف ، اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص:۶۵

۸۵ خواجہ عزیزالحسن مجذوب، اشرف السوانح، مکتبہ ثناءاللہ خان اینڈ سنز، لاہور، ۱۳۷۸ھ، ج:۱، ص۶۵

۸۶ ایضاً، ج:۱، ص:۲۰-۲۱

۸۷ ایضاً، ج:۱، ص:۳۷

۸۸ ایضاً، ج:۱، ص:۳۱

۸۹ ایضاً، ج:۱، ص۳۴

۹۰ ایضاً، ج:۱، ص:۳۷

۹۱ حضرت مولانا شاہ عبداللطیف اورآپ کے مشائخ ایک تعارف، ص:۶۹

۹۲ اشرف السوانح، ج:۱، ص:۱۳۲

۹۳ محمد عبدالحیٔ، مآثر حکیم الامۃ، مکتبہ رحمانیہ، دہلی، ۱۳۹۷ھ، ص:۴۹-۵۰

۹۴ حضرت مولانا شاہ عبداللطیف اورآپ کے مشائخ ایک تعارف، ص:۸۳

۹۵ ایضاً، ص:۸۵

۹۶ ایضاً، ص:۸۷

۹۷ بزم اشرف کے چراغ، ص:۳۸

۹۸ ایضاً، ص:۴۰

۹۹ ایضاً، ص:۴۱

۱۰۰ حکیم محمد اختر، معرفتِ الٰہیہ، مکتبہ الفلاح، دیوبند، ص:۲۱

۱۰۱ ایضاً، ص:۶۴-۶۶

۱۰۲؎ بزم اشرف کے چراغ، ص:۶۴

۱۰۳؎ ایضاً، ص:۶۶

۱۰۴؎ محمد قمر الزماں الٰہ آبادی، تذکرہ مصلح الامۃ، مکتبہ دار المعارف، الٰہ آباد، ص:۱۹۸

۱۰۵؎ محبوب احمد قمر الزماں الٰہ آبادی، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، مکتبہ دار المعارف، الٰہ آباد، ۱۴۲۳ھ، ص:۱۵۳

۱۰۶؎ ایضاً، ص:۱۵۵

۱۰۷؎ ایضاً، ص:۱۵۷

۱۰۸؎ ایضاً، ص:۱۶۰

۱۰۹؎ نقوش ابرار، ص:۲۳۷

۱۱۰؎ ایضاً، ص:۲۴۱-۲۴۵

۱۱۱؎ سید ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ، مکتبہ فردوس، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء، ص:۱۷۶

۱۱۲؎ حکیم محمد اختر، مجالسِ ابرار، زمزم بکڈپو، دیوبند، ۱۳۹۶ھ، ص:۲۸۹

۱۱۳؎ نقوشِ ابرار، ص:۲۲۶

۱۱۴؎ ایضاً، ص:۲۷۴

۱۱۵؎ سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقی، ص:۱۳۶

۱۱۶؎ حیات محی السنہ، ص:۲۷

۱۱۷؎ نقوش ابرار، ص:۲۷۵

۱۱۸؎ ایضاً، ص:۲۷۸

۱۱۹؎ ایضاً، ص:۲۷۹

۱۲۰؎ ایضاً، ص:۲۸۱

۱۲۱؎ ایضاً، ص:۲۸۲

۱۲۲؎ ایضاً، ص:۲۸۳

۱۲۳؎ ایضاً، ص۲۸۴

۱۲۴؎ حیات محی السنہ، ص:۱۴

باب دوم

علمی کارنامے

فصل اول
تدریسی خدمات

شاہ ابرار الحق صاحب کی تعلیم سے فراغت ملک کی مایہ ناز دینی درس گاہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے ہوئی۔ آپ نے دورانِ تعلیم ہی سے مدرسہ میں، اور طلبا میں امتیازی حیثیت قائم رکھیں، اور مظاہر علوم کے اکابر اساتذہ کی نظروں میں محبوب بنے رہے۔ اور ان سے اچھے مراسم کو برقرار رکھا۔ شروع ہی سے ذہین، محنتی اور صلاحیت مند تو تھے ہی۔ جیسے ہی مظاہر علوم کا دورِ طالب علمی مکمل ہوا۔ مظاہر علوم کے ارباب حل وعقد کو آپ کو مدرسہ کا معین مدرس بنانے میں کسی بھی قسم کا کوئی تامل نہ ہوا۔ اور فوراً ہی مدرسہ کی خدمت کے لیے آپ کو اساتذہ کی فہرست میں شامل کرلیا۔ تدریس سے جڑنے کے بعد آپ نے بتدریج کہاں کہاں یہ خدمات انجام دیں۔ درج ذیل سطور میں اس گوشے کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

مظاہر علوم سہارنپور میں معین مدرس:

مولانا شاہ ابرار الحق کی تعلیمی استعداد اور اساتذۂ کرام کے فیضانِ نظر کی بدولت آپ شروع ہی سے مظاہر علوم میں مخصوص پہچان بنا چکے تھے۔ اساتذۂ کرام اور اربابِ مدرسہ کو ان سے لگاؤ تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد یہیں مظاہر علوم میں معین مدرس ہو گئے اور فارسی کتب کا درس آپ سے متعلق کیا گیا۔[1]

ہمارے دینی مدارس میں فارغ شدہ طلبا کی تدریسی مشق کے لیے ایک شعبہ معین مدرسی کا قائم کیا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فارغ ہوتے ہی تعلیم وتدریس میں لگ کر طالب علم اپنے اندر تدریسی صلاحیت پیدا کرلے، اس شعبہ میں داخلہ ہوجانا اور معین مدرسی کے لیے قبول کیا جانا آسان بات نہیں۔ یہ شرف انھیں طلباء کو حاصل ہوتا ہے جن کی علمی صلاحیت اور استعداد کی پختگی اور ان کی دیانت وامانت پر پورا اطمینان ہو۔ شاہ ابرار الحق صاحب اس معیار پر پورے اترے ہوئے تھے۔

اس معین مدرسی کی مدت عام مدارس کی طرح مظاہر علوم میں بھی صرف دو سال کی تھی۔ چنانچہ

آپ نے اپنے اساتذہ کی زیرِنگرانی پورے دوسال مادرِعلمی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔[۲]

جامع العلوم پٹکاپور کانپور میں تدریسی خدمات:

مظاہرعلوم سہارنپور میں معین مدرسی کے دوسال مکمل ہوجانے کے بعد مرشدِ تھانوی نے اس مرکزی وآفاقی شہرت کی حامل درس گاہ سے کسی اورطرف تعلیمی افادہ کے لیے رختِ سفر باندھنے کو کہا۔ وہ بغیر چوں وچرا کے ارشادِمرشد پرعمل پیرا ہوکر ادھر چل پڑے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں مرشد خودتعلیم وافادہ کا کام ایک مدت گزار کر انجام دے چکے تھے۔ اب مسترشد کی باری تھی، یہ کانپور کا مشہور تعلیمی ادارہ جامع العلوم (پٹکاپور) ہے۔ یہ وہ نامور درس گاہ ہے جہاں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے زمانۂ قیام میں مولانا عبدالحیٔ حسنی صاحب رائے بریلوی (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے ان سے کچھ علمی استفادہ کیا تھا اور بھی نامور شخصیتوں نے یہاں تعلیم حاصل کی، جن میں ایک نام قاری صدیق احمد صاحب باندوی کا بھی ہے۔

جامع العلوم میں شاہ ابرارالحق صاحب نے تھوڑی ہی مدت پڑھایا تھا کہ مرشد نے دوسری طرف رخ کرنے کو کہا۔ ڈیڑھ دوسال کی اس تعلیمی خدمت کے بعد فتح پور کے مدرسہ اسلامیہ میں پڑھانے کے لیے جانا طے کیا گیا۔ تعمیلِ ارشاد میں آپ نے وہاں کی راہ لی۔[۳]

کانپور کے قیام کے زمانہ میں شاہ صاحب کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں:

شاہ صاحب کا شروع ہی سے یہ ایسا محبوب مشغلہ رہا کہ تدریسی ذمہ داریاں بھی اس میں رکاوٹ نہ بنتی تھیں، پھر جامع العلوم پٹکاپور کانپور میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے آپ کو بھیجا ہی اسی لیے تھا کہ آپ کے فیض سے اہل کانپور مستفید ہوں۔[۴]

حضرت والا خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''جب احقر کی تقرری کانپور میں مدرسی کے لیے ہوئی تھی تو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا تھا کہ تم سے جب کوئی وعظ کے لیے کہے تو انکار مت کرنا۔ یہ سب اسی ارشاد کی برکت ہے۔ اوراسی حکم کی تعمیل کے لیے توکلاً علی اللہ وعظ کی توفیق ہوجاتی ہے''۔[۵]

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

''اکابر کے سامنے وعظ سے طبعاً خوف ہوتا ہے ہمت نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت تھانوی کا حکم تھا کہ وعظ سے انکار مت کرنا بس اس پر عمل کرلیتا ہوں''۔۶

مدرسہ جامع العلوم کانپور میں حضرت ہردوئی نے بیضاوی شریف، حسامی، قدوری وغیرہ کا درس بڑی دلچسپی کے ساتھ دیا، مزید تفصیل کا پتہ نہیں لگ سکا، کیوں کہ جس وقت حضرت ہردوئی وہاں مدرس تھے۔ اس وقت وہاں اسباق کی تقسیم کا کوئی مستقل نظم نہیں تھا۔ جو ریکارڈ رکھا جاتا۔ بعد میں بھی کسی نے اس سلسلے میں تفتیش نہیں کی، ایک مرتبہ دوران گفتگو حضرت نے خود ہی فرمایا تھا کہ میں نے جامع العلوم کانپور میں تدریسی خدمات کے دوران چند روز بخاری شریف کا بھی درس دیا تھا۔

حضرت ہردوئی کے تعلیمی ریکارڈ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ نے درسِ نظامی میں تمام علوم کی کتابوں کا درس دیا ہے۔ طلبا کی فہم کا خاص خیال رکھا کرتے تھے، سبق سے متعلق جتنی گفتگو ہوتی، نہایت جامع ہوتی تھی، اور پُر مغز ہوتی تھی۔ فنِ نحو، فنِ صرف اور فنِ منطق میں آپ کو دیگر علوم کے مقابلے میں زیادہ مناسبت تھی، اور ان علوم کی کتابوں کا درس آپ بڑی دلچسپی کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ ۷

فتح پور ہنسوہ میں قیام:

فتح پور ہنسوہ کے ذمہ داران کا تعلق حضرت تھانوی سے تھا۔ وہاں ایک ماہر استاذ و مربی کی سخت ضرورت پیش آئی۔ انھوں نے حضرت تھانوی سے درخواست کی کہ حضرت ہردوئی کو وہاں بھیج دیا جائے۔ حضرت تھانوی نے ان کی ضرورت کے پیشِ نظر وہاں جانے کا مشورہ دیا۔ اور حضرت ہردوئی اپنے شیخ و مرشد کے حسبِ ایما جامع العلوم کانپور سے فتح پور ہنسوہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں مدرسہ اسلامیہ میں تدریس و تربیت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے۔ اور یہاں بھی تقریباً دو سال ہی قیام رہا۔ ۸

مدرسہ اسلامیہ فتح پور سے علیحدگی اور مدرسہ اشرف المدارس کے قیام کے تکوینی اسباب:

شاہ ابرار الحق صاحب اپنے شیخ مربی کے مشورے کے مطابق اب تک مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں تدریسی خدمات دینے کے ساتھ ساتھ اپنے خصوصی مزاج کے مطابق اصلاح و تربیت کا بھی کام انجام دیتے رہے۔ معروفات کی ترغیب، منکرات پر تنبیہ، مسائل کی تحقیق، سنتوں کی ترویج کی فکر شروع سے ہی

آپ کو رہی، چنانچہ مدرسہ اسلامیہ کے قیام کے زمانہ میں کتنی نامناسب باتوں کی طرف آپ نے توجہ دلائی۔ اسی دوران آپ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اپنے وطن شہر ہردوئی میں چھوٹا سا ادارہ قائم کروں، جس میں پوری آزادی کے ساتھ تعلیم کے ساتھ تبلیغ اور اصلاح وتربیت کا کام کرسکوں، اس کے بغیر پوری آزادی کے ساتھ کام کرنا مشکل ہے۔ اسی مدت میں آپ کے والد ماجد اس دارِفانی سے رحلت فرماگئے، اور تکوینی طور پر ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ آپ نے فتح پور سے علیحدہ ہوکر وطن میں مدرسہ قائم کرنے کو ترجیح دی۔ [۹]

چوں کہ اللہ رب العزت کو آپ کی ذات سے بہت بڑا کام لینا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کو جس سے جو کام لینا ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کے اندر صلاحیت بھی پیدا فرمادیتے ہیں۔ اس مصلحت وحکمت سے تکوینی نظام کے تحت منجانب اللہ آپ کو مختلف مدارس کی سیر کرائی گئی، تا کہ ہر نوع کے آپ کو تجربے ہوجائیں۔ اور مدارس کی لائن کی کافی بصیرت آپ کو حاصل ہوجائے۔ اور لوگوں کی بداطواریوں اور بدعنوانیوں کا بھی پتہ چل جائے۔ [۱۰]

مدرسہ اشرف المدارس کے قیام کے وقت ہردوئی واطراف کی حالت:

شہر ہردوئی قدیم آبادی ہے۔ یہاں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے پورے شہر میں اس وقت گنتی کی چند مسجدیں تھیں۔ جب کہ ماشاء اللہ آج کثیر تعداد میں ہیں۔ حضرت اقدس کی تشریف آوری کے وقت یہ چند مساجد بھی ہدایت سے خالی اور مصلین سے ویران تھیں، پورے علاقہ میں جہالت وبدعت کا غلبہ تھا۔ دین صرف چند رسوم کا نام رہ گیا تھا۔ ان مساجد کے ائمہ ومؤذنین کی ظاہری دینداری عرف ورواج کے مطابق تیجہ، چالیسواں تک محدود تھی۔ اور ان کا مقصود بھی معمولی تنخواہ اور مخصوص نذرانوں کے سوا کچھ نہ تھا، کتاب وسنت کی بات صحیح معنیٰ میں نہ کوئی سننے والا نہ سنانے والا۔ مدرسہ اسلامیہ انجمن میں بچوں کی دینی تعلیم کا نظام ضرور قائم تھا۔ لیکن کامل تجوید کے مطابق نہ تھا، تھوڑا بہت قرآن پاک روانی سے پڑھ لینے کو لوگ بہت کافی اور بڑی معراج سمجھ لیتے تھے۔ زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اتباع سنت اور احیاءِ سنت کا تو کوئی چرچا ہی نہ تھا، یہ تھی اس وقت شہر ہردوئی واطراف کی عمومی حالت۔ [۱۱]

مدرسہ اشرف المدارس کے قیام کا مقصد:

حضرت تھانوی کے مشورے کے مطابق ۱۳۶۲ھ/۱۹۳۴ء میں آپ نے ہردوئی میں اشرف المدارس کی بنیاد ڈالی، اس میں سب سے زیادہ قابلِ لحاظ حضرت کے نزدیک یہ بات تھی کہ یہاں پر پوری آزادی کے ساتھ کام کرسکوں گا، آپ کے پیشِ نظر صرف تعلیم وتدریس ہی نہیں تھی بلکہ آپ تعلیم وتدریس کے ساتھ تبلیغ اور دعوۃ الحق کا باقاعدگی سے کام کرنا چاہتے تھے۔ وہ دعوۃ الحق جس کی تشکیل حضرت تھانوی فرما چکے تھے۔ آپ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق اس کام کو آگے بڑھا کر اس کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ چند سال کے عرصہ میں مختلف مدارس میں رہ کر مختلف قسم کے لوگوں سے آپ کا سابقہ پڑ چکا تھا۔ طلبا کی بے راہ روی، قرآن پاک کے سلسلے میں ہونے والی مختلف کوتاہیاں لوگوں کی سنن نبویہ سے دوری اور بیزاری آپ کے سامنے تھی۔ اس لیے آپ ایک ایسا ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے، جس میں قرآن پاک کو اس کے حقوق کی پوری رعایت اور تجوید کے ساتھ پڑھایا جائے تعلیم کے ساتھ طلبا کی تربیت اور ان کی وضع قطع پر خاص نگاہ رکھی جائے۔ ان کو سنن نبویہ کا عادی بنایا جائے۔ لیل ونہار اور مختلف اعمال واوقات کی سنتیں ان کو یاد کرائی جائیں، اس طرح سننِ نبویہ کا عام چلن اور اس کا احیاء ہو اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا تعلیمی ادارہ طالبین ومسترشدین کے لیے ایک آباد خانقاہ بھی ہو جس کے چشمۂ فیض اشرف سے لوگ سیراب ہوں۔[۱۲]

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کا قیام اور اس کی سرگرمیاں

کسی مدرسہ کی ملازمت اور مدارس میں ماتحت رہ کر کوئی شخص آزادی کے ساتھ خاطر خواہ اپنی صلاحیتوں کا استعمال نہیں کرسکتا، یہی وجہ تھی کہ حضرت تھانوی نے چودہ سال (۱۳۰۱ھ۔۱۸۹۳ء) سے (۱۳۱۵ھ۔۱۸۹۷ء) تک مدرسہ جامع العلوم کانپور سے منسلک رہ کر تعلیمی وتدریسی خدمات کے بعد خود کو الگ کرلیا اور خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کو اپنی خدمات کا مرکز بنایا، اور وہاں رہ کر وہ خدمات انجام دیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے، اسی طرح مصالح اور ضرورت کے تحت حضرت تھانوی نے شاہ صاحب کو مدرسہ کے قیام کا حکم فرمایا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے اپنے شیخ اور مرشد کے حکم کے مطابق اپنے وطن ہردوئی میں حضرت تھانوی کے نام سے 'اشرف المدارس' ماہِ شوال ۱۳۶۲ھ۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں ایک مدرسہ کی

بنیاد رکھی، جس سے آج ہردوئی جیسے پس ماندہ علاقہ میں علم وتعلیم اور تزکیہ وتربیت کی ایسی شمع روشن ہوئی جس کی روشنی سے آج نہ صرف ہندوستان اور ایشیاء بلکہ افریقہ اور یورپ کے شائقین حضرات کے قلب ودماغ منور ہورہے ہیں۔ اور مدرسہ اشرف المدارس آج پورے ایشیاء بلکہ اس سے باہر غیر ممالک میں بھی ایک معیار بن چکا ہے۔[۱۳]

مدرسہ اشرف المدارس کی کیفیت:

شاہ صاحب نے یہ مدرسہ حضرت تھانوی کے ذوق ومسلک کے مطابق قائم فرمایا اور اسی نہج پر اخیر تک باقی رکھا۔ خود اپنے ذاتی مکان کے احاطہ میں مدرسہ قائم کیا، حسبِ ضرورت تعمیرات کا اضافہ کیا گیا۔ مگر انتہائی سادہ طریقہ پر اور بقدرِ ضرورت، اور پھر مدرسہ کے لیے نہ کوئی سفیر اور نہ کوئی محصل چندہ، نہ کوئی اعلان، نہ اپیل، نہ اشتہار، نہ کسی چندہ دینے والے کو رسید دینے کا التزام، نہ کسی مخصوص جماعت ہی کا اہتمام۔ جن جماعتوں کے بچے ہوئے ان کا انتظام کردیا گیا۔ کسی سال کسی جماعت کے بچے نہ ہوئے اور جماعت نہ بن سکی۔ کوئی پرواہ نہیں ہوئی۔ کہ کوئی کیا کہے گا۔ امسال فلاں جماعت نہیں جتنے طلبا ہوتے ان کی سہولیات کا پورا انتظام، کھانے، ناشتہ کا معقول انتظام کیا جاتا۔ طلبا کے لیے دوا دارو اور معالجہ کا بہترین انتظام کیا جاتا۔ بیمار طلبا کے لیے مستقل ایک کمرے کا، دارالشفاء یا دارالمرضیٰ کے نام سے انتظام تھا تاکہ بیمار طلبا کی پوری دیکھ بھال کی جاسکے۔ اور ان کی عیادت نیز معالجہ کا معقول بندوبست ہوتا۔ ڈاکٹر کو دکھایا جاتا، بلایا جاتا اور بہترین علاج کرایا جاتا۔ پرہیز کا معقول انتظام ہوتا اور بیمار طالب علم کی پوری دلجوئی کی جاتی۔ خود شاہ صاحب بار بار عیادت کے لیے تشریف لاتے۔ جس کی وجہ سے دوسرے اساتذہ کرام اور طلبا بھی بار بار حاضری دیتے تھے۔[۱۴]

ملک میں افراتفری اور مدرسہ اشرف المدارس خطرات سے دوچار:

ملک کی آزاد کے وقت چاروں طرف ملک میں حالات پُرخطر ہوگئے تھے، کتنے مسلمان ہجرت کرکے، پاکستان جاچکے تھے۔ اور کتنے لوگوں کے بستر باندھے جارہے تھے، چاروں طرف سے ہنگامے، اور فسادات کی خبریں سننے میں آرہی تھیں۔ مسلمانوں کی جان ومال اور ان کی املاک سب غیر محفوظ، مساجد اور مدارس سب خطرے اور سخت نرغے میں تھے، افراتفری کے اس ماحول میں بعض متعصب

غیر مسلموں کو موقع ملا ہوا تھا اور وہ کسی وقت بھی مدرسہ اور مدرسہ کے طلبا کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ مدرسہ کے قریب لالہ جی کاشی ناتھ قد بدأت البغضاء من افواههم وماتخفی صدورهم اکبر (واقعی بغض ان کے منھ سے ظاہر پڑتا ہے اور جو ان کے دلوں میں ہے وہ بہت کچھ ہے) کا مصداق بنا ہوا تھا۔ اس کو موقع ملا تھا حسد کی آگ بجھانے اور پرانی عداوت کا انتقام لینے کا، وہ شہر کا وجیہہ اور صاحب اقتدار رئیس تھا۔ اس کے اشاروں پر لوگ چلتے تھے۔ وہ مسلمانوں کا پکا دشمن اور مدرسہ کا بدخواہ تھا، شاہ صاحب سے بڑا حسد رکھتا تھا۔ اور حسد کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص چوں کہ نہایت بارعب اور اثر و رسوخ والا تھا، شاہ صاحب کے والد ماجد جو وکالت کے بعد جج کے منصب پر فائز تھے، ایک مقدمہ میں جو لالہ جی کے متعلقین ہی میں سے کسی کا تھا۔ حضرت کے والد ماجد نے انصاف کے مطابق فیصلہ کیا جو اتفاق سے لالہ جی کے بالکل خلاف تھا جس کی اس کو توقع بھی نہ تھی۔ بس اسی وقت سے وہ حضرت کے والد ماجد اور پورے خاندان کا دشمن بن گیا۔

مسلمانوں کے خلاف دوسری قوموں اور پارٹیوں کو ورغلانے فتنہ بھڑکانے اور طرح طرح کی اسکیمیں بنانے میں بڑا سرگرم تھا۔ خاص طور پر مدرسہ اور حضرت کا خاندان اس کا نشانہ تھا اور اس موقعہ پر افراتفری کے ماحول میں وہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ ان خطرات کو محسوس کر کے حضرت کو مدرسہ اور طلبا کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر ہجرت کر جانے کا خیال ہونے لگا۔

اور آپ کا یہ مدرسہ بھی وسط کفرستان میں آباد تھا۔ پُرخطر ماحول میں اندیشہ تھا کہ مدرسہ اور مدرسہ کے طلبا کسی وقت بھی کسی حادثہ کا شکار نہ ہو جائیں۔ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ والدہ کی دعائیں ساتھ تھیں، ان پُرخطر حالات میں بہت سے محبین و مخلصین نے رائے دی کہ مدرسہ یہاں سے منتقل کر لیا جائے۔ حضرت کے بعض قریبی اعزہ پاکستان میں تھے جو حضرت کے لیے ہر نوع کی قربانی دینے اور ایثار کرنے کو تیار تھے۔ اور خواہش مند تھے کہ ہردوئی کا پورا مدرسہ ''اشرف المدارس'' اٹھ کر پاکستان پہنچ جائے۔ حضرت اقدس بھی تذبذب میں تھے ایک قدم آگے بڑھاتے تو دوسرا پیچھے۔ حالات کی کشمکش سے دوچار تھے۔ غالباً انھیں حالات سے دوچار ہو کر نیز بعض دیگر اسباب کی بنا پر خطرات کو محسوس کرتے ہوئے حضرت قاری امیر حسن صاحب (خلیفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) کے فرمان کے

مطابق حضرت نے مدرسہ کچھ دنوں کے لیے ہردوئی سے سندیلہ منتقل فرمادیا۔ اور آپ مدرسہ کے طلبا کو لے کر سندیلہ تشریف لے گئے اور چندروز سندیلہ کی سرزمین میں مدرسہ اشرف المدارس کا فیض جاری رہا۔ لیکن حالات وہاں بھی سازگار نہ ہوسکے۔ سندیلہ کی سرزمین ایسی نیک بخت ہستی کا تحمل نہ کرسکی اور وہاں سے منتقلی کے اسباب پیدا ہوئے۔ اور بجائے سندیلہ کے بلگرام کی سرزمین میں منتقل کرنے کی تجویز ہوئی۔ چنانچہ یہ چلتا پھرتا مدرسہ ہردوئی کے بعد سندیلہ سے اٹھ کر بلگرام کی سرزمین میں منتقل ہوااور کچھ عرصہ یہاں بھی مدرسہ کی نسبت سے حضرت کا فیض جاری رہا، لیکن ظاہر بات ہے کہ تعلیم وتعلّم درس و تدریس سکون اور اطمینان قلبی کے طالب ہوتے ہیں اور وہ اس وقت میسر نہ تھا۔ اندازہ لگایئے اس وقت حضرت کی فکر و پریشانی کا اور سخت مجاہدہ اور انابت الی اللہ کا۔ سندیلہ اور بلگرام کی سرزمین میں بھی حضرت کی خاطر خواہ انتظام نہ ہوسکا۔ ادھر پاکستان کے احباب کا اصرار بڑھتا جارہا تھا۔ چنانچہ حضرت نے ارادہ بھی فرمالیا اور اس کے مطابق پاکستان جانے کی تیاریاں بھی شروع ہوگئیں۔ بعض مخلص احباب نے سامان منتقل کرنے کے لیے سواریوں کی پیش کش کی۔ حضرت بالکل آمادہ ہوگئے۔ لیکن مشیت الٰہی اس کے موافق نہ تھی۔ قدرت کو یہی منظور تھا کہ حضرت والا کا فیض اسی ہند کی سرزمین سے سارے عالم میں جاری ہو۔ چنانچہ سارے وسائل اور اسباب مہیا ہونے اور حضرت کے بھی تیار ہوجانے کے باوجود آپ کی والدہ ماجدہ کو انشراح قلبی نہ ہوا۔ اس لیے ان کی رائے نہیں ہوئی۔ والدہ ماجدہ کی توجہ اور دعائیں حضرت کے ساتھ تھیں، ان کا کہنا تھا کہ میری پوری عمر اس سرزمین میں گزری۔ پورا خاندان یہیں موجود ہے، ہمارے آباء واجداد یہیں مدفون۔ میرے سردار شریک حیات یہیں سپرد خاک ہیں ان سب کو چھوڑ کر میں کہاں جاؤں۔ میں بھی یہیں سپرد خاک ہونا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ والدہ ماجدہ کی رائے کے مطابق آپ نے اپنے ارادہ کو منسوخ کردیا۔ والدہ کی اطاعت اور اپنی رائے کو ان کی رائے کے تابع کردینے کی برکت اور خود والدہ ماجدہ کی دعاؤں کا یہ اثر ہوا کہ بہت جلد حالات سازگار اور پُرسکون ہوگئے۔

لالہ جی کاشی ناتھ کے سارے ہتھکنڈے ناکام رہے، اور دعاؤں کی برکت سے ان کے مزاج میں تبدیلی آئی۔ وہ حضرت والا کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ آپ نے بھی ان سے رابطہ بڑھایا ان سے متعلقہ بینک میں مدرسہ کا کھاتہ کھلوایا۔ اور حکمتِ عملی کے پیش نظر مصالحانہ اور مخلصانہ رویہ اختیار

فرمایا۔ مدرسہ حسب سابق ہردوئی میں منتقل ہوگیا اور اس کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی گئیں۔ ۱۵

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موقع پر حضرت اقدس کی والدہ ماجدہ نے جو حتمی رائے اختیار فرمائی تھی جس کے نتیجہ میں ہردوئی کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ رشد وہدایت کے چشمے برابر اس سے پھوٹ رہے ہیں اور سنت کا نور سارے عالم کو منور کر رہا ہے۔

مدرسہ اشرف المدارس میں درس وتدریس:

شاہ صاحب نے مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں کافی زمانہ تک درس وتدریس کا کام بحسن وخوبی انجام دیا تھا۔ آپ نے درسِ نظامی کی تقریباً سبھی کتابوں کا درس دیا تھا۔ علم الصیغہ، شرح تہذیب اور فنِ نحو کی کتابوں سے حضرت کو خاصا لگاؤ تھا۔ صحاحِ ستہ کی بھی حضرت ہردوئی نے شروعات کرائی ہے۔ طلبا کرام کے اصرار پر بھی آپ نے کتابوں کا آغاز کرایا ہے۔ کچھ سالوں سے مصروفیات اتنی بڑھ گئی تھیں کہ مستقل طور پر تدریس سے وابستہ نہیں رہے تھے۔ ۱۶

فصل دوم
مجلس دعوۃ الحق اور مدارس و مکاتب کا قیام

شاہ ابرار الحق نے ترویج دین اسلام کی خدمت کے لیے ہی اپنی پوری زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ فراغت تعلیم کے بعد پیرومرشد کی ہدایت وتلقین پر عمل کرتے ہوئے درس وتدریس سے تعلق رکھا اور اپنی علمی استعداد سے تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ اور آخر میں ہردوئی میں مدرسہ اشرف المدارس قائم کر کے احیاء سنت کی جو داغ بیل ڈالی۔ اس کے اثرات دور دراز خطوں میں پھیل رہے ہیں۔ مدرسہ اشرف المدارس صرف ایک تعلیمی ادارہ ہی نہیں بلکہ اصلاحِ باطل اور لوگوں کی فکر کو صحیح سمت کی طرف مائل کرنے کا عظیم شاہ کار ہے، جس کے ثمرات ونتائج روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ ہم مجلس دعوۃ الحق کی سرگرمیوں کا ذیل کی سطور میں احاطہ کر رہے ہیں۔

دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی ہونے کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ہم اس کی حفاظت واشاعت کی فکر کریں اور اہتمام کریں، جس طرح زندگی میں صلاح وفلاح کے وجود میں آنے، نیکی وخیر کی طرف رغبت ہونے، قومی واجتماعی زندگی کے مستحکم ومضبوط ہونے کے لیے انسان کا خود نیک عمل کرنا۔ برائیوں وگناہوں اور رسم ورواج سے بچنا ضروری ہے، اسی طرح دوسرے انسانوں کو خیر کی طرف بلانے، اور نیک عمل کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ ان کو بُرے اعمال، رسم ورواج ومنکرات سے روکنا بھی فرض منصبی میں داخل ہے۔ امت کی ہدایت وتربیت کی سعی وانتظام مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ بالخصوص حالاتِ حاضرہ میں جس کا دردناک پہلو غور وفکر کا صحیح نہ ہونا ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو شیطان کے پیروکار اور مغربیت سے متاثر ہو کر اپنی روشن خیالی میں پڑ کر رسم ورواج ہی کو دین سمجھتا ہے۔ بلکہ اِن کے نزدیک سنت نبوی کے خلاف عمل کرنا ایک مشن بن چکا ہے۔ دین اسلام اور نبوی طرزِ زندگی اپنانے کو اپنے لیے معیوب ہی نہیں۔ بلکہ اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جامہ

شریعت کو کھینچ تان کر بلکہ چیر پھاڑ کر اپنی اغراض ونفسانی خواہشات کے مطابق بنانے کی فکر وکوشش میں لگا ہوا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان کو قرآن وحدیث کی وہ تفسیر وتعبیر اچھی اور بھلی معلوم ہوتی ہے جو انکی مرضی وچاہت اور خواہشات نفسانی کے مطابق ہو۔ اس کے بالمقابل ایک طبقہ وہ ہے جو اگر چہ دیندار کہلاتا ہے، لیکن اس نے دین واسلام کو صرف اس گوشہ میں منحصر کر لیا جس میں وہ سرگرم عمل ہے اور دین کے دوسرے شعبوں میں محنت کرنے والوں کو کسی خاطر میں نہیں لاتا۔ بلکہ صورتِ حال کہیں کہیں عجیب و غریب نظر آتی ہے۔ اس طرح کے حالات میں نیز یہ کہ ملتِ اسلامیہ کے دینی عقائد، دینی رجحانات اسلامی تہذیب ومعاشرت کی بقاء کے لیے خطرات پیدا ہو جائیں تو ایسی حالت میں اصلاحِ منکرات کا کام زیادہ قابل فکر اور لائق توجہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ ایسے موقع پر چشم پوشی جرم ہو جاتی ہے۔ لیکن موجودہ دور میں ہمارا معاملہ بڑا ہی نرالا ہے کہ دنیاوی معاملات میں کمی زیادتی کو فقط برداشت ہی نہیں کیا جاتا بلکہ ایسا ہونے پر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور دین کے سلسلے میں چشم پوشی، پہلوتہی، مصلحت بینی اور لوگوں کی ہیبت اس قدر کہ منکر، بے حیائی وبے غیرتی کو دیکھتے ہوئے بھی منع کرنے وروکنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

حالات اور تجربہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر برموقع وبرمحل شروع ہی سے برائی وبے حیائی کو مٹا دیا جائے تو اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس طرح اس کا مٹانا آسان ہو جاتا ہے، لیکن اگر ان حالات سے چشم پوشی ونظر اندازی کی جائے اور منکرات کو بڑھنے اور پھیلنے کا موقع دے دیا جائے تو پھر ان تمام برائیوں پر قابو پانا آسان نہ ہوگا۔ برائی ومعصیت اور رسم ورواج پر چشم پوشی کی وجہ دوسرے لوگوں کی ہیبت ومفاد پرستی ہے جس کی وجہ سے انسان برموقع حق کہنے اور برائی سے روکنے کی ہمت نہیں کر پاتا یہ تو مؤمن کی شان نہیں ہے۔ اس کو اس بات کی تعلیم دی گئی کہ موقع ومحل کے اعتبار سے حکمت ومصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوش اسلوبی کے ساتھ حق کو حق کہنے اور باطل کو باطل کہنے سے غفلت نہیں برتنی چاہیے، شریعت نے جس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے، باوجود قدرت کے اس کا حکم نہ کرنا اور اسی طرح جس کام سے منع کیا ہے باوجود قدرت کے اس سے نہ روکنا یہ گناہ اور جرم ہے۔ اس لیے برائی کو مٹانے کے لیے سنجیدگی سے کوشش کی جائے گی اور جو راستہ مؤثر اور آسان ہو اسے اپنایا جائے۔

چودھوی صدی ہجری کے نصف اول میں مختلف عوامل واسباب کی بنیاد پر ملتِ اسلامیہ کے لئے حالات تشویشناک ہوگئے تھے۔ لوگوں میں مجموعی اعتبار سے دین کی جانب رجحان کم ہوگیا تھا، علم اور اہل علم سے ربط میں کمی آگئی تھی۔ مغربیت کی چمک دمک سے لوگ متاثر ہورہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ملک میں غیروں کا تسلط تھا۔ ان کی نیتیں صاف نہیں تھیں۔ جس کی بنا پر اسلام کے خلاف فتنے ابل رہے تھے۔ سازشیں ہورہی تھیں، مختلف شکلوں میں تحریکیں چلائی جارہی تھیں، اور مسلمان اس سے متاثر ہورہے تھے۔ جس کے نتیجہ میں ایمان سے دست بردار ہوکر لوگ مرتد ہورہے تھے، پوری پوری بستیاں اس کا شکار ہورہی تھیں، اس قسم کے حالات کی اطلاع جب امت کے حکیم اور ملت کے مجدد مولانا اشرف علی تھانوی کو ہوئیں تو آپ تڑپ گئے۔ اور بے چین ہوگئے۔ چنانچہ حالات کی نزاکت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت تھانوی نے فرمایا:

''مسلمانوں کا ہر قسم کا ظاہری و باطنی تنزل اور انواع مصائب میں ابتلاء اس قدر رونما ہوگیا ہے کہ اگر جلدی اس کا تدارک نہ کیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ خدانہ کرے مسلمانوں کی قوم من حیث الاسلام فنا ہوجائیگی۔ اس لیے سخت ضرورت ہے کہ بہت جلد اس کا خاص انتظام کیا جائے۔

الحمدللہ! اللہ نے اپنی رحمت سے ایسے نازک وقت میں دست گیری فرمائی کہ اپنے بعض بے سروسامان بندوں کو اس احساس کے ساتھ اس کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اس کے بھروسے پر اس خدمت کی انجام دہی کے لیے کھڑے ہوگئے انھوں نے اس کی تکمیل کے لیے ایک مجلس ''دعوۃ الحق'' کے نام سے قائم کی اور اس کا کام شروع کردیا۔ [۱۷]

جس کو اس وقت کے اکابر علماء اور بیمار امت کی بیماری اور علاج واصلاح کی فکر اور کڑھنے والے دردمند حضرات نے نہ صرف یہ کہ اس کی تائید اور اس کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا۔ بلکہ عملی طور پر اس میں حصہ بھی لیا تھا۔ اور پھر اس کے بہترین نتائج ظاہر ہوئے۔ جو کہ ہندوستان کی دینی و مذہبی تاریخ کا روشن باب ہے۔

چنانچہ اس دور کے ان فتنوں کا تعاقب کرنے اور اس کے ضرر ونقصان سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے اور دین وایمان میں پختگی ومضبوطی پیدا کرنے کے لیے ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء میں حضرت تھانوی

نے مجلس دعوۃ الحق کو قائم فرمایا تھا۔۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں حضرت تھانوی کے انتقال کے بعد مجلس کی مرکزیت ہردوئی منتقل ہوگئی، اور حضرت تھانوی کے خلیفۂ خاص مولانا ابرارالحق صاحب نے اپنے شیخ کی متروکہ وراثت کا کما حقہ حق ادا کیا۔ احیائے سنت کے جذبے کے تحت حضرت اپنے شیخ اور مرشد کے بنائے ہوئے ضوابط اور لائحہ عمل کی روشنی میں پوری قوت کے ساتھ تنہا میدان میں آگئے۔ اور پھر ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء میں مجلس دعوۃ الحق کا احیاء فرمایا اور اس کے ذریعہ ملک اور ملک سے باہر ایسی انتھک مساعی کا عظیم سلسلہ شروع فرمایا کہ بلاشبہ اور بلا مبالغہ حضرت والا کا یہ تجدیدی کارنامہ بن گیا جو سنتیں مردہ ہو چکی تھیں آج زندہ ہوگئیں اس مجلس کو آج ایسی مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی ہے کہ اس کی نگرانی میں تبلیغی کام کا ایک طویل سلسلہ نظر آرہا ہے۔ ۱۸

لیکن اجتماعی طور پر احیاء سنت اور اصلاحِ منکرات کی جیسی تحریک چلنی چاہیے تھی انفرادی اصلاحات نے اس کا موقع نہ دیا، جس کا احساس حضرت ہردوئی کو عمر کے آخری سالوں میں اس قدرت بڑھ گیا تھا کہ دعوۃ کے احباب اور مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کے اساتذہ کو بار بار جمع فرماتے اور اس کی توجہ دلاتے، کبھی فرماتے، کہ آخر تم لوگ کب کام شروع کروگے۔ کبھی فرماتے کیا میرے مرنے کے بعد کام شروع کروگے۔

چنانچہ حضرت ہردوئی نے خانوادۂ حقی کے پروردہ اور اپنے مایہ ناز روحانی فرزند وخلیفہ ترجمان محی السنہ مولانا محمد افضال الرحمٰن صاحب (شیخ الحدیث اشرف المدارس ہردوئی) کو جامعہ کی تعلیمی ذمہ داری سونپنے کے ساتھ ساتھ تبلیغی کام کا بھی باضابطہ امیر وذمہ دار تجویز فرمایا۔ حضرت ہردوئی کی ۸۵ سالہ جدوجہد سعی وکوشش واخلاص، اور آہ نیم شبی رنگ لائی کہ ان کے تجویز کردہ امیر وذمہ دار کی سرپرستی اور سربراہی میں ''مدرسہ سیدنا عمر فاروق'' گلوشاہ تکیہ چوک لکھنؤ میں دعوۃ الحق کا جماعتی حیثیت سے اصلاح منکرات کا کام بھی ہونے لگا۔ جماعتیں نکلنے لگیں اور قرب وجوار میں کام کرنے لگے، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں پچاس افراد پر مشتمل علماء وحفاظ وغیر اہل علم کی جماعت مقامی مجلس دعوۃ الحق مدرسہ سیدنا عمر فاروق گلوشاہ تکیہ سے ہردوئی گئی۔ حضرت ہردوئی کے بوڑھے بدن میں جیسے جوان روح دوڑ گئی۔ چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ اور فرمایا کہ میں کام اسی طرح سے چاہ رہا تھا۔ اس کام سے جس قدر مسرت ہوئی بیان نہیں

کی جاسکتی۔ تین روز تک پورا وقت دیا۔ اپنی نگرانی میں کام چلوایا۔ ایک ایک عمل کی مشق کرائی۔ اصلاحات فرمائیں۔ مدرسہ اشرف المدارس کے بڑے اساتذہ کو خدمت پر لگا دیا۔ اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور اس طرح حیاتِ محی السنہ کا مقصد پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔

نظام کا اجمالی خاکہ:

الحمدللہ حضرت تھانوی کے مرتب کردہ اصولوں اور شاہ صاحب کے نظر فرمودہ طریق پر چل رہا ہے جس کا اجمالی خاکہ کچھ اس طرح ہے۔ مختلف مقامات پر ایک روزہ و سہ روزہ اجتماعات ہوتے ہیں۔ شرکاءِ اجتماع فجر سے قبل اپنے انفرادی معمولات کرتے ہیں۔ بعد نمازِ فجر نماز کی عملی مشق ہوتی ہے۔ پھر قرآن کی تفسیر ہوتی ہے۔ بعدہٗ ناشتہ کا وقفہ، پھر اذان و اقامت کی عملی مشق ہوتی ہے۔ اس کے بعد عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقِ دین کے پانچوں شعبوں پر علماء کرام کے بیانات ہوتے ہیں۔ بعدہٗ طعام و آرام، بعد نمازِ ظہر تصحیح تلاوت قرآن کے حلقے لگتے ہیں۔ پھر منتخب اصلاحی کتابوں کا درس، بعد نمازِ عصر آدابِ گشت اور تسہیل قصد السبیل کی تعلیم۔ بعد مغرب عمومی بیانات ہوتے ہیں۔

مجلس دعوت الحق کے اغراض و مقاصد:

(۱) ضلع ہردوئی نیز اضلاع یوپی و بیرون یوپی میں زیادہ سے زیادہ مکاتب کے اجراء و الحاق کا نظم، جس میں صحت کے ساتھ قرآن مجید ناظرہ و حفظ اور دینی و دنیوی تعلیم کا بھی انتظام ہو۔

(۲) مدرسین کرام کی "تصحیح کلامِ پاک" کا نظام اور طریقۂ تعلیم سکھانا نیز بہ سلسلۂ تعلیم ضروری امور بتلانا۔

(۳) تبلیغی اسفار کا زیادہ سے زیادہ انتظام، نیز تصحیح کلمہ و اذان و اقامت نماز اور سچا پکا مسلمان بننے اور بنانے کی سعی کرنا۔

(۴) تبلیغی و اصلاحی وعظ اور مجلسوں کا ہردوئی و دیگر مقامات میں وقتاً فوقتاً انتظام کرنا۔

(۵) بذریعہ مبلغین دینی تعلیمات و احکام کی اشاعت کرنا۔

(۶) منکرات کی اصلاح اور وقتی احکام کی وقتاً فوقتاً اشاعت کرنا۔

(۷) وعظ کے خواہش مند حضرات کے لیے ضروری انتظام کرنا۔

(۸) بغرضِ مطالعہ دینی کتب کی تقسیم کا نظم کرنا۔

(۹) اہل حاجت کی خواہش پر حسب گنجائش مساجد کا انتظام اور تراویح میں بلا اجرت کلامِ پاک سنانے کا نظم کرنا۔

(۱۰) اہل حاجت کی خواہش پر اسلامی اصول کے موافق نکاح خوانی کا بلا کسی اجرت ومعاوضہ کے انتظام اور زوجین کو سندِ نکاح مفت دینا۔

(۱۱) اہل معاملہ کی خواہش ودرخواست پر بذریعہ پنچایت اسلامی کارروائی سے فسخِ نکاح کیا جانا۔

(۱۲) وقتِ ضرورت لاوارث اموات کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرنا۔

(۱۳) ہر قمری ماہ کے دوسرے جمعہ میں تبلیغی واصلاحی اجتماع وجلسہ کرنا۔

(۱۴) طلبا وتصحیح کنندگان کو بشرطِ ضرورت حسبِ گنجائش وظیفہ دینا۔

(۱۵) عامۃ المسلمین کی وقتی دینی ضروریات اور کاموں میں امداد کرنا۔

(۱۶) کارہائے مندرجہ بالا امور کے لیے مالی جدوجہد حدودِ شرعی کے موافق کرنا۔[۱۹]

مولانا الشاہ ابرار الحق صاحب نے اپنے یہاں جو مجلس دعوۃ الحق قائم فرمائی تھی اس کے یہ اغراض ومقاصد تحریر ہیں۔ ان مقاصد میں سے ہر مقصد کو پورا کرنے کے لیے آپ نے کیا کیا تدبیریں اور کیسی کیسی کوششیں فرمائیں اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے اور کس حد تک آپ کو ان کے اندر کامیابی ملی۔ حضرت والا کی زندگی کا یہ ایک اہم باب ہے۔ جس میں ہم سب کے لیے عبرت اور نصیحت کے بہت سے پہلو ہیں، اہلِ مدارس علماء ومبلغین اور کام کرنے والوں کے لیے ان میں بڑی رہنمائی کا سامان ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہر مقصد کے تحت حضرت کی کوششوں اور طریقۂ کار کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے۔ تاکہ بعد والوں کو عبرت حاصل ہو اور کام کرنے میں آسانی ہو۔

مجلس دعوۃ الحق کا پہلا مقصد مکاتب کا قیام:

مجلس دعوۃ الحق کا اہم مقصد بلکہ حضرت والا کی زندگی کا اہم مقصد دینی تعلیم کے لیے مکاتب کا قیام ہے۔ جس کے متعلق حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے فرمایا ہے:

’’ہر بستی میں تعلیم قرآن شریف کے مکاتب ضرور ہونا چاہئیں جن میں تعلیم قرآن کے ساتھ اردو

رسائل، بہشتی زیور، بہشتی ثمر وغیرہ بھی پڑھائے جائیں تا کہ بچوں کو ضروری احکام کی اطلاع ہو جائے۔[۲۰]

شاہ صاحب کی شروع ہی سے اس بات کی کوشش رہی کہ اطراف وعلاقہ کے علاوہ دور دراز علاقوں میں بھی دینی مکاتب کا جال پھیلا دیا جائے۔ جس میں قرآن مجید کی تجوید کے ساتھ تعلیم دی جائے اس مقصد کے لیے آپ خود علاقہ کا دورہ فرماتے، اور جگہ جگہ مکاتب قائم کرنے کی کوشش فرماتے تھے، عام طور پر چوں کہ مکاتب میں تجوید کے ساتھ تعلیم کا رواج نہیں تھا اس لیے آپ کی یہ بھی کوشش ہوتی تھی کہ مجلس دعوۃ الحق کی ماتحتی میں مکاتب کا قیام ہو، تا کہ اصول وضوابط، نظم ونسق اور پورے استحکام کے ساتھ با قاعدہ تعلیم جاری رہ سکے، چنانچہ جب سے آپ نے اس کام کو شروع کیا برابر اس میں لگے رہے، اور تا دمِ حیات قیامِ مکاتب کی کوشش فرماتے رہے۔

''۱۳۷۳ھ۔۱۹۵۲ء سے اجراء مکاتب کا آغاز ہوا اور تا وفات تقریباً پچاس سال کے عرصہ میں ۱۰۰ مکاتب قائم ہوئے۔ جن میں با قاعدہ پورے استحکام کے ساتھ دعوۃ الحق کی ماتحتی میں تجوید کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیم ہوتی ہے، صرف ۴۴ مکاتب تو ضلع ہردوئی میں ہیں۔ ۲۸ مکاتب ہردوئی کے علاوہ یوپی کے دوسرے اضلاع میں ہیں اور ۲۸ مکاتب دیگر صوبوں میں ہیں۔ ان مکاتب میں ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء تک یعنی تقریباً پچاس سالہ محنت کے نتیجے میں (۲۰۵۷۹) بچوں نے ناظرہ قرآن پاک مکمل کیا اور تقریباً (۲۵۳۲) طلبا نے حفظ قرآن پاک تجوید کے ساتھ مکمل کیا ان مکاتب میں دینی خدمت کرنے والوں کی مجموعی تعداد (۴۴۸) ہے''۔[۲۱]

دوسرا مقصد دینی تعلیم کا رواج:

احکامِ شرعیہ کا سیکھنا اہم فریضہ ہے کہ عین جہادِ حقیقی میں جو کہ اعظم العبادات ہے مشغول ہونے کے وقت بھی واجب ہے کہ ایک جماعت بجائے جہاد کے اس فریضہ کی خدمت کو انجام دے۔ جب ایسی اعظم عبادت کے پیش آنے کے وقت بھی اس خدمت کا اہتمام واجب ہے تو اور کسی حالت میں تو اس کا اہتمام کیوں واجب نہ ہوگا، خلاصہ اس کا یہ ٹھہرا کہ یہ فریضہ ایسا دائمی اور سب سے اہم ہے کہ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا اور عقلاً بھی اس کی وجہ ظاہر ہے، اس لیے کہ کوئی طاقت کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو وہ اسی وقت معتبر اور مقبول ہو سکتی ہے۔ جب شرعی قوانین کے موافق ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ان قوانین کے موافق

ہونا موقوف اس پر ہے کہ ان قوانین کا علم بھی ہو، اور قوانین شرعیہ کے علم کی دو صورتیں ہیں۔ خاص طور پر ان کا درس وتدریس یا عام طور پر ان کی تعلیم وتبلیغ ،مگر اسباب اتفاقیہ سے ایک زمانہ طویل سے عام طور پر اس کی طرف سے بہت بے التفاتی ہوگئی۔ جس کی وجہ بعض کا اس پر قادر نہ ہونا اور بعض کا دوسرے مشاغل ضروریہ یا غیر ضروریہ میں مشغول ہونا ہے۔ جس کا نتیجہ لازمی طور پر غلبہ جہل اور غلبہ جہل سے فسادِ عمل اور فسادِ عمل سے مسلمانوں کا ہر قسم کا ظاہری وباطنی تنزل اور انواع مصائب میں ابتلاء اس قدر رونما ہوگیا ہے کہ جلد ہی اس کا تدارک نہ کیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ خدانہ کرے مسلمانوں کی قوم من حیث الاسلام فنا ہو جاوے گی۔ اس لیے سخت ضرورت ہے کہ بہت جلد اس کا انتظام کیا جاوے۔[۲۲]

تیسرا مقصد بددینوں کو دیندار بنانا اور ان کی اصلاح کرنا:

جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے مسجد نہیں آتے ان کے مکان پر چند واقف مخلص احباب کو ساتھ لے جائے اور صاحب خانہ کو بلا کر نرمی کے ساتھ اول اس کا کلمہ سنے پھر اس کے واسطے سے اس کے گھر والوں کا کلمہ ٹھیک کیا جائے۔ پھر سب کو نماز کی تاکید کی جاوے، اسی طرح سب بے نمازیوں کے مکانوں پر جایا جاوے۔ اور ہر بستی کے اندر ایک یا متعدد جماعتیں چند مخلص متعدد دینداروں کی ماتحتی میں قائم کر دی جائیں۔ جو دوام کے ساتھ اسی طرح لوگوں کے مکان پر جا کر ان کو کلمہ سکھلاتے رہیں، اور بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اس خطاب خاص میں بجز تلقین کلمہ اور تاکید نماز کے کچھ نہ کہا جاوے۔ بقیہ احکام کے لیے وعظِ عام کو کافی سمجھا جاوے۔

''واعظ کو دیہات میں بھی اسی طرح کام کرنا چاہیے اور وہاں بھی اسی طرح جماعتیں قائم کر دینا چاہیے۔

وعظ میں مسلسل تقریروں کے ساتھ مسائل ضروریہ سے بھی مسلمانوں کو مطلع کرنا چاہیے اور ان سب کاموں میں تحمل اور لطف اور نرمی سے کام لیا جاوے''۔[۲۳]

چوتھا مقصد تبلیغی اسفار کے ذریعہ عملی مسلمان بنانے کی کوشش:

حضرت والا کے نزدیک صرف طلباء کی اصلاح اور ان کی تعلیم وتربیت ہی نہیں بلکہ عمومی طور پر تمام مسلمانوں کی اصلاح اور ان تک دین پہچانے کی فکر آپ کے پیش نظر تھی۔ آپ کے نزدیک امت کے

انحطاط کا سبب دین سے دوری اور اللہ تعالیٰ سے بے تعلقی تھا اور ان کو سچا پکا مسلمان بنانے کی یہی صورت تھی، کہ ان کو دین سے قریب تر کیا جاوے اور اللہ سے تعلق کو قوی اور مضبوط کیا جاوے۔ اور یہ تعلق صحیح طور پر عبادات کو قائم کیے بغیر ہو نہیں سکتا تھا۔ اس لیے عوام کے سلسلے میں آپ کی اولین کوشش یہ ہوتی تھی کہ لوگوں میں تبلیغ کے ذریعہ صحیح طریقہ کے مطابق عبادت کی ادائیگی کا اہتمام کرایا جائے۔ جس کے بغیر آدمی سچا پکا مسلمان نہیں بن سکتا۔ ۲۴ؔ

قرآن کریم بھی سچے پکے مسلمان کے اوصاف بیان کر رہا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ أَمَرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْ عَنِ الْمُنْکَرِ (الحج:۴۱)

(وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز، اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے)

اس آیت میں مسلمانوں کی کامیابی کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز اقامتِ صلوٰۃ کو ذکر کیا ہے۔ اور اقامتِ صلوٰۃ کے ضمن میں اقامتِ اذان، اقامتِ تکبیر، اقامتِ مساجد، اقامتِ قرآن سب ہی آجاتی ہیں۔ کیوں کہ ان کے بغیر اقامتِ صلوٰۃ کا حق ادا ہو نہیں سکتا، اگر نماز و اذان کو ادا تو کیا جائے لیکن سنن و مستحبات کی رعایت کے بغیر اور مکروہات و محرمات سے پرہیز کیے بغیر تو گو نماز ادا ہو جائے گی۔ لیکن یہ نماز آنحضورؐ کی سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقص ہو گی، اور نماز پر دنیا و آخرت میں جن منافع و نتائج اور اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ پورے طور پر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے حضرت والا کے نزدیک امت کی فلاح و بہبود کے لیے اذان و اقامت اور نماز کی تصحیح یعنی اس کا سنت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

شاہ صاحب کا ارشاد ہے:

''ہماری تباہی کے مختلف وجوہ و اسباب ہیں ان میں سے دو باتیں بہت اہم ہیں۔ جب سے ان امور میں کوتاہی ہوئی۔ امت کا حال روز بروز بگڑنے لگا۔ ان میں ایک عمل دینی مکاتب و مدارس کا انتظام صحیح نہ ہونا، دوسری بات عموماً مساجد کا انتظام درست نہ ہونا''۔ ۲۵ؔ

یہ بھی فرمایا ہے:

’’عموماً اذان واقامت کا صحیح نہ ہونا اذان واقامت کو معمولی اور حقیر خدمت سمجھنا ائمہ مساجد کا مسنون طریقہ پر نماز ادا نہ کرنا‘‘۔۲۶

اسی مقصد کی تکمیل کے لیے آپ کثرت سے تبلیغی اسفار فرماتے تھے۔کلمہ کی تصحیح جو ایمان کی بنیاد اور سب سے بڑی تبلیغ ہے اس کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔

پانچواں مقصد امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

نصوصِ کثیرہ میں اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی تاکید بھی جابجا وارد ہے۔اور سورہ العصر تو بلاشرکت کسی اور مضمون کے خاص اسی موضوع کے لیے نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ اس میں جہاں آمَنُوا کو جس کا مفہوم تصحیح عقائد ہے اور عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کو جس کا مفہوم اصلاح اعمال ہے۔شرط نجات فرمایا ہے جو حاصل ہے خسران سے استثناء کا وہاں اس کے متصل وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ میں دوسروں کی تعلیم عقائد کو اور وَتَوَاصَوا بِالصَّبْرِ میں دوسروں کی تعلیم اعمال کو شرطِ نجات فرمایا ہے۔ بہت سے نصوص قرآنیہ وحدیثہ میں یہی مضمون بعنوان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وعظ وتذکیر نہایت تاکید واہتمام کے ساتھ مذکور ہیں۔اور بہت سے نصوص میں خاص حالات میں ان میں سستی یا ترک پر شدید وعیدیں بھی وارد ہیں۔اور حضرات انبیاء کرام کا فریضہ بھی یہی رہا ہے۔ باقی جتنے شعبے دین کے ہیں۔ مثلاً افتاء ودرس وتصنیف مناظرہ سب اسی کے آلات ومقدمات ہیں اور خود تنظیم بھی جس کی ضرورت عام طور سے مسلم ہے، وہ بھی اسی کا تابع اور مقدمہ ہے۔۲۷

چنانچہ کلام اللہ کی آیت اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰاھُم فِی الاَرْضِ میں جہاں تمکین کے مقاصد ذکر فرمائے ہیں ان ہی میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بھی خبر ومقصود فرمایا گیا تو اس وجہ سے سب مسلمانوں کو اس طرف توجہ فرمانا ازبس ضروری ہوا۔۲۸

چھٹا مقصد اساتذہ ومدرسین کی تربیت وطریقۂ تعلیم کی مشق:

حضرات اساتذہ ومدرسین کے سلسلے میں حضرت والا کو احساس تھا جو مشاہدات اور تجربات پر مبنی تھا۔ کہ آج کل کے معلمین اساتذہ ومربین خود ہی تعلیم وتربیت کے محتاج ہوتے ہیں۔ وہ بچوں کی تعلیم وتربیت کیسے کریں گے وہ تو خود ہی ناقص ہیں۔قرآن پاک ان کا غلط یاد، تجوید ان کی صحیح نہیں، مخارج

وصفات کا ان کو علم نہیں، حروف کی صحیح ادائیگی سے وہ ناواقف۔ ایسی حالت میں ایسا معلم اگر بچوں کو تعلیم بھی دے گا تو کیوں کر اس کے مفید اور صحیح نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ حضرت کا تجربہ یہ تھا کہ بچپن میں صحیح تعلیم نہ ہونے کے نتیجے میں عالم وفاضل اور اعلیٰ درجہ کی ڈگری حاصل کر لینے اور مسندِ افتا وارشاد پر بیٹھ جانے، شیخ الحدیث بن جانے یا مہتمم وناظم بن جانے کے باوجود چوں کہ قرآن پاک بچپن میں صحیح طریقہ سے نہیں پڑھایا گیا اس لیے کچھ بن جانے کے باوجود وہ قرآن پاک غلط پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ وہ نماز پڑھانے کے قابل نہیں اگر نماز پڑھائیں تو اس میں بھی قرآن پاک اس طرح غلط پڑھتے ہیں کہ وہ نماز بھی ناقص ہوتی ہے اور وہ خود چوں کہ ناقص ہیں اور غلط طریقہ سے قرآن پڑھے ہوتے ہیں اس لیے اگر مدرسہ میں قرآن پاک غلط پڑھایا جارہا ہے تو اس کی نگاہ میں یہ کوئی نقص وعیب نہیں، کیوں کہ خود اس میں مبتلا اور اس کے عادی ہیں۔ اذان اگر غلط ہوگی تو اس کو نظر انداز کر جائیں گے کیوں کہ اس طرح کی غلطی کو غلطی سمجھتے ہی نہیں۔ حضرت اقدس نے اہل علم کی اس عمومی غلطی وکوتاہی کو سمجھا اور اس کے تدارک کے لیے ایک شکل تو یہ اختیار فرمائی کہ بچوں کی تعلیم شروع ہی سے تجوید کے موافق ہو۔ دوسری صورت یہ اختیار فرمائی کہ اپنے مدرسہ میں دعوۃ الحق کے تحت اساتذہ ومعلمین کی تربیت کے لیے خاص طور پر تجوید کے مطابق کلامِ پاک سیکھنے اور مشق کرنے کا انتظام فرمایا جس میں ان کو مختلف امور کی مشق کرائی جائے۔ تعلیم کا طریقہ اور اس سلسلے کے ضروری امور بتلائے جاتے۔ تقویٰ ودیانت کا بھی سبق سکھایا جاتا۔ چنانچہ حضرت کے اس پروگرام کے تحت آپ کے مدرسہ میں ہر وقت حفاظ علماء اور معلمین کی بڑی تعداد موجود رہتی تھی۔ جو دعوۃ الحق کے نظام کے تحت تجوید کے مطابق قرآن پاک درست کرتے، شرع کے موافق اذان سیکھتے، اس کے علاوہ مختلف امور ان کو سکھائے اور بتائے جاتے، ان کا وقت پورا گھرا ہوا ہوتا تھا۔

وہ وقت گزاری میں آزاد نہ ہوتے ان کی پوری نگرانی ہوتی اور کوتاہی کی بنا پر گرفت بھی ہوتی۔ گو وہ سب اپنے علاقہ کے ذمہ دار یا کسی مدرسہ کے ناظم اور شیخ الحدیث ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کیوں کہ وہ طالب اور متعلّم بن کر آئے ہیں، ان کا حق یہ ہے کہ ان کے اوقات کی قدر کی جائے۔ اور ان کے اوقات کی قدر وقیمت یہی تھی کہ ان کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ حضرت والا کثرت سے فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت تصحیح کرنے والوں میں آج اتنے علماء ہیں ان کی تعداد تقریباً ۲۰۔۲۵ تک پہنچ

جاتی تھی۔ یہ حضرات اذان وتکبیر بھی سیکھتے ہیں اور ضرورت کے موافق نورانی قاعدہ سے بھی ان کو مشق کرائی جاتی ہے اور سب ماشاء اللہ ذوق وشوق سے سیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ سبق دیا جاتا ہے، رٹایا جاتا ہے، مشق کرائی جاتی ہے، لکھ کر دیا جاتا ہے، کوتاہیوں پر تنبیہ ہوتی ہے، حاضری ہوتی ہے، غیر حاضری پر گرفت بھی ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر اس طریقۂ اصلاح کے دوررس اثرات مرتب ہوئے اور دور دراز کے علماء وفضلاء اور عام لوگوں نے اس کے ذریعہ فیض حاصل کیا۔[۲۹]

مجلس دعوۃ الحق کے ملحقہ مکاتب اور شاخوں میں طریقۂ تعلیم:

ان ملحقہ مکاتب اور شاخوں میں تعلیم شاہ صاحب کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہوتی ہے۔ جس میں تعلیم کے ساتھ تربیت بھی شامل ہے۔ علم کے ساتھ عمل بھی ہے وضع قطع پر بھی گہری نظر رہتی ہے بچوں کے لباس اور ان کی ظاہری ہیئت بھی اسلامی وضع کے خلاف نہ ہو۔ تعلیم کے باب میں بنیادی طور پر نورانی قاعدہ سے ابتداء ہوئی ہے، نورانی قاعدہ جو کہ حضرت قاری فتح محمد صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ ان کے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی قبولیت سے نوازا ہے کہ غالباً سب سے زیادہ اس کی نشر واشاعت صرف شاہ صاحب ہی کے ذریعہ لاکھوں کی تعداد میں ہوئی ہوگی۔ اور یہ بات بھی عجیب من جانب اللہ ہے نورانی قاعدہ وہی اصل سمجھا جاتا ہے کہ جس پر ہردوئی کا نام درج ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نورانی قاعدہ کے مختلف نسخے کافی فرق کے ساتھ اس وقت رائج تھے۔[۳۰]

ساتواں مقصد منکرات کی اصلاح اور دینی احکام کی اشاعت:

مجلسِ دعوۃ الحق کا اہم ترین مقصد منکرات خصوصاً وہ منکرات جن میں شیوع اور ابتلا عام ہے، ان کی اصلاح کرنا، وقتاً فوقتاً ان کے احکام کی اشاعت کرنا ہے۔ دعوۃ الحق کا یہی وہ مقصد ہے جس کے متعلق حکیم الامۃ حضرت تھانوی بیان القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

”جس طرح تم پر اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے، اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں داخل ہے کہ بقدرِ وسعت دوسروں کی اصلاح میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طریقہ سے کوشش کرو۔ ورنہ مداہنت کی صورت میں ان منکرات کا وبال جیسے منکرات کے مرتکبین پر واقع ہوگا۔ ایسا ہی کسی درجہ میں ان مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔[۳۱]

آج امت جن حالات سے دوچار اور جن مصائب میں گرفتار ہے اس کی بڑی وجہ یہی منکرات ومعاصی کی کثرت اور اس کا شیوع اور اس پر نکیر نہ ہونا اور اس کی اصلاح کی فکر نہ کرنا ہے۔۳۲

اس وقت امت پر مصائب کا چاروں طرف سے جو طوفان آیا ہوا ہے اس کی بڑی وجہ بھی بے حیائی، بے حجابی، عریانگی، زنا وفحش اور ناچ گانے کی کثرت اور اس جیسے منکرات ہیں جن کو آج پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لیے امت کو مصائب سے بچانے اور ہلاکت وتباہی کے دلدل سے نکالنے کے لیے اصلاح منکرات پر محنت کرنا ضروری ہے۔۳۳

آٹھواں مقصد واعظین اور مقررین کا انتظام کرنا:

وعظ وتقریر کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اور یہ کام عوام کے کرنے کا ہے کہ سارے انتظامات کر کے کسی قابل واعظ اور مقرر کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دیں جو ان کی اصلاح کے متعلق وعظ کہے۔ حضرت تھانوی نے فرمایا ہے:

''ہر مدرسہ اسلامیہ کم از کم ایک واعظ مقرر کرے اور یہ سمجھے کہ ضرورت کے لیے ایک مدرس کا اضافہ کیا گیا۔ جہاں ایسا مدرسہ یا انجمن نہ ہو وہ حضرات کسی وجہ سے ایسا انتظام نہ کر سکیں تو وہاں کے رؤساء اپنے پاس سے تنخواہ دے کر ایسا واعظ مقرر کر دیں مگر اس واعظ کا انتخاب محققین علماء کی رائے سے کریں، خود منتخب نہ کریں، لیکن تنخواہ کا تعلق اپنے سے رکھیں، جہاں ایسا کوئی باہمت رئیس نہ ہو وہاں عام اہل بستی ایسے واعظ کا انتظام کریں، اور باہمی چندہ کر کے اس کو تنخواہ دیں مگر چندہ میں کسی کے اوپر جبر نہ کریں۔۳۴

دراصل اسی کی تکمیل کے لیے شاہ صاحب نے بھی اس کو اپنی مجلس دعوۃ الحق کے مقاصد میں شامل فرمایا۔عوام الناس سارے انتظامات کر لینے کے باوجود واعظ ومقرر کے انتخاب میں بکثرت دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ وہ ترجیح دیتے ہیں ایسے واعظ ومقرر کو جو خوش بیان، شیریں بیان اور لچھے دار تقریر کرنے والا کچھ اشعار پڑھنے والا، کچھ واقعات وحکایات اور لطائف وچٹکلے سنا کر ہنسانے والا ہو۔

گویا عوام کے پیش نظر وعظ وتقریر سے مقصود دینی مجلس کے ذریعہ لطف اندوز ہونا اور خوب خوب محظوظ ہونا ہے اور وہ ایسے ہی واعظ ومقرر کو ترجیح بھی دیتے ہیں، گو وہ پیشہ ور واعظ ہو اور خواہ ایک شب اور ایک تقریر کی اس کو کتنی ہی فیس دینی پڑے۔ بلاشبہ عوام دینی جذبہ سے بڑی قربانی دے کر بھی صحیح

رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے خَسِرَ الدُّنیَا وَالآخِــرَۃ کا مصداق بنتے ہیں۔ اور اس وقت عموماً عوام کا مزاج ایسا ہی بنا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اس کے سلسلے میں وہ علماء وصالحین سے مشورہ نہیں کرتے دوسرے وعظ وتقریر کا مقصد انھوں نے صرف یہ سمجھ رکھا ہے کہ خوش بیان وعظ کے ذریعہ قلب میں تازگی آئے گی۔ نفس محظوظ ہوگا بڑا لطف اور مزہ آئے گا۔ چوں کہ بظاہر یہ دینی رنگ میں ہے اس لیے شیطان نے اس کو خوب مزین کر کے پیش کیا۔ حالاں کہ وعظ ونصیحت کا اصل مقصد لطف ومزہ نہیں بلکہ فکر اصلاح اور نفع ہے۔ وعظ وتذکیر مزہ کے لیے نہیں بلکہ نفع کے لیے ہوتی ہے۔

کلام اللہ اعلان کرتا ہے کہ:

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الذاریات:۵۵)

(آپ نصیحت کیجیے کیوں کہ ایمان والوں کو اس سے نفع ہوتا ہے۔)

جسمانی علاج میں آدمی مزہ نہیں بلکہ نفع دیکھتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی مزہ نہیں نفع کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ علاج کبھی ناگوار بھی ہوتا ہے اور دوا کبھی کڑوی بھی ہوتی ہے لیکن نفع کے واسطے سب برداشت کی جاتی ہے، یہی حال وعظ وتذکیر کا بھی ہے کہ اصل مقصد اس کا نفع ہے اور یہ گھونٹ کبھی کڑوا بھی ہوتا ہے۔ [۳۵]

نواں مقصد دینی کتب کی تقسیم:

مجلس دعوۃ الحق کے تحت بغرض مطالعہ دینی کتب کی تقسیم کا نظم کرنا بھی تھا۔ شاہ صاحب مختلف موقعوں پر علماء وطلبا کو اپنی تصنیف کردہ کتابیں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ بہت سے اہل علم حضرات اپنی مفید تالیف کے کافی نسخے برائے تقسیم ارسال فرماتے اور حضرت والا ان کو تقسیم فرما دیا کرتے۔ بمبئی کے جناب قاری ولی اللہ صاحب نے حضرت تھانوی کے مواعظ کی طباعت ونشر واشاعت کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے اس سلسلے کی کافی کتابیں علماء وطلبا کو تقسیم کی جاتی تھیں، بسا اوقات شاہ صاحب خود بھی کتابیں خرید کر تقسیم فرماتے۔ اور کبھی رقم عنایت فرما کر خود ہی تقسیم کردینے کا وکیل بنا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ بڑی تعداد میں کتابیں خرید کر اپنے یہاں منگوا کر اہل علم واہل مدارس کو تقسیم فرمائیں۔ اس کے علاوہ خود حضرت والا کی بھی بہت سی اصلاحی تقریریں اور بعض مفید تصانیف اور اصلاحی پرچے ہیں جو حضرت نے شائع فرمائے

ہیں۔آنے والے حضرات کوخصوصاً اہل علم واہل مدارس کو ان کتابوں کوتقسیم فرمایا کرتے تھے،لیکن ایسی جگہ اور ایسے لوگوں کو ہرگز نہیں دیتے جہاں ناقدری کا شبہ ہو۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بٹتے نہیں بلکہ طلب پر ملتے ہیں اخیر زمانہ میں حضرت تھانوی کی اہم تصانیف حیات المسلمین ،تعلیم الدین، اغلاط العوام ،بہشتی ثمر، حکایات صحابہ اور اسی کے ساتھ خود حضرت والا کے تبلیغ سے متعلق مفید رسالے ان سب کا مجموعہ ضخیم جلد میں حضرت کے مشورہ سے شائع ہوا جس کی قیمت تقریباً دوسو روپے کی ہوگی۔لیکن وہ اہل علم کو مفت تقسیم کی گئی۔[۳۶]

دسواں مقصد بلا اجرت نکاح پڑھوانا:

شاہ صاحب کی قائم کردہ مجلس کا مقصد یہ بھی تھا کہ:

اہل حاجت کی خواہش پر اسلامی اصول کے موافق نکاح خوانی کا بلا کسی اجرت ومعاوضہ کے انتظام اور زوجین کو سندِ نکاح مفت دینا۔

''بلاشبہ نکاح نبی کی سنت اور خاص شان کی عبادت ہے۔اس میں کسی حیثیت سے بھی شرکت وخدمت باعث اجروثواب اور بڑی سعادت ہے لیکن اس عبادت کی ادائیگی میں لوگوں نے ایسے رسوم ورواج کی پابندی اور ایسی خرافات اختیار کررکھی ہیں کہ اب وہ خاص شان کی عبادت مختلف معاصی کا مجموعہ بن جاتی ہے۔نکاح تو درست ہوجاتا ہے لیکن معاصی کے ارتکاب کے ساتھ،شاہ صاحب نے اپنی زیرنگرانی اسلامی طریقہ کے مطابق سادگی کے ساتھ نکاح خوانی کا انتظام کررکھا تھا۔ چنانچہ شہر واطراف اور بسا اوقات دوردراز سے لڑکا اور لڑکی والے آتے اور شرعی دستور کے مطابق حضرت سے نکاح پڑھواتے تھے۔[۳۷]

نکاح میں ہونے والی رسومات جو لڑکے اور لڑکی والوں کی طرف سے ہوا کرتی ہیں ان کو حضرت ہردوئی نے ''اغلاط النکاح''، کے نام سے مرتب فرمایا تھا اور خاص طور سے لڑکے اور لڑکی والوں کو ان رسوم سے بچنے کی ہدایت کیا کرتے تھے۔اغلاط النکاح (نکاح کی اصلاح طلب رسمیں) کے نام سے یہ پرچے مجلس دعوۃ الحق کے زیر اہتمام شائع ہوئے ہیں۔اور یہ دین کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ مباح یا مستحب کام میں جب کوئی غیر مشروع یا ناجائز امر مل جاتا ہے تو مباح ومستحب کام بھی ناجائز ہوجاتا ہے، چوں کہ آج

کل نکاح کے سلسلے میں بہت سے امور جو بظاہر جائز و بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں غیر مشروع امور مل گئے ہیں۔ جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی لیے لوگ علماء ربانی سے بسا اوقات الجھنے لگتے ہیں۔

گیارھواں مقصد تراویح میں بلا اجرت قرآن کریم سنانے والوں کا نظم:

رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح میں پورا قرآن پاک سنانا مسنون ہے، شریعت میں اس کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ پورے اسلامی ماحول میں اس کے مطابق عمل جاری ہے۔ لیکن یہ مسنون عمل فرض نمازوں کی طرح فرض اور واجب نہیں۔ اس لیے شرعی مسئلہ کے مطابق فرض نمازوں کی امامت پر تنخواہ لینا جائز ہے۔ لیکن تراویح میں قرآن پاک سنا کر اجرت لینا جائز نہیں۔ حنفی مسلک کے مطابق تراویح میں قرآن پاک سنا کر اجرت لینا خواہ مشروط یعنی طے کر کے ہو یا بغیر شرط کے معروف ہو۔ دونوں صورتوں میں ناجائز ہے۔ لیکن امت میں اس وقت تراویح میں قرآن سنا کر پیسے کے لین دین کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ اس کی قباحت بھی لوگوں کے ذہنوں میں نہیں رہی ہے۔ بہت سے حفاظ اپنے علاقہ کی مسجد کو غیر آباد کر کے دور دراز شہر میں صرف زائد پیسے کے لالچ میں تراویح پڑھانے جاتے ہیں، مسئلہ کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ غلط ہے ہاں اگر حافظ قرآن کو اس کی عظمت و محبت کے پیش نظر ہدیہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے۔ لیکن تراویح میں قرآن سنانے کی بنا پر بطور اجرت کے نہیں بلکہ محض محبت کی وجہ سے پہلے یا بعد میں علیحدہ انفرادی و خفیہ طور پر دے دیا جائے۔ جس میں ریا و شہرت کا دخل نہ ہو تو حفاظ کرام کی ایسی خدمت نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر و ثواب ہے، ضرور کرنا چاہیے۔ ۳۸

بارھواں مقصد ہر مہینہ تبلیغی و اصلاحی اجتماع اور جلسہ کرنا:

تبلیغی و اصلاحی کوششوں کے سلسلے میں اجتماع و جلسہ کو جو اہمیت حاصل ہے، شاہ صاحب کے نزدیک بھی ان اجتماعات و جلسوں کی بڑی اہمیت تھی، آپ نے جب سے اس مبارک سلسلے کو شروع فرمایا، تا دمِ حیات یہ سلسلہ باقی رکھا۔ اور الحمدللہ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ قمری مہینہ کے دوسرے جمعہ کی شب کو یعنی جمعرات کا دن گزار کر رات میں اجتماع ہوتا ہے۔ جمعہ کے دن چھٹی کی وجہ سے جمعہ کی شب میں ہونے والے اس پروگرام میں تمام اساتذہ و طلبا بھی تعلیم کا جرج کیے بغیر شریک ہوتے ہیں۔ ہر مہینہ

کی تاریخ مقرر کر کے پہلے سے اعلان لگا دیا جاتا ہے کہ دعوۃ الحق کا ماہانہ اجتماع فلاں تاریخ کو ہوگا۔ اس اجتماع میں مقامی احباب اور مدرسہ کی شاخوں اور ملحقہ مدارس سے بھی لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات کے موقعوں پر خصوصیت کے ساتھ حضرت کام کرنے والوں کو نصائح اور ہدایات فرماتے تھے۔ ماموارت کو پھیلانے اور منکرات کو بند کرنے پر زور دیتے تھے۔ شاخوں سے آئے ہوئے حضرات کے کام کا جائزہ اور حسابات کا معائنہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ گویا یہ جلسہ کیا یوں کہنا چاہیے کہ پورے علاقہ کی ایک ماہ کی تبلیغی و تعلیمی رپورٹ وکارگزاری پیش ہوتی تھی۔ اور آئندہ کے لیے لائحۂ عمل اور پروگرام تجویز کیا جاتا تھا۔ ۳۹؎

تیرھواں مقصد مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنا اور سیدھے راستے پر چلانا:

اس مجلس کا مقصد صرف مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنا اور کامیابی کا اصل راستہ کیا ہے یہ بتلانا ہے، جو مسلمانوں کے لیے تعلق مع اللہ میں منحصر ہے۔ اس کا آسان طریق یہ ہے کہ احکامِ خداوندی اور نبی اکرم ﷺ کے ہر چھوٹے اور بڑے حکم کی پابندی کی جائے۔ ہر کام میں یہ بات زیرِ نظر رہنی چاہیے کہ کوئی کام بھی خلافِ شرع نہ ہونے پائے۔ یہی تو عبدیت کی روح اور ایک سچے پکے مسلمان کی زندگی کی جڑ اور بنیاد ہے۔

چودھواں مقصد لاوارث اموات کی تجہیز و تکفین:

مجلس کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ بوقت ضرورت لاوارث اموات کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہو، یہی وہ فریضہ ہے جس کو ہم فرض کفایہ کہہ سکتے ہیں۔ جس کی ادائیگی میں عموماً مسلمانوں سے کوتاہی ہوئی ہے۔ وہ مسلمان لاوارث لاش کے سلسلے میں اپنی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے۔ حالاں کہ جس علاقہ میں مسلمان لاش پائی جائے، اور جن لوگوں کو بھی اس کا علم ہو، ان پر حسبِ حیثیت شرعی حکم کے مطابق عمل کرنا اور پورا انتظام کرنا ضروری ہے۔ چوں کہ عام طور سے لوگوں میں کوتاہی پائی جاتی ہے۔ اس لیے شاہ صاحب نے اپنی مجلس کا اس کارِ خیر کو مقصد بنایا۔ چنانچہ جہاں کہیں اور جب کبھی ایسی کوئی صورت پیش آتی تھی اور آپ کو معلوم ہو جاتا تھا کہ فلاں مقام پر ایک مسلمان لاش ملی ہے، یا پڑی ہے، یا فلاں مقام پر ریل سے کٹی لاش پڑی ہوئی ہے، آپ اپنے مدرسہ کے فعال جوانمرد باہمت طاقتور طلبا اور بعض ذمہ داروں کو بھیجتے اور قانونی کارروائی کرنے کے بعد اپنے کو خطرات سے محفوظ رکھتے ہوئے اس

لاش کو ہر ممکن کوشش کے ذریعہ حاصل کرتے، اور غسل و تکفین و تجہیز کا پورا انتظام فرماتے۔ اور بعد نمازِ جنازہ پورے احترام کے ساتھ دفن فرما دیتے تھے۔ [۴۰]

پندرھواں مقصد غریب طلبا کی حسب ضرورت امداد:

مجلس کے تحت طلبا و تصحیح کنندگان کو بشرطِ سہولت و ضرورت حسبِ گنجائش وظیفہ دینا، حضرت کے مدرسہ میں جو طلبا صاحبِ حیثیت و وسعت ہوتے اور وہ حضرات جو تھوڑی مدت مثلاً ایک دو ماہ یا چھ ماہ کے لیے تصحیح قرآن پاک و تصحیح کلماتِ اذان کی غرض سے یا اصلاح و استفادہ کی غرض تشریف لاتے وہ اپنے کھانے اور ناشتہ کی خوراکی جمع کرتے، مدرسہ ان کا کفیل نہ ہوتا۔ البتہ ان میں جو غریب ہوتے اور خود کفیل نہ ہوسکتے تھے، حضرت کے فرمان کے مطابق ادارہ کی طرف سے ان کی امداد ہوتی۔ ان کی خوراکی کی فیس معاف ہوجاتی، وظائف تقسیم ہوتے، ان کے لیے کپڑے تیل صابن وغیرہ کا نظم ہوتا تھا۔ گنجائش ہونے پر ضرورت مند طلبا کی امداد سے دریغ نہ کیا جاتا تھا۔ [۴۱]

سولھواں مقصد عامۃ المسلمین کی دینی ضروریات میں امداد:

حقیقت یہ تھی کہ شاہ صاحب کی دین کے تمام شعبوں اور مختلف کاموں پر نظر رہتی تھی۔ لوگوں کے حالات سے باخبر رہتے، ان کی دینی ضروریات کو معلوم کرتے، اور پھر حسبِ گنجائش اس میں حصہ لیتے تھے۔ مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ ہاپوڑ کے مہتمم مولانا جمیل الرحمٰن قاسمی کے ساتھ پیش آیا ایک واقعہ ہے:

''نومبر ۱۹۹۵ء میں جامعہ کی قدیم سہ منزلہ عمارت گر گئی، املاک کے ساتھ جانی نقصان بھی ہوا مالی سال کا آخری زمانہ تھا۔ مدرسہ کا جملہ خرچ قرض پر چل رہا تھا۔ عمارت گر گئی تھی زخمی طلبا کا علاج پڑوسی کے نقصان کی تلافی۔ ان سب مسائل سے نبرد آزما ہونا ناکارہ کے بس سے باہر تھا۔ بعض قریبی احباب کو لے کر بیٹھا اور اہتمام چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ان تمام حالات کی اطلاع حضرت ہردوئی کو ہوئی، آپ بڑے فکر مند ہوئے۔ اگلے دن بعد نمازِ فجر حضرت کی جانب سے دو عالم بطور قاصد ہردوئی سے جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ پہنچے۔ حضرت کا مکتوب دیا اور دس ہزار روپئے کی خطیر رقم بطور امداد مدرسہ کو عنایت فرمائی۔ مکتوب میں تحریر فرمایا کہ سردست یہ تعاون حاضر ہے آپ ادارہ کی ضرورت تحریر کریں، اہل خیر کو توجہ دلا کر مزید تعاون دلایا جائے گا''۔ [۴۲]

مجلس دعوۃ الحق سے متعلق مکاتب ومدارس میں نصاب تعلیم:

جملہ مدارس میں ابتدائی پرائمری درجات ہیں اور بعض مدارس میں درجۂ پنجم تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ ہر مکتب میں قرآن پاک کے صحیح پڑھنے (ناظرہ وحفظ) کا خاص نظم ہے۔ نیز بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ کچھ مکتب منظور (رکگنائزڈ) ہو چکے ہیں، اور دوسرے مکاتب کے لیے کوششیں جاری ہیں۔

مجلس دعوۃ الحق کے زیر انتظام چلنے والے مکاتب ومدارس میں تعدادِ طلبا:

سال ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں کل تعداد طلبا وطالبات مندرج (۱۰۷۰۰) رہی، اور ذی قعدہ ۱۳۷۳ھ/ جولائی ۱۹۵۳ء سے ختم سال ۱۴۲۹ھ/نومبر ۲۰۰۸ء تک جملہ مکاتب مجلس دعوۃ الحق میں (۲۴۳۳۲) بچوں نے ناظرہ قرآن شریف اور تقریباً (۳۴۶۶) بچوں نے حفظ قرآن شریف صحت اور قواعد کا حتی الامکان لحاظ کرتے ہوئے ختم کیا ہے۔

مجلس دعوۃ الحق کے زیر انتظام مکاتب ومدارس میں تعداد مدرسین وملازمین:

جملہ مدارس مجلس دعوۃ الحق میں تعداد مدرسین (۳۵۵) ہے، جن میں (۸۷) علماء کرام (۱۷۳) حفاظ کرام (۹۵) منشی صاحبان ہیں۔ نیز دفتر مرکز میں (۶) اشخاص کام کرتے ہیں۔ اور دیگر عملہ کی تعداد (۷۳) ہے، اس طرح کل تعداد خدام ادارہ (۴۳۴) ہے۔[۴۳]

مدارس ومکاتب کی تعداد اور وہاں زیر تعلیم وتربیت طلبا کی تفصیل عہد کے اعتبار سے موجود ہے جسے طوالت کے پیش نظر ترک کیا جاتا ہے۔

مجلس دعوۃ الحق کا تعارف بشکل نظم:

جناب شکیل احمد سنسار پوری نے مجلس دعوۃ الحق ہردوئی اور اس کے ناظم اعلیٰ حضرت تھانوی و مولانا ابرارالحق کی خدماتِ عالیہ کا یہ منظوم تعارف ۱۳۹۸ھ۔۱۹۷۷ء میں تحریر کیا اس کی اشاعت کا مقصد یہ تھا کہ قارئین شاہ صاحب کی مجاہدانہ زندگی، سرفروشانہ کردار، اور صابرانہ صفات کو مشعلِ راہ بنا کر دین متین کی خدمت کے لیے جہدِ مسلسل کرتے رہیں۔ اور پریشان کن حالات میں بھی یہ شعور بیدار رہے کہ ہمارے اکابرین نے اس دین کی خدمت کے لیے آلام ومصائب کو کن عزائم کے ساتھ برداشت

کیا ہے۔ اور راہِ حق میں پیش آنے والی دشوار گزار گھاٹیوں کو کن حوصلوں سے عبور کیا ہے کیوں کہ شاعر نے شاہ صاحب کا وہ دور دیکھا ہے جو آپ کی جفاکشی اور ابتدائی خدمات سے لبریز تھا۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے موصوف نے بشکل منظوم مقاصد دعوۃ الحق و شاہ صاحب کی ہمہ جہت محنتوں کا احاطہ کیا ہے۔[۴۴]

اشعار سے دعوۃ الحق کا مقصد اور اس کے لیے حضرت ہردوئی کی مساعی اور اس کے اثرات ونتائج سامنے آجائیں گے۔

نظم کے چند اشعار بطورِ نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں۔

قیامِ دعوۃ الحق حضرت اشرف نے سوچا تھا
اسے سارے جہاں میں عام کرنے کا ارادہ تھا
اصول ونظم اس کا دعوۃ الداعی میں لکھا تھا
جنھیں الفت تھی حضرت سے سبھوں نے ہی سراہا تھا
مگر اللہ جب دینِ مبیں کا کام لیتا ہے
تو اس کے مثل اس بندے کا سینہ کھول دیتا ہے
جناب حضرت ابرار بھی اشرف کے خادم ہیں
مفسر اور قاری حافظ وفاضل ہیں عالم ہیں
علاقہ ہائے ہردوئی گویا یارب سے بیگانہ
نہ تھا ہم ذوق ہی کوئی یہاں جانا نہ پہچانا
بنائی مجلس شوریٰ فرائض اس کے بتلائے
رہے گی ایک مجلس عامہ بھی ماتحت اس کے
بڑی مشکل سے اس کو دیکھ پایا ہم نے آنکھوں سے
ہے اس کا مقصد اول مدارس کی اشاعت کا
عجب ہر چیز سے ظاہر ہے حسنِ انتظام ان کا
ہے فکر اصلاح امت دل میں اور شیریں کلام ان کا[۴۵]

مزید تفصیل کے لیے شاعر کی کتاب گلشنِ ابرار دیکھی جا سکتی ہے۔

فصل سوم
شاہ ابرار الحق صاحب اور صحت قرآن کریم - ایک تجدیدی کارنامہ

اللہ رب العزت نے شاہ صاحب کو کلامِ پاک کے ساتھ عشق کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے کلامِ پاک کی تجوید و قرات کو اہل فن قراء سے حاصل کیا اور پروردگار نے 'حسنِ صوت' کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ آپ اہل زمانہ کی روش اور قرآن پاک کے ساتھ بے تعلقی سے بخوبی واقف تھے اور اس پر روتے کڑھتے اور سر دھنتے تھے۔ آخر بنامِ خدا اپنے یہاں مدرسہ ''اشرف المدارس'' ہردوئی، میں تصحیح قرآن پاک کا شعبہ قائم فرمایا، مدرسہ میں پڑھنے والے بچوں کو بھی تجوید سے پڑھانا شروع کیا اور پھر اہل مدارس کے لیے بھی تصحیح قرآن پاک کا سلسلہ شروع کیا، اس کے لیے باقاعدہ اسفار کیے۔ اور عوام کو، خواص کو، اہل مدارس کو اس کی طرف متوجہ کیا اور الحمدللہ سلسلہ قائم ہوگیا، اہل مدارس تصحیح کے لیے ہردوئی جاتے۔ حافظ بھی، عالم بھی، شیخ الحدیث بھی، ناظم و مہتمم بھی حاضر ہوتے، ان کو 'نورانی قاعدہ' پڑھایا جاتا اور پھر قرآنِ پاک تجوید کے ساتھ پڑھایا جاتا۔ الحمدللہ جگہ جگہ اس کا چرچہ شروع ہوگیا اور فضا بن گئی، ملک و بیرون ملک اور دور دراز ملکوں سے حضرات اہل علم آنے لگے، اور الحمدللہ قرآن پاک کو صحت کے ساتھ پڑھایا جانے لگا۔ حضرت ہردوئی کا یہ کارنامہ تجدیدی کارنامہ ہے۔ [۴۶]

قرآن کریم سے والہانہ لگاؤ:

قرآن کریم سے شاہ صاحب کو بے انتہا لگاؤ تھا۔ اکثر مجالس میں قرآن کریم سنتے تھے، کبھی کبھی تو دورانِ مجلس کئی طلبا سے کلامِ پاک سنتے۔ اگر کوئی غلط طریقہ سے پڑھتا تو اس کی اصلاح فرماتے۔ حضرت قاری ابوالحسن، صدر شعبۂ قرأت دارالعلوم دیوبند (خلیفہ حضرت ہردوئی) جب کبھی بھی حضرت ہردوئی سے ملاقات کے سلسلے میں ہردوئی تشریف لاتے تو آپ تمام طلبا و اساتذۂ کرام کو مطلع فرمادیتے۔ سب کے سب جمع ہوجاتے اور قاری ابوالحسن سے فرماتے کہ آپ سامعین کو ترتیلاً اور حدراً قرآن کریم پڑھ کر

سنائیں۔ قاری صاحب حضرت کے حکم سے قرآن کریم کو ترتیلاً اور حدراً پڑھ کر سناتے اور طلبا واساتذۂ کرام اس طرح استفادہ کرتے تھے۔ نماز کے بعد کی مجلس میں بھی آپ کبھی کسی درجۂ حفظ کے طالب علم سے اور کبھی درجۂ عربی کے حفاظ کرام سے قرآنِ کریم سنتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ درجۂ حفظ کے طالب علم سے اس کے سبق کے پارے میں سے سنتے اور درجۂ عربی کے طالب علم سے چاند کی تاریخ کے حساب سے پارے میں کہیں کہیں سوال فرماتے۔ اور درجۂ عربی کے طالب علم سے جو کتب وہ پڑھتے ان میں سے بھی سوال فرماتے تھے۔ ۴۷

کلام اللہ کی عظمت میں کمی اور اس کا نتیجہ:

ارشاد فرمایا کہ:

''اکثر معاملات میں کچھ نہ کچھ مستحبات ومستحسنات ہوتی ہیں، جس کا لوگ ماشاء اللہ خیال کرتے ہیں، مگر قرآن پاک کے جو مستحسنات ہیں اور اس کا جو جمال ہے، آج اکثر خواص بھی اس سے غافل ہیں۔ تصحیح قرآنِ پاک کی فکر نہیں، بڑے بڑے قاریوں کو دیکھا کہ تراویح میں تجوید کا خیال نہیں کرتے۔ اگر کسی شاعر کا کلام پڑھا جا رہا ہو اور وہ شاعر بھی اس مجلس میں موجود ہو تو پھر پڑھنے والا کتنی احتیاط سے پڑھتا ہے، اگر کسی نے غلط پڑھ دیا تو شاعر کو کتنا ناگوار ہوتا ہے۔ اگر کسی بادشاہ شاعر کے کلام کو کوئی غلط سلط پڑھے تو بادشاہ کو کس قدر ناگوار ہوگا۔ اسی طرح اگر دوسرے شعراء کے اشعار کو بچے سلیقہ سے پڑھیں، اور نامناسب طریقہ پر پڑھنے پر استاد اصلاح کریں۔ اور شاعر کے کلام کو بے ڈھنگے طریقہ سے پڑھنے پر کچھ روک ٹوک نہ ہو تو بادشاہ کو اساتذہ پر کس قدر ناراضگی ہوگی۔ خود غور کر لیجیے۔ اب غور کا مقام ہے کہ مخلوق کے کلام میں تو اس قدر احتیاط اور خالق کے کلام میں جس طرح سے چاہیں پڑھیں۔ پھر اس پر یہ توقع ہو کہ ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام اللہ کی جیسی عظمت ہونی چاہیے تھی آج اس میں کمی ہوگئی ہے۔ جس کی بنا پر یہ معاملہ ہو رہا ہے۔ اس لیے تلاوت کے وقت یہ دھیان رکھا جائے کہ احکم الحاکمین کا کلام پڑھا جا رہا ہے، انتہائی عظمت ومحبت کے ساتھ سنیں۔ ۴۸

حفظ قرآن پاک بہت بڑی نعمت ہے:

ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں انہیں میں سے بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ جو

چیز معجزہ ہے اور ایسا معجزہ کہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں اتارا۔اس کی حفاظت کی صورت ظاہر فرمادی، کلامِ پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوۡنَ (الحجر:۹)

(ہم نے قرآن پاک کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے)

حفاظت کبھی ہوتی ہے اسباب کے ساتھ اور کبھی بغیر اسباب کے۔اس کی حفاظت کے اسباب مقرر کردیئے اور لوگوں کو حکم دے دیا اس کو پڑھنے پڑھانے اور اس کو یاد کرنے کا۔لوگوں کے دلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ صلاحیت پیدا کردی کہ وہ قرآن پاک کو محفوظ کریں۔اس کے پڑھنے کو محفوظ کریں۔اس کے اعمال کو محفوظ کریں اس لیے بھائی حفظ قرآن پاک بہت بڑی نعمت ہے۔۴۹؎

تلاوتِ قرآن اللہ سے ہم کلامی کا ذریعہ ہے:

جس طرح بات چیت سے محبت بڑھتی ہے،اسی طرح تلاوت قرآن بھی اللہ سے ہم کلامی ہے۔ کیوں کہ تلاوت قرآن سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ایک حرف پر دس نیکی اور ایک پارے پر ایک لاکھ نیکی کا اوسط ہے۔حضرت ہردوئی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت تھانوی کو کسی صاحب نے لکھا کہ تلاوت قرآن میں دل نہیں لگتا۔اس کے جواب میں حضرت تھانوی نے لکھا کہ یہ سوچا کرو کہ اللہ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہمارا کلام سناؤ۔دیکھیں کیسا پڑھتے ہو،تو پڑھنے کا انعام الگ ہے،اور سمجھنے کا الگ ہے۔ جو لوگ پڑھنے کو بدون سمجھنے کے بیکار سمجھتے ہیں، یا تو وہ جاہل ہیں یا بددین۔اور مخالف فرمانِ رسول ہیں۔ قرآن کا حافظ دراصل اس معجزہ عظیم کا محافظ ہے، ملک کی سرحد کے محافظ تو سرکاری آدمی سمجھے جاتے ہیں۔ تو قرآن کریم جو کلام رب العالمین ہے اس کے محافظوں کو کیا سرکاری محافظ کا مقام حاصل نہ ہوگا۔ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حسن صورت اللہ کا عطیہ ہے جو غیر اختیاری ہے۔تجوید سے پڑھنا اپنا کمال ہے اور اختیاری ہے اس لیے جو غیر اختیاری ہے اس کے پیچھے نہ پڑے۔جو اختیاری ہے جس کا انسان مکلّف ہے اس کو حاصل کرے۔اس میں محنت کرنے لگے۔پھر یہ کہ مقبول عنداللہ تجوید سے پڑھنے والا ہے۔نہ کہ بلا تجوید اچھی آواز سے پڑھنے والا۔۵۰؎

امتحان اخلاص کا ہوگا:

ارشاد فرمایا کہ تجوید کا اور صحتِ حروف کا اہتمام ضروری ہے، مگر افسوس آج کل اچھی آواز کو حروف کی صحت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً کسی مدرسہ کا جلسہ ہے اور دولڑکے ہیں، ایک تو حروف کی ادائیگی میں عمدہ ہے اور دوسرا حروف کی ادائیگی میں کمتر ہے، مگر آواز میں پہلے سے بہتر ہے۔ تو اگر مہتمم صاحب نے اچھی آواز والے کو مقدم کیا اور اسی سے پڑھوایا تو امتحان اخلاص کا ہوگیا کہ ارضائے خالق نہیں ہے۔ ارضائے خلق ہے۔ اگر دس منٹ صرف دو ماہ تک دیا جاوے تو قرآن کریم کے حروف کی ضروری صحت ہوجاتی ہے۔ بوڑھے آدمی اگر کلامِ پاک کی صحت میں لگ جائیں تو امید ہے کہ اس کی برکت سے ان کی مغفرت ہوجاوے۔ اللہ کو رحم آجائے گا کہ بوڑھا ہوکر ہمارے کلام کی درستی اور صحت تجوید میں لگا ہوا تھا۔ ایک یہ کہ تلاوت قرآن کریم سے دل کا زنگ دور ہوتا ہے، جس کی برکت سے دل پھر حق بات قبول کرنے لگتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ ایک حرف پر دس نیکی کا ثواب ملتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ تلاوت میں ریا کاری نہ ہو، صرف اللہ کی رضاء کے لیے تلاوت کرے اور حروف کی صحت کے ساتھ تلاوت کرے۔ ۵۱

عامل بالقرآن کی فضیلت:

شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

’’جس کے دل میں قرآن پاک اترے، اس میں جو حکم ہے اس پر عمل نہ کرے تو پھر کتنی بڑی محرومی ہے۔ اس لیے کہ انعام جو ملے گا وہ قرآن پاک پڑھنے والے ملے گا، ناظرہ پڑھ رہا ہے تو اس کے ماں باپ کے سر پر تاج رکھا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ ہوگی وہ کس کے لیے، یہ سب اس کے لیے ہوگا جو عمل کرے گا، پھر جو حافظ ہوجائے گا اور عمل کرے گا تو وہ اپنے دس اعزاء واقربا کو جنت میں لے جائے گا اور خود بھی جنت میں جائے گا، ذرا سوچئے کتنا بڑا درجہ ہے حافظ قرآن کا۔

صلاحیت بتدریج بڑھتی ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ انسان جس کام میں لگتا ہے، شروع میں تو طاقت کمزور ہوتی ہے۔ پھر ہلکے ہلکے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ وہ بچہ جس کو پہلے ایک حرف یاد کرنا مشکل تھا، اب وہ ایک ہزار حرف

ایک دن میں پڑھ لیتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ یاد کرلیتا ہے، پڑھ ہی نہیں لیتا بلکہ زبانی یاد بھی کرلیتا ہے۔ تو ہزار گنی سے بھی زیادہ طاقت ہوجاتی ہے۔ ایسے ہی دوسری چیزوں میں بھی انسان کی صلاحیت کا معاملہ ہے۔۵۲

تلاوتِ قرآن کریم کے تین فائدے:

(۱) تلاوتِ قرآن کریم سے دل کا زنگ دور ہوتا ہے۔

(۲) تلاوتِ قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے۔

(۳) تلاوت قرآن کریم کے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہ نیکیاں بلا سمجھے پڑھنے پر بھی ملتی ہیں۔

تلاوتِ قرآن کریم کے دو اہم آداب:

(۱) پڑھنے والا دل میں یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے سناؤ کیسا پڑھتے ہو۔

(۲) سننے والا دل میں یہ خیال کرے کہ احکم الحاکمین اور محسن اعظم کا کلام پاک پڑھا جارہا ہے۔ اس لیے نہایت عظمت ومحبت کے ساتھ سننا چاہیے۔۵۳

کلماتِ اذان واقامت میں عوام وخواص بھی بعض غلطیاں کردیتے ہیں جن کی طرف عام طور پر توجہ نہیں ہو پاتی ہے۔ اس لیے اذان کی عظمت ووقعت بچوں کے دلوں میں بٹھلائیں اور کلماتِ اذان واقامت کی عملی مشق بھی بتدریج کرائیں۔۵۴

قرآنِ کریم کے طلبا کی عظمت کا زیادہ اہتمام کریں:

آج دینی مدارس میں گھوم جائیے، طلباء عزیز کے سلسلے میں 'مہمانِ رسول' کا لفظ عام ہے۔ مدارس کے اشتہارات اور روئیداد میں یہی لفظ ملے گا مگر حقیقتاً ان کے ساتھ کیا وہی سلوک اور معاملہ کیا جارہا ہے، جو رسول کریم کے مہمان کے ساتھ کیا جانا چاہیے، بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ ان کے ساتھ اپنے ذاتی معمولی مہمان جیسا برتاؤ بھی روا نہیں رکھا جارہا ہے، ان کے قیام وطعام، اور ان کے شب وروز کی نگہہ داشت کس طرح کی جارہی ہے، یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

اس سلسلے میں شاہ صاحب کا نقطۂ نظر درج ذیل تھا:

☆ ان کے ضعفِ رسول ہونے نیز مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا استحضار رکھ کر معاملات کرنا۔

☆ حفاظ کے لیے وظیفہ میں گنجائش رکھنا۔

☆ تکمیل حفظ پر انعام خصوصی مقرر کرنا۔

☆ جن اساتذہ میں صحتِ مطلوبہ یعنی قرآن کریم مع التجوید پڑھنے کی کمی ہو ادارہ کے مصارف پر پورا کرنا۔

☆ معلّمین قاعدہ وناظرہ وحفظ کا مشاہرہ معقول مقرر کرنا خواہ علماء کرام سے زیادہ ہو جائے۔ مدارِ وظیفہ ضرورت ہونا چاہیے نہ کہ علمی لیاقت۔

☆ بوقتِ داخلہ طلباء کا قرآن پاک میں امتحان کرانا۔

☆ تصحیح مطلوب کی کمی پر تصحیح قرآن پاک کے لیے وقت مقرر کرنا۔

☆ اجتماع طلباء، جلسہ اور وعظ میں تدویراً اور حدراً طلباء سے قرآن پاک پڑھوانا۔

☆ قواعدِ تجوید کے موافق پڑھنے پر انعام کا دیا جانا۔

☆ تصحیح قرآنِ پاک کی ناکامی پر وظیفہ کا بند کرنا اور درجہ کی ترقی سے محروم کرنا۔

شاہ صاحب کے یہاں (ہردوئی میں) عالموں کی تقرری پر ان کا قاعدہ کا امتحان ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک عالم صاحب خفا ہوئے اور کہنے لگے۔ ہماری سند میں تمام کتابوں کے اندر ہمارے اعلیٰ نمبر آئے ہیں۔ ان سے گزارش کی گئی کہ آپ کی سند میں قاعدہ کے امتحان کا ذکر نہیں ہے۔ پھر ایک قاعدہ پڑھنے والے بچے کو بلایا گیا اور اس سے ان کو قاعدہ کا سبق سنایا گیا، خود ہی کہنے لگے کہ یہ بچہ تو مجھ سے اچھا پڑھتا ہے، پھر ان سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ کو اس بچہ کا امام بنا دیا جائے تو اس بچہ کے قلب میں آپ کی کیا وقعت ہوگی، ان کی سمجھ میں بات آگئی۔ ۵۵

مکمل نورانی قاعدہ شاہ صاحب کا عظیم کارنامہ:

عرصہ دراز سے مختلف مطابع کے نورانی قاعدوں میں طباعت کی کوتاہیوں سے اور بچوں اور معلمین کو پڑھنے پڑھانے میں پریشانی لاحق ہونے سے آپ کو فکر اور تلاش تھی کہ نورانی قاعدہ کا کوئی قدیم نسخہ مل جاتا جس سے مطابقت کی جاتی اور موجودہ دشواریوں کا حل نکالا جاتا۔ اولاً نورانی قاعدہ

کومولوی نور محمد صاحب لدھیانوی نے مرتب کیا تھا، لیکن بعد کے مرتبین نے اس میں ترمیمات کیں، جس کی وجہ سے نورانی قاعدے کا اصل مقصد فوت ہوگیا تھا۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ جدوجہد کرنے پر ترمیم شدہ قدیم نسخہ مطبوعہ پرنٹنگ ورکس لاہور کا ۱۳۵۰ھ۔۱۹۳۱ء کا چھپا ہوا مل گیا۔ جس کے ذریعہ مطابقت کرنے پر ظاہر ہوا کہ آج کل کے نورانی قاعدے اس کے خلاف ہیں۔ چنانچہ حضرت ہردوئی کے کہنے پر اس قدیم ترمیم شدہ نسخہ کو سامنے رکھ کر متفرق مقامات میں خدام جامعہ اشرف المدارس ہردوئی نے مفید اضافے بھی اپنے تجربے سے کیے، پھر اس کا نام مکمل نورانی قاعدہ تجویز کیا گیا۔ اس کے بعد حکیم افسر پاشاہ نے کچھ مشورے دیئے، جن کو سامنے رکھ کر اساتذہ وذمہ داران مدرسہ فیض العلوم نے ضروری ترمیمات کے ساتھ قاعدہ کو مرتب کرکے ہردوئی بھیجا، یہاں اشرف المدارس کے اساتذۂ درجۂ حفظ وناظرہ نے اس پر نظر ثانی کی اور کچھ ترمیمات بھی کیں، نیز کچھ مشورے بھی دیئے۔[۵۶]

شاہ صاحب نے اس (مکمل نورانی قاعدہ) میں کچھ اہم ہدایات معلمین اور عوام وخواص کے لیے بھی مرتب کرائیں جن کی طرف عام طور سے توجہ نہیں ہو پاتی تھی۔

ہدایت برائے معلمین کرام:

(۱) بچوں کو شروع ہی سے آدابِ اسلامی سکھائیں تاکہ معصوم ذہنوں میں صحیح اسلامی تعلیم کا نقش بیٹھے اور ان کی زندگی اسلامی سانچے میں ڈھل سکے۔

(۲) ہر وقت کی دعائیں مثلاً سونے جاگنے، مسجد جانے ونکلنے، بیت الخلاء جانے ونکلنے کی سنتیں یاد کرائی جائیں۔ ایسے ہی نماز اور وضو کی سنتیں، فرائض وضو، مستحبات ومکروہات وضو، واجباتِ نماز، مکروہاتِ نماز وغیرہ شروع ہی سے یاد کرانے کا اہتمام کیا جائے۔

(۳) علم کا ادب، کتابوں کا ادب، کاغذ کا ادب غرض یہ کہ علم اور متعلقات علم کے آداب بھی بچوں کو ذہن نشین کرائے جائیں، بلکہ اس پر عمل کی بھی برابر ہدایت کی جائے۔

(۴) قرآنِ مجید اور پاروں کے ادب میں کوتاہی پر تنبیہ بھی کی جائے۔[۵۷]

طریقۂ تعلیم کے سلسلے میں اہم ہدایات:

نورانی قاعدہ ماہرین فن کی نظر میں نہایت جامع اور بابرکت ثابت ہوا ہے۔ بچہ کی عمر، ذہن اور

فرصت کے لحاظ سے سبق کی مقدار کم وبیش رکھی جائے، بچہ کی ابتدائی تعلیم اگر خراب رہی اور استعداد اچھی نہ ہو تو اس کا آگے چلنا مشکل ہے، بچہ بے اصولی کی وجہ سے بدشوق نہ ہونے پائے، تعلیم کے وقت کوئی دوسرا کام نہ کریں، کیوں کہ اس سے بچوں میں انتشار، شوروشغب اور بدشوقی ہوتی ہے۔ معلمین کم از کم اس قاعدہ میں درج کی ہوئی ہدایات کے ماہر ہوں۔ جس بات کی تعمیل نہ ہوسکتی ہو یا آپ نہ کرا سکتے ہوں اس کو زبان سے ہی نہ نکالیں کیوں کہ اس سے بچے نافرمان بن جاتے ہیں، اور زیادہ مار پیٹ، اور بہت ڈانٹ ڈپٹ سے بچے نڈر ہو جاتے ہیں، صرف نظر کی تیزی اور معمولی ڈانٹ سے کام لینے کی کوشش کریں۔ پھر بھی باز نہ آئے تو غصہ کے وقت نہیں بلکہ سوچ کر دوسرے وقت ماریں، زیادہ زور سے اور بے جگہ نہ ماریں۔ اور سزا کے بعد دوسرے وقت شفقت سے سمجھا بھی دیں، کہ ایسا نہیں کیا کرتے، حروف اور ہند سے سیاہ تختہ پر بنا بنا کر دکھائیں، درس گاہ میں مفرد جلی حروف اور مرکب جلی حروف بھی ہوں، بچہ کے پاس سلیٹ، قلم اور کاپی رہے۔ اس طرح پڑھانے سے بچوں کی طبیعت پر بوجھ نہیں پڑتا۔ پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، تعلیم سے پہلے متعلقہ ہدایات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں۔ تاکہ سزا اور خفگی کی نوبت نہ آئے، صرف شاباش کہہ دینا ہی کافی ہو جائے گا۔ اسی طرح معلمین دیانت دار اور متحمل مزاج بھی ہوں۔ خودغرض اور ترش رو نہ ہوں۔ ورنہ بچہ کی عمر اور آپ کی محنت ضائع ہو جائے گی۔ نیز محنت ودل سوزی سے بچوں کو پڑھائیں، عمر کی پونجی ضائع ہونے سے بچائیں۔ عمر کا ضائع کرنا جرم عظیم ہے۔ اور سرپرستوں کو بھی چاہیے کہ اپنے بچہ کی تعلیم کی جانچ ہفتہ عشرہ میں خود بھی کرلیا کریں؟ ۵۸؎

فصل چہارم
تصانیف ورسائل

مولانا شاہ ابرار الحق حقی کی کتابوں، تصنیفات اور رسائل کا جائزہ لیا جائے تو ان میں دعوتی واصلاحی مضامین کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ مولانا کے افادات وتعلیمات پر دو کتابیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن میں ایک کتاب وہ ہے جو مولانا نے دین کی ضروری باتوں سے واقفیت کے لیے مختصر سے مختصر وقت میں بطور سبق کے مرتب کی جو 'ایک منٹ کا مدرسہ' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے مرتب مولانا کے ممتاز مسترشد شیخ طریقت مولانا حکیم محمد اختر کراچوی (پاکستان) ہیں دوسری کتاب 'مجالس ابرار' ہے اس کے مرتب بھی حکیم محمد اختر ہیں، یہ دونوں کتابیں بڑی مقبول ہیں۔

(ا) ایک منٹ کا مدرسہ:

'الدین یسر' کی تعلیم نبوی کو ملحوظ رکھتے ہوئے تھوڑی فرصت والوں کے لیے خاص تحفہ کے طور پر کتاب مرتب کی گئی، شاہ صاحب کی تعلیمات وافادات جو وضو، نماز، کھانے، پینے، سونے جاگنے اور مسجد آنے جانے سے متعلق سنتوں کا استحضار رکھنے کے سلسلے میں اس کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ مولانا کی نگرانی میں جمع وترتیب کا کام آپ کے خلفاء مولانا حکیم محمد اختر کراچوی اور مولانا عبدالرؤف سنساپوری (نائب ناظم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی) نے انجام دیا ہے۔ یہ کتاب ایک سو بیس اسباق پر مشتمل ہے۔ ان اسباق میں وضو، نماز، مسجد سے متعلق سنتوں کے ذکر کے ساتھ بڑے گناہوں کا ذکر جو بغیر توبہ معاف نہیں ہوتے۔ اور ان گناہوں کے نقصانات کا بیان ہے جو دنیا میں پیش آتے ہیں۔ نیکیوں اور طاعات کے فوائد وثمرات کا ذکر ہے جو دنیا میں ملتے ہیں، اور آخرت میں جو طاعات اور فوائد حاصل ہوں گے جن کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اسی طرح قرآن شریف کی سورتوں، اذکار وتسبیحات کے اثرات وفوائد کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح طاعات کے فوائد میں مثلاً بری

حالت پر موت نہیں ہوتی۔ اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔ گناہوں کے نقصانات مثلاً بسا اوقات نیکیوں کے فائدے بھی رخصت ہوجاتے ہیں۔ بعض بڑے گناہ کا ذکر جیسے لڑکیوں کو میراث کا حصہ نہ دینا، کوئی بھی فرض چھوڑ دینا، کسی مسلمان کو بے ایمان کہنا وغیرہ۔ سنتوں کے بیان میں عورتوں اور مردوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ جیسے عورت تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے مرد کی طرح کانوں تک نہ اٹھائے۔

''یہ کتاب مولانا حکیم محمد اختر صاحب (کراچوی) نے ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء میں ترتیب دی تھی۔ مگر ترتیب جدید کا کام مولانا ابرار الحق حقی کے حکم سے مولانا عبدالرؤف سنساپوری نے رجب ۱۴۱۱ھ/فروری ۱۹۹۱ء کو انجام دیا اور یہ دن جمعہ کا مبارک دن تھا۔ ۱۲۰/اسباق کی یہ کتاب حضرت مولانا کی پسندیدہ کتاب تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسجدوں، مدرسوں، مجلسوں اور گھروں میں اس کی ایک ایک بات روز سنادی جایا کرے۔ اس طرح ایک سال میں ۳۶۰ سنتیں ایک شخص کو یاد ہوجایا کریں گی۔ یہ ایک سوبیس اسباق ایک سوبیس صفحات پر مشتمل ہیں''۔[۵۹]

(۲) مجالس ابرار:

یہ شاہ صاحب کے رسائل اور مواعظ وملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو بھی مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے مرتب کر کے شائع کرایا۔ اس کتاب میں حضرت کے اہم رسائل جیسے اشرف النظام، اشرف النصائح، اشرف الاصلاح، دافع الغم، احکامِ تبلیغ، اصول فلاحِ دارین، اشرف الخطاب، امت کی پریشانی اور انحطاط، اصولِ زریں برائے طلبا و مدرسین، اغلاط النکاح وغیرہم شامل ہیں۔ یہ ضخیم کتاب تقریباً ۵۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ پاکستان اور ہندوستان سے اس کتاب کے مختلف ایڈیشن چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

(۳) تحفۃ الابرار:

۱۲۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ان پرچوں کا مجموعہ ہے جو شاہ صاحب لوگوں کی اصلاح کے لیے شائع کراکر تقسیم کرایا کرتے تھے۔ جیسے اصلاحِ معاشرت، اصلاح غیبت، اصلاحِ معاملات، اغلاط النکاح، احکام شب برات، احکام صدقۂ فطر، احکام عیدالاضحیٰ، قربانی، مسواک، مساجد، تہجد، توبہ، احکامِ

تبلیغ وغیرہ۔ یہ پرچہ جات مجلس دعوۃ الحق ہردوئی سے شائع ہوئے تھے۔ ان تمام پرچوں کا مجموعہ 'تحفۃ الابرار' کے نام سے مکتبہ اشرفیہ اشرف المدارس ہردوئی نے شائع کیا ہے۔ اس مجموعہ کے مرتب مولانا محمد یامین مفتاحی صاحب ہیں۔

(۴) اسلامی عقائد:

یہ کتاب شاہ صاحب کی اپنی تصنیف نہیں ہے۔ آپ کے ایما پر آپ کے تربیت یافتہ دو عالموں مولانا محمد افضال الرحمٰن صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی) اور مولانا مفتی عبیدالرحمٰن صاحب (مدرس مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی) نے مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں اللہ اور اس کی صفات، فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں، قیامت اور تقدیر کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے عقائد کو آسان زبان میں ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں اسماءِ حسنیٰ مع ترجمہ پیش کیے گئے ہیں۔ ۴۸ صفحات کا یہ رسالہ ایسا ہے کہ اس کی ضرورت بقول حضرت محی السنہ:

''سب ہی کو ہے خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے، مکاتب دینیہ کے بچوں کے لیے اس کا پڑھانا اور یاد کرانا اہم اور ضروری معلوم ہوتا ہے۔ نیز عامۃ المسلمین کو بھی اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اس مجموعہ کا نام اسلامی عقائد تجویز کرتا ہوں۔ (ماخوذ از کتاب ہذا) یہ مجموعۂ ایمانیات وعقائد حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، امام اہل سنت والجماعت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہم اللہ کی تحقیقات وافادات کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے اور مجلس اشاعت الحق لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

(۵) اشرف النظام لاصلاح العام والتام:

اس رسالہ میں دین کے جماعتی کام کی لائن سے ضروری اور مفید اصول لکھے گئے ہیں۔ نیز اپنی اولاد، اہل خاندان، اہل محلّہ، شہر بستی اور بیرونی بستیوں کی اصلاح اور درستگی کی آسان تدابیر اور طریقے جمع ومرتب کیے گئے ہیں۔ ۱۳۷۰ھ میں یہ رسالہ تالیف کیا گیا جو کہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور مکتبہ اشرفیہ ہردوئی نے اس کو نشر کرایا ہے۔

(۶) اشرف النصائح لاصلاح القبائح:

اس رسالہ میں نیک ودیندار اور سچا وپکا مسلمان بننے، وعظ کہنے، تبلیغ کرنے، اور دین سکھانے

والوں کے لیے ضروری ہدایات جمع کی گئی ہیں، جن کا جاننا ہر مسلمان ومبلغ کے ذمہ ضروری ہے جن پر عمل کرنے سے ہر مسلمان پکا دیندار اور ہر مبلغ عوامی تبلیغ کی مضرت ومفاسد سے بسہولت بچ سکتا ہے۔ اس رسالہ کا بھی پہلا ایڈیشن ۱۳۷۰ھ میں شائع ہوا تھا یہ رسالہ بھی مکتبہ اشرفیہ ہردوئی سے نشر ہوا تھا۔

(۷) اشرف الاصلاح للنفس والاتباع:

اس میں اصلاح کا مطلب اور اپنی اور اپنے متعلقین وتوابع (زیرنگرانوں) کی اصلاح کی فرضیت واہمیت اور اس کا سہل طریقہ ونسخہ بیان کیا گیا ہے۔ جس میں کہ تھوڑی سی ہمت اور انتظام کی ضرورت ہے۔ یہ رسالہ بھی جمادی الاول ۱۳۷۰ھ میں شائع ہوا۔ اس کے ناشر بھی مکتبہ اشرفیہ ہردوئی ہیں۔

(۸) اشرف الخطاب:

اس کتاب میں کلمۂ طیبہ کی درستگی، نماز باجماعت، زکوٰۃ، صدقۂ فطر، قربانی، حج، روزہ وغیرہ سے متعلق خطاب کرنے کے طرز کو مرتب کیا گیا ہے، تاکہ داعی اور مبلغ حضرات عوامی تبلیغ کے مفاسد اور حدود شکنی سے اور عام مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں۔ ۱۳۷۰ھ میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے جو کہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۹) اشرف الہدایات لاصلاح المنکرات:

اس کتاب میں تبلیغ کی اہمیت وفرضیت اور اس کے فضائل وآداب کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۷۳ھ میں تالیف ہوئی تھی۔ اور یہ ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۰) امت کی پریشانی اور انحطاط کا سبب اور اس کا علاج:

اس کتاب کو دینی مدارس، مکاتب اور مساجد کے انتظامات درست نہ ہونے کی وجہ سے امت میں جو فساد اور بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔ آپ نے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی صورتیں تحریر فرمائیں ہیں۔ ۱۶ صفحات کا یہ رسالہ ہے جو ۱۳۹۵ھ میں شائع ہوا۔

(۱۱) اذکارِ مسنونہ:

یہ مسنون دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں ان دعاؤں کو بطور خاص لیا گیا ہے جو کہ مختصر اور جامع ہیں اور سنت سے ثابت ہیں۔ چھوٹے سائز کی یہ کتاب ۶۴ صفحات کی ہے جو کہ ۱۳۶۸ھ میں

ترتیب دی گئی تھی۔

(۱۲) اصلاح الغیبۃ:

اس کتاب میں غیبت کے نقصانات، اس کا شرعی حکم، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیمات کی روشنی میں اس کی قباحت کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱۳) اشرف التفہیم:

طلبا و مدرسین کے لیے اس کتاب میں ان نصائح کو جمع کیا گیا ہے جن پر عمل کرنے سے طلبا و مدرسین کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کتاب کا پورا نام 'اشرف التفہیم لتکمیل التعلیم' ہے۔

(۱۴) تعمیم الاصلاح:

اس کتاب میں اپنی ذات اور امتِ مسلمہ کی اصلاح کی ضرورت اور اس کا آسان نسخہ بتایا گیا ہے۔ یہ ایک وعظ تھا جو شاہ صاحب نے ستمبر ۱۹۹۴ء کو جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں کہا تھا اور جامعہ کے ہی استاذ مولانا محمد الیاس صاحب بھٹکلی نے اسے مرتب کر کے مکتبہ فیض ابرار بھٹکل سے شائع کرایا۔

(۱۵) نصیحت الابرار:

اس کتاب میں اتباع سنت اور ازالۂ منکرات کے لیے اجتماعی جدو جہد پر مخصوص اور مؤثر انداز میں زور دیا گیا ہے۔ اور امت کے زوال وانحطاط اور مصائب وآلام سے دوچار ہونے کے اسباب بیان کر کے اس کا طریقۂ علاج بتایا گیا ہے۔ یہ بھی حضرت کا ایک وعظ تھا جو کہ وانمباڑی (آندھرا پردیش) میں علماء واساتذۂ کرام کے بڑے اجتماع کے موقعہ پر دیا گیا۔

(۱۶) مواعظِ ابرار:

یہ شاہ صاحب کے دو رسائل 'تعمیم الاصلاح' اور 'نصیحت الابرار' کا مجموعہ ہے۔ اس رسالہ کو جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔ اس میں چالیس صفحات ہیں۔

(۱۷) طریق البصر:

یہ بھی ایک مختصر رسالہ ہے اس میں پریشانیوں وآزمائشوں کے موقع پر تسلیم ورضا سے کام لینے، اور اپنے رب کی طرف لو لگانے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بڑے اجر وثواب کا وعدہ ہے اس پر

یقین رکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اس کتاب کا مضمون بڑا موثر ہے۔

(۱۸) علاج الغم والحزن:

اس کتابچہ میں صدقات کے موقع پر ثابت قدم رہنے کے لیے علاج بتلایا گیا ہے کہ کس طرح ہم صدقات کے موقع پر ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔

(۱۹) اصول فلاح دارین:

اس رسالہ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے وصایا اور نصائح اور مشوروں کو انتخاب و تلخیص کے ساتھ شاہ صاحب نے ترتیب دے کر پیش کیا ہے۔

(۲۰) تحفۂ احقر:

اس کتاب میں اپنی اصلاح کا آسان نسخہ تجویز کیا گیا ہے، کہ تھوڑی سی توجہ اور ہمت سے کامیابی کی امید حاصل کی جاسکتی ہے، اس میں حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب جزاء الاعمال سے استفادہ کر کے ہدایات دی گئی ہیں۔ یہ ایسی ہدایات ہیں جن پر عمل کر کے اللہ کا قرب و ولایت حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ مضمون حضرت کا پسندیدہ مضمون تھا۔آخر زمانۂ حیات میں اخلاص ومحبت سے آنے والوں کو بطورِ تحفہ یہ کتاب خصوصیت سے عنایت فرمایا کرتے تھے۔

(۲۱) سبیل النجاۃ:

اس کتاب میں بتلایا گیا ہے کہ جہنم سے نجات اور خلاصی کا طریقۂ کار کیا ہونا چاہیے۔

(۲۲) سبیل الفلاح:

دنیوی اور اخروی فلاح اور کامیابی کے اعمال اور صحیح عقیدہ وفکر کی طرف اس رسالہ میں توجہ دلائی گئی ہے۔

(۲۳) تعلیم السنہ:

یہ بھی آپ کا ایک وعظ تھا جو رسالہ کی شکل میں شائع ہوا، اس میں ظاہری و باطنی سنتوں کو اختیار کرنے اور دوسروں کو اس کی ترغیب دینے کی ضرورت واہمیت بتائی گئی ہے۔

(۲۴) حج کے خاص اور اہم حقوق:

یہ منیٰ کا ایک خطاب ہے، جسے شاہ صاحب نے اپنے ایک حج کے موقعہ پر دیا تھا، اس میں بیت

اللہ کی حاضری جو کہ ولایت کا مختصر راستہ ہے، اس کے برکات وفوائد، حاجی کا بلند مقام اور اس کی ذمہ داری، اس کے ذریعہ صلاح وتقویٰ، دینی ذوق وشوق، عشق ومحبت الٰہی کے پاکیزہ جذبات، ایمانی اخلاق و عادات، اسلامی سیرت وکردار کے حصول وبقا کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

ان کے علاوہ کچھ اور رسائل بھی ہیں، جن میں ہر ایک رسالہ ایک مؤمن کو کامل مؤمن بنانے اور ایک مسلمان کو سچا مسلمان بنانے کے لیے چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے مثلاً:

(۲۵) اصلاح ظاہر وباطن۔

(۲۶) اصلاحِ باطن کی اہمیت۔

(۲۷) ہماری تباہی اور اس کا حل یعنی مسلمان کیا کریں۔

(۲۸) اصول الفلاح۔

(۲۹) فیض الحرم۔

(۳۰) خصائل مؤمن۔ وغیرہم۔

الاشباہ والنظائر پر حاشیہ:

مفتی محمود حسن صاحب نے بیان کیا کہ علامہ ابن نجیم نے اپنی تصنیف کردہ کتاب الاشباہ والنظائر میں کچھ جگہوں پر ما اطلعت علیه (تحقیق کے باوجود مجھے اس کے بارے میں معلومات نہیں ہوسکیں) یا اس قسم کے دوسرے الفاظ استعمال کیے ہیں، حضرت ہردوئی نے الاشباہ والنظائر کا بغور مطالعہ فرما کر جہاں کہیں بھی علامہ ابن نجیم نے اس قسم کے الفاظ استعمال کیے ہیں، دوسری کتابوں کے ذریعہ معلومات حاصل کر کے الاشباہ والنظائر پر حاشیہ چڑھا دیا تھا۔ جو نہایت جامع ہے۔ جس کتاب پر حاشیہ چڑھایا گیا وہ شاہ صاحب کی اپنی ملکیت تھی۔ اور ہردوئی میں حضرت کے اپنے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ لیکن یہ کتاب حاشیہ کے ساتھ طبع نہیں ہوسکی ہے۔

'شاہ صاحب نے استفتاء بھی کافی لکھے ہیں اور اکثر فتاویٰ پر مفتیان کرام سے تصدیق کرالیا کرتے تھے۔ بغیر مفتیان کرام سے تصدیق کرائے فتویٰ صادر نہیں فرماتے تھے۔[۶۰]

مراجع وماخذ

۱۔ ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء، مطبع: دفتر آئینہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، ص:۴۹

۲۔ محمد زید مظاہری: نقوشِ ابرار، مطبع: افاداتِ اشرفیہ، دوبگہ لکھنؤ، ۱۴۲۸ھ، ص:۵۲۔۵۳

۳۔ محمود حسن حسنی: سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقی، مطبع: صدق فاؤنڈیشن، گولہ گنج لکھنؤ، ۲۰۰۷ء، ص:۶۸

۴۔ نقوشِ ابرار، ص:۵۷

۵۔ حکیم محمد اختر: مجالسِ ابرار، مطبع: زمزم بک ڈپو، دیوبند، ۱۳۹۶ھ، ص:۵۹

۶۔ ایضاً، ص:۶۱

۷۔ روایت: مولانا محمد افضال الرحمٰن (شیخ الحدیث اشرف المدارس ہردوئی)، ۱۷/مارچ، ۲۰۱۰ء

۸۔ محمد فاروق میرٹھی: حیاتِ ابرار، مطبع: جامعہ محمودیہ علی پور، میرٹھ، ۱۴۲۶ھ، ص:۱۳۰

۹۔ نقوشِ ابرار، ص:۷۰

۱۰۔ ایضاً، ص:۷۱

۱۱۔ ایضاً، ص:۷۱۔۷۲

۱۲۔ ایضاً، ص:۷۲

۱۳۔ حیاتِ ابرار، ص:۱۳۳

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۳۳۔۱۳۴

۱۵۔ نقوشِ ابرار، ص:۸۷تا۹۰

۱۶۔ روایت: مولانا محمد افضال الرحمٰن

۱۷۔ اشرف علی تھانوی: دعوۃ الداعی، مطبع: مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۳۷۰ھ، ص:۲

۱۸۔ قاری ابوالحسن: ذکر ابرار، مطبع: صوت القرآن، دیوبند، ۱۴۲۰ھ، ص:۲۶

۱۹۔ مجلس دعوۃ الحق کا اجمالی تعارف وخدمات، مطبع: مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۲۰۔ دعوۃ الداعی، ص:۱۶

۲۱۔ دعوۃ الحق کا اجمالی تعارف وخدمات

۲۲۔ نقوشِ ابرار، ص:۱۲۵۔۱۲۶

۲۳۔ دعوۃ الداعی، ص:۱۲۔۱۳

۲۴۔ نقوشِ ابرار، ص:۱۵۳

۲۵۔ مجالسِ ابرار، ص:۱۳۱

۲۶۔ ایضاً، ص:۱۳۳

۲۷۔ نقوشِ ابرار، ص:۱۲۷

۲۸۔ دعوۃ الداعی، ص:۸

۲۹۔ نقوشِ ابرار، ص:۱۴۸۔۱۴۹

۳۰۔ ایضاً، ص:۱۴۳

۳۱۔ اشرف علی تھانوی: بیان القرآن، مکتبہ تاج پبلشرز، دہلی، ۱۳۵۳ھ، ج:۴، ص:۳۰۷

۳۲۔ نقوشِ ابرار، ص:۱۵۸

۳۳۔ ایضاً، ص:۱۵۹

۳۴۔ دعوۃ الداعی، ص:۱۰

۳۵۔ نقوشِ ابرار، ص:۱۶۰۔۱۶۱

۳۶۔ ایضاً، ص:۱۶۲۔۱۶۳

۳۷۔ ایضاً، ص:۱۷۰

۳۸۔ ایضاً، ص:۱۶۵

۳۹۔ ایضاً، ص:۱۸۰

۴۰۔ ایضاً، ص:۱۷۸

۴۱۔ ایضاً، ص:۱۸۱

۴۲۔ ایضاً، ص:۱۸۲

۴۳۔ مجلس دعوۃ الحق کا اجمالی تعارف وخدمات

۴۴۔ شکیل احمد سنسارپوری، گلشنِ ابرار، مکتبہ نوائے حرم، نیوسیلم پور، دہلی، ص:۲

۴۵۔ ایضاً، ص:۴تا۸

۴۶۔ حیاتِ ابرار، ص:۲۵۲

۴۷۔ روایت: قاری محمد مصطفیٰ (مدرس اشرف المدارس ہردوئی)، ۱۸/مارچ ۲۰۱۰ء

۴۸ اظہر کریم: ملفوظات ابرار، مجلس اشاعت الحق بھونیشور، اڑیسہ، ۱۴۱۷ھ، ص: ۳۰
۴۹ محمد افضال الرحمٰن: مجالس محی السنہ، مطبع: احیاء سنت ہردوئی، ۱۴۱۶ھ، ص: ۳۱۔۳۲
۵۰ حیاتِ ابرار، ص: ۲۶۲
۵۱ ایضاً، ص: ۲۶۵
۵۲ مجالس محی السنہ، ص: ۳۲
۵۳ نور محمد لدھیانوی: مکمل نورانی قاعدہ، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۴۲۲ھ، ص: ۴
۵۴ ایضاً، ص: ۵۵
۵۵ حیاتِ ابرار، ص: ۲۵۹۔۲۶۱
۵۶ مکمل نورانی قاعدہ، ص: ۲
۵۷ ایضاً، ص: ۴
۵۸ ایضاً، ص: ۳
۵۹ سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقی، ص: ۹۹
۶۰ روایت: مفتی شفقت اللہ (مفتی اشرف المدارس ہردوئی) ۱۷/ مارچ ۲۰۱۰ء

باب سوم

اصلاحی کارنامے

فصل اول

معاشرے کی اصلاح اور اس کا طریقۂ کار:

چودھویں صدی کے نصف آخر میں مختلف عوامل واسباب کی بناء پر بالخصوص ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ کے لیے حالات اسی طرح کے پیدا ہو گئے تھے کہ ملتِ اسلامیہ دینی عقائد سے بہرہ ور ہو رہی تھی۔ چہار جانب کفر وضلالت اور گمراہی کا بول بالا تھا۔ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں تھا، امتِ مسلمہ گمراہی کے دلدل میں دھنستی چلی جا رہی تھی۔ جب اس قسم کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو اللہ رب العزت ان حالات سے لوگوں کو بچانے کے لیے اپنے کسی نیک بندے کو کھڑا کر دیتا ہے۔ اور دین کا بہت بڑا کام لے لیتا ہے۔ انہیں نازک حالات میں ''محی السنہ'' ابرار الحقؒ نے اپنی حکیمانہ نظر سے بیمار امت کے دین وایمان کا تحفظ کیا۔ عقائد واعمال کی اصلاح کی۔ سنت نبوی ﷺ کا احیاء فرمایا، ان کاموں کی انجام دہی کے لیے آپ نے بے انتہا تکالیف برداشت کیں، ملک و بیرونِ ملک کے متعدد اسفار کیے۔ امت کی اصلاح کے سلسلے میں ہونے والی تمام پریشانیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن اپنی جانب سے فریضۂ حق کی ادائیگی میں کمی نہیں آنے دی۔ ہمہ وقت امت کی اصلاح کی فکر دامن گیر رہتی تھی، اور موقع کی مناسبت سے اصلاحی گفتگو فرماتے تھے۔ دورانِ اسفار بھی حکمت کے پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہدایات فرماتے۔ آپ کی اصلاح کا انداز حضرت تھانوی کے انداز سے ملتا تھا۔ اور آپ کے مواعظ وملفوظات میں حضرت تھانوی کے بیانات کی جھلک نظر آتی تھی، آپ کی شخصیت متنوع اور پہلو دار تھی۔ ایک جانب تصوف کے پیکر اور سلوک کے امام تھے۔ تو دوسری جانب ایک جرأت مند مردِ مجاہد بھی تھے۔ بے باکی، حق گوئی، اور برجستگی آپ کا انفرادی حصہ تھا، ماحول موافق ہو یا مخالف اظہارِ حق سے ان کو کوئی چیز مانع نہ ہوتی۔ اس خزاں رسیدہ دور میں اصلاح معاشرہ کا عظیم فریضہ اپنے سر لیا۔ اور تا وقتِ حیات اس کی عمومیت، توسیع اور تکمیل کی بہتر کوشش فرمائی۔ نتیجتاً شب وروز اور نشست وبرخاست کی بہت سی سنتیں جو اجتماعی طور سے مسلم معاشرہ

میں مردہ ہوچکی تھیں، دوبارہ زندہ ہوکر ملت کے ایک بڑے طبقہ میں عام ہوگئیں۔ دین سے بے اعتنائی اور عدم وابستگی کی وجہ سے امت میں داخل شدہ خرافات وبدعات کا تصفیہ ہوگیا۔ اذان اور نماز پنجگانہ جو مسلم معاشرہ کا ایک غیر منفک حصہ ہے۔ اس میں بھی بہت سے خلافِ سنت حذف و اضافات ہوچکے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ اہم عبادات اپنی جسم اور روح دونوں میں ضعف کا شکار تھے۔ مگر موصوف کی بالغ نظر نے ان پر خاص توجہ فرمائی۔ اور بذاتِ خود انفرادی اور اجتماعی طور پر خواص اور عوام دونوں طبقوں کی اصلاح فرمائی، اس اصلاحی مشن میں کسی کی ذاتی تزک وحشمت، علمی رعب، عہدہ ومنصب کا وقار یا تعلق اور اجنبیت وغیرہ کبھی حائل نہیں ہونے دی، یہی وجہ ہے کہ آپ کی انہی اصلاحی کاوشوں کا اثر امت پر قائم ہے۔

شاہ صاحب کا وجودِ مسعود ہند وبیرون ہند کے مسلمانوں کے لیے خیر وبرکت تھا، آپ زمانۂ طالب علم سے ہی عمل بالسنۃ پر ایسے قائم ودائم رہے کہ اس کی نظیر دیکھنے کو نہیں ملتی۔ آپ نہ صرف ہمیشہ اس پر عامل رہے، بلکہ دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ یہ صرف اس وجہ سے کیا کرتے تھے تاکہ معاشرہ میں توازن قائم رہے۔ اور خاص طور پر مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی فسق وفجور سے پاک ہوجائے۔ یہی تمام باتیں شاہ صاحب کے ملحوظِ نظر رہتی تھیں، جس کا خاطر خواہ فائدہ بھی محسوس ہوا ہے۔

چنانچہ جب ہم آپ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو بعض ایسے واقعات نظر سے گزرتے ہیں کہ جس پر نہ صرف تعجب ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے عبرت حاصل کی جاسکتی ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ بھی ایک المیہ رہا ہے کہ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ جب تک ان کی زندگی اور ان کے شب وروز کے معمولات آنحضور ﷺ کی سیرت کے مطابق نہ ہونگے۔ کامل مؤمن ہونے کا طغرہ انہیں حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ نیز یہ بات بھی بڑی تکلیف دہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی جہالت اور خاص طور پر ہندوستانی تناظر میں برادران وطن سے قربت کی وجہ سے برائیوں میں ایسے دھت ہوگئے کہ اب امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس قسم کی باتیں شاہ صاحب کی نظروں سے اوجھل نہ تھیں۔ جب کسی مسلمان کو شاہ صاحب فسق و فجور اور برائیوں میں ملوث دیکھتے تو آپ بے چین ہوجاتے۔ اور بلا تاخیر کوشش کرتے اور ایسی کوئی سبیل نکالنے پر مجبور ہوجاتے جس کے ذریعہ ان مسلمانوں کی اصلاح کی جائے۔ اور ان کا تعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے قائم کراکے ان کی زندگی اور ان کے روزمرہ کے معمولات کو قرآن وحدیث کے گرد لانے

کی کوشش کرتے۔

شاہ صاحب کی زندگی کے ایسے بے شمار اصلاحی واقعات ہیں، جن کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ دشوار کن ہے۔ البتہ بطورِ نمونہ اصلاح سے متعلق چند اصلاحی واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

علی گڑھ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے مولانا شاہ ابرار الحق کا تعلق:

آپ کی آمد علی گڑھ ۱۹۶۱ء میں مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری کے ساتھ ہوئی اور اس کے بعد یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے داماد کا مستقل قیام علی گڑھ میں تھا۔ آپ جب بھی علی گڑھ تشریف لاتے۔ اصلاحی مجالس کا انعقاد رہتا اور مختلف دینی مدارس کے اساتذہ و مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ ان مجالس میں شریک ہونا اپنی سعادت سمجھا کرتے تھے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ کو جمع کرکے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ مسلم یونیورسٹی کے سابق پراکٹر پروفیسر نفیس احمد صاحب نے اطراف علی گڑھ میں ارتداد کا تذکرہ کیا تو اس پر فرمایا کہ ارتداد کا خاتمہ تعلیم سے ہی ممکن ہے اور پھر شہر و اطراف شہر مکاتب قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ پروفیسر صاحب نے اس پر عمل کیا اور اب الحمدللہ ارتداد کی وہ لہر تھمی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ بیش تر تعلیمی اداروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ وہاں کے تعلیمی نظام کو سمجھتے اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر جناب محمود الرحمٰن صاحب کو آپ کی آمد کا جب بھی علم ہوتا تو ضرور ملاقات کیا کرتے تھے۔ یونیورسٹی کی جامع مسجد میں بارہا اصلاحی وعظ فرمایا، جس میں اساتذہ و طلبا کی خاصی تعداد موجود رہتی تھی۔

اصل مجالس تو انونہ ہاؤس سول لائن بر مکان حکیم کلیم اللہ (خلیفہ و جانشین شاہ صاحب) ہی ہوتی تھیں۔ اور مستقل اہالیانِ علی گڑھ استفادہ کرتے رہتے تھے۔ مدارس میں حاضری کا آپ کا قدیم معمول تھا۔ علی گڑھ میں مشہور دینی ادارہ مدرسہ عربیہ تعمیر ملت دودھ پور میں آپ کی آمد ۲۰۰۲ء سے بکثرت ہوئی۔ وہاں کے نظامِ تعلیم کو سمجھ کر مفید مشورے دیئے۔ مالی استحکام کے لیے حسبنا اللہ ونعم الوکیل کا ورد بھی بتلایا جو کہ بقولِ ذمہ داران مدرسہ بہت مفید ثابت ہوا۔

اطرافِ علی گڑھ کی مساجد میں تشریف لے جا کر صرف پانچ منٹ دینی گفتگو ضرور فرماتے تھے۔ کاسگنج، برہرہ، نیولی بھی بکثرت جانا ہوتا تھا جس کا شاہ کار کاسگنج کی جامع مسجد کا مدرسہ ہے۔ جس کے فی

الحال صدر مدرس مولانا محمد انعام (خلیفہ شاہ صاحب) ہیں۔ کاسگنج کے قریب پرسارہ کے ادارے اور وہاں کے حالات کا بغور جائزہ لیتے تھے، یہ پرسارہ کا وہی ادارہ ہے جس کے قیام کا سابق پراکٹر اے .ایم. یو کو آپ نے مشورہ دیا تھا۔ وہاں کے ارتداد کی لہر تھمنے میں اس ادارہ کا بڑا کردار ہے۔ نیز علی گڑھ کے لیے مستقل فکر مند رہتے تھے کہ یہاں مکاتب بکثرت کھولے جائیں۔ آپ کی حیات میں ہی ۴؍مکاتب جزوقتی شروع ہوگئے تھے جو الحمدللہ دینی کام میں مشغول ہیں۔ ان میں مسجد تعلیم منزل میں مدرسہ تعلیم الاسلام نزد عبداللہ گرلز کالج، مدرسہ النور، پپاسو ہاؤس، مدرسہ نورالاسلام دودھ پور گلی نمبر ا، ملت مدرسہ ملت روڈ، دودھ پور، مسجد تعلیم منزل مدرسہ میں آپ نے اپنے معاون خصوصی قاری امیر حسن صدر مدرس مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کو افتتاحی نشست میں بھیجا تھا اور مکاتب کے قیام کے تعلق سے کچھ باتیں عرض کرنے کو بھی فرمایا تھا۔

علی گڑھ میں مولانا شاہ ابرارالحق کا قیام دیگر اکابرین کی آمد کا ذریعہ:

مولانا شاہ ابرارالحق کے انونہ ہاؤس سول لائن کے دورانِ قیام معاصرین علما و اکابرین تشریف لاتے تھے، بالخصوص مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھ، مولانا شاہ وصی اللہ الہ آباد، مولانا شاہ مسیح اللہ جلال آباد، قاری صدیق احمد باندہ، مولانا علی میاں ندوہ، مولانا حکیم محمد اختر کراچی۔ نیز دیگر علما کی آمد بکثرت رہتی تھی جن کو آپ مختلف مساجد و مکاتب میں بھیجتے رہا کرتے تھے۔ خود بھی مساجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ مسجد تعلیم منزل کے سنگِ بنیاد میں خود بھی شریک تھے اور مذکورہ بالا علما میں سے مولانا محمد احمد، مولانا شاہ وصی اللہ ہمراہ تھے۔

علی گڑھ چوں کہ نوابین کا مسکن رہا ہے۔ اس لیے یہاں کے اکثر نوابین آپ کی خدمت میں اصلاحِ احوال کی خاطر حاضری دیا کرتے تھے۔ بالخصوص نواب حافظ سعید احمد چھتاری، نواب دھرم پوری باقاعدہ خود اور اپنے صاحبزادگان کو بھی ساتھ لایا کرتے تھے اور آپ ان کو مستقل نصائح فرمایا کرتے تھے۔ یہ نوابین حضرت کو اپنے گھر بھی لے جاتے تھے۔ بعد از وفات مذکورہ نوابین کے صاحبزادگان مسلسل حاضری دیا کرتے تھے۔

وضع قطع اور دیگر معاشرت کے متعلق شاہ صاحب کا ارشاد:

یہ شاہ صاحب کا مرتب کردہ اصلاحی پرچہ ہے جس میں شاہ صاحب نے لوگوں کو ایک خاص بات

کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے معبود ہونے کا اقرار کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی نہیں، وہ ہمارا آقا ہے، حاکم ہے اور تمام حاکموں کا حاکم ہے، بلکہ بادشاہوں کا بادشاہ اور مالک ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حاکم و مالک ہیں تو ہم اس کے غلام و محکوم و مملوک ہیں۔ سو جس طرح ہر محکمہ کی وردی، وضع ولباس مقرر ہوتا ہے۔ جس سے دوسروں سے نمایاں فرق ہو جاتا ہے۔ دیکھئے سپاہی اور ڈاکخانہ کے ملازم کو ہر شخص دور سے دیکھ کر پہچان لیتا ہے۔ ڈاکیہ کو آتے دیکھ کر ہر شخص جلد اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ اگر روپیہ نہیں دے گا تو خط کے ملنے کی امید ہے، اور سپاہی کو دیکھ کر ہر شخص خائف ہوتا ہے کہ خدا خیر کرے۔ اور یہ چاہتا ہے کہ میری طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ سب لباس وضع کا اثر ہے۔ اگر کوئی ملازم اپنے عملہ کا لباس نہ اختیار کرے اور کام انجام دے تو مجرم قرار پا کر معطل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اللہ نے اپنے فرمانبردار بندوں یعنی مسلمانوں کے لیے ایک لباس وضع کیا ہے۔ اس کے اختیار کرنے سے دوسروں پر رعب و ہیبت بیٹھتی ہے۔ اس وضع لباس کے خلاف کرنے سے مسلمان اللہ کے نزدیک مبغوض و ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا رعب و ادب ختم ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے اس کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ لہٰذا شرعی وضع لباس کی پابندی صرف ہمارے ہی ذمہ ضروری نہیں بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی اس کا پابند کرنا ضروری ہے۔ شرعی لباس کے متعلق چند ضروری باتیں اپنے گھروں کے لوگوں کو بتلا دیں، تاکہ بچوں کو شروع ہی سے اسلامی وضع لباس کا پابند بنا دیں۔[1]

اصلاحِ معاملات:

(خرید و فروخت، کرایہ رہن، دیگر معاملات تجارت، شرکت، مزارعت کے متعلق ضروری گزارش)

فرمایا کہ ایک نہایت ضروری بات کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، گو آپ کو ان باتوں کا خیال تو ضرور ہوگا۔ مگر ان کی طرف زیادہ خیال کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب:۲۱)

(تمہارے لیے ہم نے محمد ﷺ کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے، لہٰذا اس نمونہ کے موافق اپنی زندگی بناؤ۔)

سواسی زندگی کا ایک حصہ ہمارے معاملات ہیں، یعنی خرید وفروخت، رہن، زراعت، تجارت اس کے لیے اللہ نے حدیں مقرر کردی ہیں۔ بعض تجارتیں منع کردی ہیں جیسے شراب، سور کی خرید و فروخت، اسی طرح اور بھی تجارتیں ہیں۔ پس جس طرح دنیا کے حاکم کے قانون کے موافق ہم تجارت کرتے ہیں۔ مثلاً ہم میں سے ہر شخص کارتوس، بندوق کی تجارت نہیں کرسکتا۔ اگر بلا لائسنس کرے گا تو جیل خانہ بھگتنا پڑے گا۔ اسی طرح اللہ کے قانون کی پابندی کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہیے۔ سو یہ کتنی بڑی دولت ہے۔ جس کام میں مشغول ہوں اس کا شرعی حکم معلوم کرنا ہم کو ضروری ہے، وہ علماء سے معلوم کریں اور دین کی کتابوں سے۔ اس لیے اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ محلّہ کی مسجد میں جماعت کی نماز پڑھیں اور جس وقت دینی کتابیں سنائی جاتی ہیں سنیں۔ اور علماء سے مسائل پوچھیں۔ دیکھیے عام طور پر لوگ غلطی کرتے ہیں کہ بلا بوَر آئے یا بوَر آنے پر فصلیں بیچتے ہیں۔ اس میں اور جوئے میں کیا فرق ہے، جس مکان کو رہن رکھا ہے اس مکان میں بلا کرایہ یا کم کرایہ کے ساتھ رہتے ہیں، اس میں اور سود میں کیا فرق ہے۔ اس قسم کی بہت سی غلطیاں کرتے ہیں۔ ان غلطیوں کا علاج یہی ہے کہ جو کام کریں اس کے متعلق معلوم کریں کہ اللہ اور اس کے رسول کا کیا فرمان ہے۔ تاکہ آخرت کی تباہی سے بچے رہیں، وہ نفع دنیا کا جس سے آخرت تباہ ہو کس کام کا ہے۔ اگر ہم نے اس میں سستی اور کوتاہی کی تو آنحضرت ﷺ کو قیامت میں کیا منہ دکھائیں گے اور یہ کہ اس کا نتیجہ بھی اچھا نہ ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قید خانے میں داخلہ ہوگا۔ جہاں آگ، بچھوؤں، سانپ کا عذاب ہے، سو یہاں کے قید خانے سے ڈرنا اور اللہ کے قید خانے سے نہ ڈرنا کتنی بڑی غلطی ہے۔[۲]

حالات حاضرہ کے لحاظ سے حسبِ ذیل امور کا اہتمام رکھا جائے:

(۱) پنج وقتہ نماز کا اہتمام خصوصاً فجر کی نمازِ با جماعت۔

(۲) فرائض کے بعد یا اور کسی وقت دو رکعت نماز نفل پڑھ کر اپنی اصلاح اور امت کی اصلاح نیز مسلمانوں کو امن و چین کی زندگی حاصل ہونے کے لیے رو رو کے دعاء کرنا اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بنا لے۔

(۳) سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس تین تین مرتبہ فجر و مغرب کے بعد پڑھنا۔

(۴) ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام۔

(۵) حکایاتِ صحابہ جو کہ مولانا محمد زکریاؒ کی تصنیف کردہ ہے، اس کو پڑھیں۔ نیز کتابچہ ہماری تباہی اور اس کا حل کو بھی پڑھیں جو کہ میری (شاہ صاحب کی) ایک تقریر ہے اور ان کا گھروں میں سننے سنانے کا اہتمام کریں۔

(۶) کسی خاص امر اور مشکل کام میں اپنے بزرگوں اور علماء کرام کی طرف رجوع ہونا اور ان سے مشورہ کرنا۔

(۷) اگر کوئی ظلم کرے تو بہتر یہ ہے کہ معاف کردے اور صبر کرے، اگر بدلہ لینا چاہتا ہے تو وہ بھی جائز ہے، مگر ظلم کا بدلہ لینے پر ظلم کی نوبت نہ آنی چاہیے، مثلاً کسی نے گالی دی اس کو مارنا ظلم ہے۔ یا کسی نے کسی کے بھائی کو مارا پیٹا، تو اس کے بھائی کو مارنا پیٹنا ظلم ہے، نیز ظلم کا بدلہ لینے کی صورت کو اہل علم سے پوچھ کر اس پر عمل کرے۔

(۸) اپنی حفاظت اور بقاء کے جو ظاہری اسباب ہیں قانونِ شریعت اور قانونِ حکومت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو اختیار کرے۔

(۹) حقوق الاسلام کو ہر شخص اچھی طرح توجہ سے پڑھے یا سنے اور اس پر عمل کرے، پڑوسیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھیں، بالخصوص اگر کوئی پڑوسی غیر مسلم ہو۔

(۱۰) ہر نماز کے وقت میں اپنے اعمال کا محاسبہ یعنی جانچ کرے کہ نیک کام کس قدر ہوئے اور ان پر شکر کرے، نیز یہ بھی سوچے کہ برے کام کتنے ہوئے، ان کے لیے استغفار کرے اور توبہ کرے، توبہ کا طریقہ جاننے والوں سے پوچھ لے۔

(۱۱) بری باتوں سے روک ٹوک کے لیے جماعتی محنت میں لگنا چاہیے۔

(ف) وجہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے۔ اس میں وہ تمام کام آگئے جو اپنے قابو کے نہ ہوں بلکہ اگر کسی مخالف کی طرف بھی کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کرو خواہ وہ خود انتظام کردیں یا وہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں، اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کردو، اور پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ

ہوتو صبر کرو، اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو۔ اور اگر کہیں ظالم لوگ چھوڑ دینے پر نہ مانیں اور جان ہی لینے پر آمادہ ہوں تو مسلمانوں کو مقابلے پر مضبوط ہو جانا ہر حال میں فرض ہے۔ گو کمزور ہی ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حتی الامکان فتنہ وفساد کو امن کے ساتھ دفع کریں اور جو کوئی اس پر بھی سَر ہی ہو جائے تو پھر مرتا کیا نہ کرتا۔[۳]

غیبت کے نقصانات اور اس کا حل:

آج کل غیبت کا بہت زور ہے۔ حالانکہ یہ ایسی بری عادت ہے جس سے دنیا و دین دونوں کی رسوائی وخرابی کا قوی اندیشہ ہے۔ درجِ ذیل باتوں کو بار بار سوچنے سے اور ان پر عمل کرنے سے انشاء اللہ مرض کا ازالہ ہو جائے گا اور اس سے حفاظت رہے گی۔

(۱) غیبت کا ضرر ونقصان یہ ہے کہ اس سے افتراق پیدا ہوتا ہے اور افتراق سے مقدمہ بازی لڑائی جھگڑا سب کچھ ہوتے ہیں اور اتفاق کے اندر جو مصالح ومنافع ہوتے ہیں افتراق کی صورت میں اس سے بھی محرومی ہو جاتی ہے۔

(۲) غیبت کرنے کے ساتھ قلب میں ایسی ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ جیسے کسی نے گلا گھونٹ دیا ہو۔ جس کے دل میں ذرا بھی حس ہو اس کو یہ بات محسوس ہوتی ہے۔

(۳) غیبت کرنے سے دین ودنیا دونوں کا نقصان یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے وہ اگر سن پاوے تو غیبت کرنے والے کی فضیحت کر ڈالے، بلکہ اگر بس چلے تو بری طرح سے خبر لے۔ دین کا نقصان یہ ہے کہ اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ اور اللہ کی ناراضگی گویا سامانِ دوزخ ہے۔

(۴) حدیث شریف میں ہے کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ ضرر کا باعث ہے۔

(۵) غیبت کرنے والے کی اللہ تعالیٰ بخشش نہ فرمائیں گے۔ جب تک بندہ معاف نہ کرے، کیونکہ یہ حقوق العباد ہے۔

(۶) غیبت کرنا گویا اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ بھلا کون ایسا ہوگا جو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے گا۔

(۷) غیبت کرنے والا ڈرپوک اور بزدل ہوتا ہے، جبھی تو پیٹھ پیچھے برائی کرتا ہے۔

(۸) غیبت کرنے سے چہرہ کا نور پھیکا پڑ جاتا ہے اور ایسے شخص کو ہر شخص ذلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

(۹) غیبت کا بڑا ضرر یہ ہے کہ غیبت کرنے والے کی نیکیاں جس کی غیبت کی اس کو دیدی جائیںگی اگر اس سے کمی پوری نہ ہوئی تو جس کی غیبت کی ہے اس کی بدیاں اس کی گردن پر لاد دی جائیںگی جس کے نتیجے میں جہنم میں داخلہ ہوگا۔

(۱۰) غیبت کا عملی علاج بھی کرنا چاہیے۔

(۱۱) غیبت کا ایک عجیب وغریب عملی علاج یہ ہے کہ جس کی غیبت کرے اس کو اپنی اس حرکت کی اطلاع کردیا کرے۔ تھوڑے دن میں مداومت سے انشاء اللہ یہ مرض بالکل دور ہو جائے گا۔

(۱۲) نفعِ کامل کے لیے ان باتوں کے ساتھ ساتھ کسی کامل مصلح سے اصلاحی تعلق بھی ضروری ہے۔ تاکہ اگر ان تدابیر کا اثر ظاہر نہ تو ان سے رجوع کیا جاسکے۔[۴۲]

اصلاح کی تدبیر معلوم کرتے رہنا چاہیے:

شاہ صاحب نے فرمایا کہ کس موقع پر کیا معاملہ کیا جائے۔ اصلاح کی تدبیر کیا اختیار کی جائے اس کو بھی معلوم کرے۔ پوچھے پھر اس کے موافق کوشش کرے، تو جلد نفع ہوگا، اور اصلاح ہوگی۔ ہمارے ایک دوست ہیں ان کی بہن کا مجھ سے اصلاحی تعلق ہے۔ خط وکتابت کا سلسلہ رکھتی ہیں۔ ان کا رشتہ حیدرآباد دکن میں ہوگیا ہے، پھر اس کے بعد ان کو امریکہ جانا پڑا ان کے خسر صاحب تو جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تھے اور شوہر اس میں بھی کوتاہی کرتے تھے۔ نماز کی بھی پابندی نہیں کرتے تھے۔ اس نے مجھے لکھا کہ ایسے ماحول میں آنا ہوا میں کیا کروں۔ میں نے کہا کہ تم جو بزرگوں کی کتابیں پڑھتی ہو ان کو وہاں رکھ دو ان کو پڑھنے کے لیے نہ کہو۔ بس کتابیں ان کے پاس رکھ دو اور اطاعت وخدمت میں کمی نہ کرنا ان کا عمل ان کے ساتھ ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کا خط آیا کہ میں نے کتابیں ان کے پاس رکھ دیں ادھر یہ ہوا کہ خسر صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اس کی وجہ سے گھر میں آرام کے لیے رہنا پڑا۔ اب کیا کریں کچھ کام تو ہے نہیں تو انہوں نے کہا کہ تم کچھ کتابیں سناؤ۔ چنانچہ میں نے انہیں کتابوں کو تھوڑا تھوڑا سنانا شروع کیا۔ اس کو سن سن کر تھوڑے دنوں میں خسر صاحب نمازی ہوگئے۔ مسلسل کوشش کرتی رہیں کہ پھر خط آیا کہ شوہر نے اب نمازِ جمعہ پڑھنا شروع کردیا ہے۔ محنت کرتی رہی تو پابند نماز ہوگئے۔ اسی طرح چھ سال مسلسل محنت کے بعد یہ اثرات

ہوئے کہ شرعی داڑھی بھی رکھ لی ۔اور حج میں ساتھ لے آئی تھی ۔ادھر تو یہ کوشش اسی کے ساتھ بچہ کی تربیت بھی ایسی کہ جب اس کی عمر چھ سال کی ہوئی تو وہ مشن اسکول میں پڑھنے گیا۔ جب وہاں کی ذمہ دار عورتوں نے اس بچہ کو کھانے کی چیزیں دیں تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ صرف تربیت کا اثر تھا۔عزیز دوستو! مسلسل کوشش کرتے رہو ہمت نہ ہارو۔ جب انسان لگا رہتا ہے تو پھر اسکا فائدہ ہوتا ہے ۔۵

امت مسلمہ کا مقام اور اس کی ذمہ داری:

ارشاد فرمایا کہ جس طرح رعایا کی دو قسمیں ہیں ۔ایک عام رعایا ایک خاص رعایا۔ جو پولس اور فوج ہے ۔ دونوں کے کام الگ الگ ہیں، عام رعایا کا کام تو صرف اتنا ہے کہ ملک کے جو قوانین ہیں اور جو اصول ہیں اس کے موافق معاملہ کرے ۔ بے اصولی نہ کرے ۔لیکن جو خاص رعایا ہیں یعنی پولس میں ہے، ہے تو وہ بھی رعایا۔لیکن کچھ ان کی خصوصیات ہیں ۔اسی لحاظ سے ان کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے ۔اور کام بھی دوگنا ہے ۔کہ خود بھی اصول کے موافق رہیں اور بے اصولی سے بچیں اسی کے ساتھ دوسروں کو بھی قانون بتلائیں ۔اور جو قانون کی خلاف ورزی کرنے والا ہے اس کی اصلاح و درستگی کی فکر و کوشش کریں ۔اسی طرح مومن کا بھی معاملہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص رعایا ہے ۔اس کے بھی چار کام ہیں ۔ مامورات کو بجالانا، منہیات سے بچنا، دوسروں کو بھی مامورات کی دعوت دینا، اور منہیات سے روک ٹوک کرنا۔ چنانچہ سورۃ العصر میں اسی کی تعلیم دی گئی ہے ۔اسی کو قرآن پاک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہا گیا ہے ۔ نیکیوں اور اچھائیوں کو پھیلانا اور اس کی اشاعت کرنا اور منکرات اور برائیوں سے روک ٹوک کرنا اور منع کرنا۔ یہ امتِ مسلمہ کا خاص منصب اور ذمہ داری ہے ۔۶

حدیث شریف میں ہے:

"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه و ذالك اضعف الايمان ۔"۷

(تم میں سے جو شخص کسی خلاف امر کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اس چیز کو ہاتھ سے بدل ڈالے اور اگر وہ ہاتھوں کے ذریعہ اس امر کو انجام دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ زبان کے ذریعہ اس امر کو انجام دے ۔اور اگر زبان کے ذریعہ اس امر کو انجام دینے کی طاقت نہ

رکھتا ہوتو پھر دل کے ذریعہ اس امر کوانجام دے اور یہ ایمان کا سب سے ضعیف درجہ ہے۔)

عوام میں مشہور غلط باتوں کی اصلاح:

(۱) عوام میں مشہور ہے کہ چراغ کا تیل ناپاک ہوتا ہے مگر یہ محض بے اصل ہے۔

(۲) مشہور ہے کہ استنجے کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا چاہیے سو یہ محض غلط ہے۔

(۳) مشہور ہے کہ زچہ جب تک غسل نہ کرے اس کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانا درست نہیں ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ حیض ونفاس میں ہاتھ ناپاک نہیں ہوتا۔

(ف) اسی طرح جس کونہانے کی حاجت ہواس کے ہاتھ بھی ناپاک نہیں۔

(۴) بعض عوام کہتے ہیں کہ چلے کے اندر زچہ خانہ میں خاوند کو نہ جانا چاہیے۔سو اس کی کوئی اصل نہیں۔

(۵) عوام کہتے ہیں کہ جو عورت حالت حیض یا زچگی میں مرجائے اس کو دوبارہ غسل دینا چاہیے، یہ محض بے اصل ہے۔

(۶) عوام عورتیں زچہ خانہ میں چالیس روز تک نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتیں، اگر چہ پہلے ہی پاک ہوجاویں، سو یہ بالکل دین کے خلاف بات ہے۔ چالیس دن نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ باقی اقل یعنی کم مدت کی کوئی حد نہیں۔جس وقت پاک ہوجاوے فوراً نماز شروع کر دے۔ اسی طرح چالیس دن میں بھی خون موقوف نہ ہوتو چالیس دن کے بعد پھر اپنے آپ کو پاک سمجھ کر نماز شروع کر دے۔

(۷) عوام میں مشہور ہے کہ جو شخص شش عید کے روزے رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ ایک روزہ ضرور عید سے اگلے دن رکھے۔ ورنہ پھر وہ روزے نہ ہونگے۔ یہ محض غلط ہے۔

(ف) چھ روزے پورے ماہ میں رکھ لے جب چاہے سب ملا کر یا تھوڑے تھوڑے۔

(۸) عوام میں مشہور ہے کہ مریدنی کو پیر سے پردہ نہیں، سو یہ محض غلط ہے جیسے اور مرد غیر ہیں ایسا ہی پیر بھی۔

(ف) اس سے پردہ ضروری ہے، جو اس کے خلاف کرے وہ سچا پیر نہیں۔

(۹) مشہور ہے کہ میاں بیوی ایک پیر کے مرید نہ ہوں ورنہ بہن بھائی ہوجاتے ہیں۔ یہ محض غلط بات ہے۔

(ف) بلکہ ایسا مناسب ہے جبکہ پیر سچا ہو، اس سے زندگی بہت خوشگوار ہوجاتی ہے۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ مرید ہونا فرض نہیں ہے۔ بلکہ سنت ہے۔ البتہ اپنی اصلاح کرانا فرض ہے، یعنی گناہوں کو چھوڑنا اور سنت پر عمل کرنا۔

(۱۰) مشہور ہے کہ اذان نماز کے لیے مسجد میں بائیں طرف سے اور اقامت یعنی تکبیر داہنی طرف سے ،شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۱۱) مشہور ہے کہ چارپائی پر نماز پڑھنے سے بندر ہوجاتا ہے۔ سو یہ محض بے اصل ہے۔

(ف) بلکہ اگر چارپائی کسی ہوئی بنی ہو تو اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔

(۱۲) مشہور ہے کہ خاوند بیوی کے جنازے کا پایہ بھی نہ پکڑے۔ سو یہ غلط ہے بلکہ اجنبی لوگوں سے زیادہ وہ مستحق ہے۔

(۱۳) مشہور ہے کہ اگر میت گھر میں یا محلّہ میں ہو تو اس کے لے جانے تک کھانا پینا گناہ ہے یہ بات بھی بے اصل ہے۔

(۱۴) بعض عورتیں نماز پڑھ کر جانماز کا گوشہ یہ سمجھ کر الٹ دینا ضروری سمجھتی ہیں کہ شیطان اس پر نماز پڑھیگا۔ سو ان میں کسی بات کی بھی اصل نہیں۔

(۱۵) بعض کا خیال ہے کہ تہجد بعد نہ سونا چاہیے ورنہ تہجد جاتا رہتا ہے سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں اور بہت سے آدمی اس وجہ سے تہجد سے محروم ہیں کہ صبح تک جاگنا مشکل ہے اور سونے کو ممنوع سمجھتے ہیں۔ سو جان لینا چاہیے کہ سو رہنا بعد تہجد کے درست ہے۔

(ف) تہجد کی بارہ رکعت ہیں اور کم سے کم دو۔ جس طرح اور سنتیں پڑھتے ہیں اسی طرح اس کا طریقہ ہے۔

(۱۶) عوام میں مشہور ہے کہ نماز عشاء سے پہلے سو رہنے سے عشاء کی نماز قضاء ہوجاتی ہے یعنی اگر پھر پڑھے تو قضا کی نیت کرے۔ سو یہ بالکل غلط ہے البتہ بلا عذر سونا درست نہیں اور نصف شب کے

بعد وقت مکروہ ہو جاتا ہے اور صبح صادق تک عشاء کا وقت رہتا ہے۔ ۸

امت کی پریشانی اور تباہی کا حل:

امت کی تباہی اور طرح طرح کی پریشانیوں اور مصیبتوں کی اصل وجہ ہماری بدعملی ہے اس کا حل یہی ہے کہ بدعملی کو دور کیا جائے۔ بدعملی کی دو وجہ ہیں۔ ایک علم کا صحیح نہ ہونا۔ دوسرے علم کے موافق عمل کا نہ ہونا۔ صحیح علم حاصل کرنے کا حسب ذیل طریقہ ہے:

(الف) جو لوگ پڑھے ہوئے ہیں وہ معتبر کتابیں دینی علماء سے پوچھ کر دیکھا کریں مثلاً بہشتی زیور، تعلیم الدین، تعلیم الاسلام، حقوق الاسلام، ایک منٹ کا مدرسہ، حیات المسلمین اور جزاء الاعمال۔ جہاں سمجھ میں نہ آئے نشان لگاوے اور اس جگہ کو کسی عالم سے پوچھ لے۔

(ب) جو علم حاصل ہوا اس کو مسجد یا بیٹھک میں کتاب سے سناوے۔

(ج) اپنے گھر کی عورتوں اور بچوں کو بھی بتلادیں۔

(د) جنہوں نے مسجد میں سنا ہے اس کو دھیان میں چڑھا کر گھر والوں کو سنادیں۔

(ہ) جو کام کرنا ہو اس کا شرعی حکم معلوم کرلیا کریں۔ اس طرح بہت مسئلے معلوم ہوسکتے ہیں۔

اور جو لوگ ان پڑھ ہیں وہ کسی مناسب شخص کو اپنے یہاں رکھ لیں کہ وہ دینی کتابیں سنادیا کرے جس طرح پانی کی ضرورت کے لیے کنوئیں گاؤں اور بستی میں بناتے ہیں اسی طرح دینی کنواں یعنی کسی اہل علم کا نظم کریں۔ ۹

مقامی اصلاح کا طریقہ:

احباب، اعزہ، محلّہ اور بستی والوں کی اصلاح کا نظام عمل:

(۱) چند مخلص دیندار جن کی ظاہری وضع ولباس شرع کے موافق ہو۔ ان کو لے کر یومیہ یا تیسرے روز یا چوتھے روز یا ہفتے وار اپنے محلّہ یا بستی میں گشت کریں، مسجد کے قریب سے سلسلہ شروع کریں یا باوجاہت حضرات سے، جیسی مقامی مصلحت ہو، جس کو کلمہ یاد نہ نکلے۔ دو ایک دفعہ کہلا کر کسی مستعد وصالح شخص کے سپرد کردیں۔ وہ کلمہ معہ معنیٰ یاد کرادیں۔

(۲) کسی وقت محلّہ یا بستی کی مسجد میں یا جہاں لوگ جمع ہوسکیں، دینی کتابیں سنانے کا انتظام کریں

نیز اس وقت میں کلمہ، نماز اور قرآن مجید جن کا صحیح نہ ہو ان کو صحیح کرادیں۔

(۳) ہر ہفتے مسجد یا محلّہ میں کسی ایسی جگہ جہاں لوگ جمع ہوسکیں وعظ کا انتظام کیا جائے۔ اگر ہر ہفتہ نظم نہ ہوسکے تو جب بھی انتظام ہوسکے کریں اس میں سستی نہ کریں۔

(۴) اہل دیہات ہر مہینے ورنہ دوسرے تیسرے مہینے وعظ کا انتظام کریں۔

(۵) محلّہ یا بستی میں مکتب قائم کیے جائیں۔ جب تک مکتب قائم نہ ہو تو بعد مغرب یا بعد عشاء تھوڑا سا وقت دیں کہ کلمہ طیبہ و نماز معہ معنیٰ اور قرآن شریف کی تصحیح کرادیا کریں

(۶) مستورات کو تبلیغ دین کی اہمیت اور فرضیت بتلادیں اور اس کا طریقہ سیکھنے پر آمادہ کریں۔

(۷) اگر انتظام ہوسکے تو کسی عالم صاحب سے قرآن شریف کا ترجمہ نماز کے بعد سننے کا انتظام کیا جاوے۔[۱۰]

بیرونی اصلاح کا طریقہ:

(۱) مقامی اصلاح کے سلسلے میں جب چند اشخاص ایسے ہوجاویں جن کی ظاہری وضع شریعت کے موافق ہو، تو بستی بھر کے لوگوں میں سے چند مستعد اور سمجھدار اشخاص کو منتخب کر کے دوسری جگہ بھیجنا تجویز کریں۔ اور ان میں سے جو زیادہ سمجھدار ہوں ان کو امیر سفر تجویز کریں، لوگوں کو پہلے گھریلو اصلاح کی طرف متوجہ کریں۔ اس کے بعد مقامی اصلاح کی طرف اور مقامی اصلاح کے سلسلے میں کام سیکھنے کی اہمیت کو بیان کیا جاوے پھر بیرونی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

(۲) چلنے، پھرنے، سونے، جاگنے، کھانے، پینے وغیرہ کے جملہ حالات میں سنت کی رعایت کا اہتمام کریں۔

(۳) سفر میں حسبِ ذیل باتوں کا بڑا خیال رکھیں۔ زیادہ بات چیت سے اجتناب کریں ہنسی مذاق سفر میں بالکل نہ کریں۔ اپنے عمل و برتاؤ سے یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ ہم غافلانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ زیادہ وقت ذکر اللہ، مطالعہ، یا سکوت میں صرف کریں۔ ضروری مسائل دریافت کرنے میں مضائقہ نہیں۔ امیر سفر کی اطاعت دل سے کریں۔ خود رائی سے ہرگز کام نہ کریں۔ کوئی بات مشورہ واصلاح کی ذہن میں آوے تو امیر سفر پر ادب سے ظاہر کریں۔ اس کے قبول کرنے پر اصرار نہ

کریں۔

(۴) امیر سفر تعلیم و تعلم کی جو خدمت سپرد کریں، اس کو بخوشی قبول کر کے اس میں مشغول ہوں۔

(۵) گفتگو اور بات چیت میں امیر پر سبقت نہ کریں۔

(۶) جہاں تک ہو سکے باوضو رہنے کی کوشش کریں، اور ذکر اللہ کی کثرت رکھیں۔

(۷) امیر کو از خود مطلع کر دیں کہ مصارفِ سفر کے لیے کتنی رقم لائے ہیں تاکہ وہ اس کے موافق انتظام رکھیں۔

(۸) کسی جگہ کی مہمانی اگر امیر قبول کر لیں تو کھانے پینے میں بے صبری سے بچیں اور کھانوں کی اقسام میں جو قسم مزہ اور کیفیت کے لحاظ سے ادنیٰ شمار ہوتی ہو، اس کو بھی کھائیں اور خوب رغبت سے۔

(۹) بلا اذن امیر سفر کوئی دعوت قبول نہ کریں اور نہ کسی جگہ ملنے یا تفریح کرنے بلا اجازت جائیں۔

(۱۰) قیام کسی ایسی جگہ کریں جو قریب مسجد کے ہو، وہاں انتظام نہ ہو تو مسجد میں بہ نیت اعتکاف مستحب داخل ہو۔ اعتکاف کے مسائل کا لحاظ رکھیں اور وہاں کے قیام میں حسبِ ذیل کاموں میں مشغول رہیں۔ تعلیم و تعلم، تصحیح قرآن مجید، تصحیح کلمۂ طیبہ و نماز۔ مذاکرۂ آدابِ مساجد و آدابِ تبلیغ، ان کاموں میں حسب ہدایت امیر صاحب مشغول رہیں۔

(۱۱) دعوت بجز مخلص کے اور کسی کی قبول نہ کریں اولاً عذر کر دیں اور نہ قبول کرنے میں دل شکنی ہو تو قبول کر لیں۔

(۱۲) سامان اٹھانے اور لے جانے میں عار نہ کریں، بلکہ اپنے رفقاء سے زیادہ کام کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے سے کمزور رفیق پر بار نہ ہونے دیں۔

(۱۳) گھر سے چلنے پر ناشتہ کچھ نہ کچھ ہمراہ رکھیں۔ شکر، گڑ، چنا، چائے، اگر ساتھ رکھ سکتے ہوں تو رکھ لیں۔ جن چیزوں کی گنجائش ہو ساتھ رکھیں، سردیوں میں بقدر ضرورت بستر بھی ہونا چاہیے۔[۱]

مولانا شاہ ابرار الحق کا دورۂ بنگال و بنگلہ دیش اور ان کے اصلاحی ارشادات:

شاہ صاحب نے اپنی وفات سے ایک سال قبل جون ۲۰۰۴ء میں بنگال اور بنگلہ دیش کے قیام کے دوران بہت ساری مساجد کا دورہ کیا تھا، اور وہاں مساجد میں پھیلی رسم و رواج کی طرف مصلیان و متولیان مساجد کو متوجہ کیا، اس سفر میں مفتی محمد اسامہ (مدرس مدرسہ تعمیر ملت دودھ پور علی گڑھ) بھی آپ کے ہمراہ

تھے ،انہوں نے آپ کے ارشادات کو بروقت قلمبند کیا تھا۔اسی کی روشنی میں کچھ ارشادات تحریر کیے جاتے ہیں:

مساجد سے متعلق آپ نے حسب ذیل ارشادات فرمائے:

(۱) فرمایا کہ مسجد میں فرش بچھانے کو معیوب سمجھتے ہیں، یہ رسم غلط ہے۔اس سے کمزور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے ،اگراس کی یہ شکل اختیار کرلی جائے کہ چھوٹے چھوٹے مصلے بنا کر مسجد میں رکھ دیے جائیں تو یہ بھی بہتر ہے ۔پھر جس کو ضرورت ہو وہ ان مصلوں کا استعمال کرے اور جس کو گرمی لگے وہ بغیر مصلے کے پڑھ لے۔

پلاسٹک کی ٹوپی کی کراہت:

(۲) فرمایا کہ اس مسجد میں ایک چیز دیکھنے کو ملی کہ یہاں پلاسٹک اور لکڑی کی بنی ہوئی ٹوپیاں ہیں یہ اتنی گندی ہیں کہ بس پتہ نہیں کہ کس طرح لوگ ان ٹوپیوں کو پہنتے ہونگے ، ان کو مساجد میں رکھنا محبوب و پسندیدہ نہیں ہے۔فقہاء کرام نے ان کو ممنوع قرار دیا ہے اوران سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔حاضرین مجلس سے سوال کیا کہ اگر آپ کے یہاں کوئی مہمان آجائے تو کیا آپ اس مہمان کو یہ ٹوپی پیش کرسکتے ہیں۔قطعی نہیں کرینگے ۔معلوم ہوا کہ آپ اس کو حقیر سمجھتے ہیں۔پھر آپ ہی لوگ سوچو اس کو اللہ کے گھر رکھنا کیسے صحیح ہوگا۔توبہ کی ضرورت ہے ۔پھر آپ نے تمام حاضرین کو توبہ کرائی۔

(۳) ارشاد فرمایا کہ مساجد میں ایک اور رسم چلی ہے کہ مؤذن کے لیے علیحدہ سے مصلیٰ بچھا رہتا ہے۔یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کیونکہ مساجد میں جگہ کا گھیرنا درست نہیں ہے ، خواہ مؤذن ہو یا کوئی بزرگ یا ذی حیثیت۔

(۴) ارشاد فرمایا کہ یہاں مسجدوں میں اگر سنتوں کی مشق ہوگی تو بیت اللہ کے اندر بھی سنت کے مطابق داخلہ ہوگا۔اگر یہاں سنتوں پر عمل نہیں ہوگا تو وہاں بھی سنت کے خلاف مسجد میں داخلہ ہوگا۔یہ تجربے سے ثابت ہے،لوگ جلدی میں بھول جاتے ہیں۔

(۵) فرمایا کہ مدرسہ میں جو مساجد ہوتی ہیں وہاں صفائی ستھرائی کا نظم بہت عمدہ ہونا چاہیے اوراہل

مدارس کو مساجد کے اندر طلبہ کے پڑھنے کا انتظام نہیں کرنا چاہیے۔اس سے مساجد کی اہمیت طلبہ کے اندر سے ختم ہو جاتی ہے۔بالخصوص جہاں وسائل موجود ہیں وہاں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وسائل کا استعمال کر کے دیگر درسگاہیں تعمیر کرائیں اور ان میں تعلیم کا نظام ہو تو اہمیت مسجد باقی رہتی ہے۔

(۶) آج کل مساجد کے اندر سامنے کی دیواروں پر نصیحت آمیز کلمات وغیرہ آویزاں ہوتے ہیں۔ان کو دائیں بائیں آویزاں کرنا چاہیے۔سامنے مصلیان کو تشویش ہوتی ہے۔اس لیے ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۷) مسجد میں لاؤڈاسپیکر سے اذان اندرونِ مسجد نہ ہو۔اس کے لیے لاؤڈاسپیکر مسجد سے خارج میں نصب کریں۔

(۸) ارشاد فرمایا کہ مساجد کے جسم پر توجہ بہت ہے۔روح پر بالکل بھی توجہ نہیں ہے۔معلوم کیا مسجد کتنے روپیے میں تعمیر ہوئی۔تو بتلایا گیا کہ پچاس لاکھ روپئے میں اور بعض مسجد میں اس سے بھی زیادہ۔ مساجد کے جسم پر خرچ سے زیادہ روح کی فکر کی ضرورت ہے۔

اذان کی تصحیح کی سخت ضرورت ہے:

(۹) بنگال کے دورے کے درمیان جب آپ صندل اسٹریٹ کلکتہ میں تھے وہاں جن صاحب نے اذان دی آپ نے ان صاحب کے متعلق معلوم کیا کہ انہوں نے کہیں اذان سیکھی ہے معلوم کرنے پر بتلایا گیا کہ کہیں نہیں سیکھی ہے۔آپ نے ان صاحب کو بلا کر شفقتاً دو کلمے اذان کے سنے اور پھر ٹھیک کرائے۔اور کلکتہ کے ہی ایک دوسرے صاحب سے فرمایا کہ بھئی ان کو اذان سکھلاؤ واپسی پر سنی جائیگی۔اور دوسرے لوگوں کو بھی متوجہ کیا کہ بھئی ہر چیز سیکھنے سے آتی ہے۔ جب محنت کرتا ہے تب ہی اعلیٰ کاریگر ہو پاتا ہے اور اذان اسلامی شعائر میں سے ہے اس کو بھی سیکھنا پڑتا ہے،اس کے لیے علماء کرام سے رجوع کرو۔ان سے اذان کی تصحیح کراؤ۔

(۱۰) آج کل مؤذنین کرام اذان میں تلحین کرتے ہیں،خواہ لفظ پر مد ہو یا نہ ہو خوب کھینچتے ہیں۔ حالانکہ یہاں مد کا کوئی قاعدہ نہیں پایا جاتا ہے،حدیث شریف میں بھی تلحین کرنے سے منع

کیا گیا ہے۔ابوداؤد کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے عرض کیا کہ میں آپ سے محبت رکھتا ہوں اس پر ابن عمر نے فرمایا کہ میں تم سے بغض رکھتا ہوں، کیوں کہ تم اذان میں تلحین کرتے (کھینچ کر پڑھتے) ہو۔

(۱۱) آپ نے عوام وخواص کو توجہ دلائی کہ حرم شریف کی اذان کی نقل نہ کیا کریں کیونکہ وہاں بھی اذان میں لحن کرتے ہیں، لیکن چونکہ وہاں کوئی منع نہیں کرسکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ علماءِ کرام اورارباب فتاویٰ سے رجوع کریں۔

(۱۲) آگے فرمایا کہ ایک جگہ میری حاضری ہوئی ،وہاں کے مسجد کے مؤذن صاحب نے اتنی جلدی اذان دیدی کہ درمیان میں بالکل بھی موقع نہیں دیا کہ اذان کا جواب بھی دیا جاسکے۔ اس قدر عجلت کے ساتھ بھی اذان دینا غلط ہے کہ اذان کا جواب تک نہ دیا جاسکے۔

(۱۳) فرمایا کہ مجھے افسوس ہوتا ہے اذانیں اور تکبیریں کہیں بھی اصولِ فقہ کے موافق صحیح نہیں ملیں۔اس کا سبب غفلت کے ساتھ سستے مؤذن کا تقرر کرنا ہے۔

(۱۴) فرمایا کہ افسوس ہے کہ اس زمانے میں وکیل بڑھیا ہو۔ڈاکٹر بڑھیا ہو،انگریزی وہندی پڑھانے والا استاذ بڑھیا ہو۔مگر مؤذن اور قرآن پاک پڑھانے والا استاذ سستا ہو۔دنیاوی تعلیم پڑھانے والا استاذ بڑھیا، تنخواہ بھی عمدہ،مساجد کے مؤذن اوراحکم الحاکمین کا کلام قرآن پاک پڑھانے کے لیے استاذ سستا ہو۔

(۱۵) فرمایا کہ ہمارے یہاں مؤذنین اورائمہ کرام کی بھی تربیت کا نصاب ہے اور ہم ان کو اس کے لیے معقول وظیفہ دیتے ہیں، ہمارے یہاں اس شعبے میں بہت سارے علماء داخل ہیں۔اس کے ذمہ دار ایک مفتی صاحب (مفتی عبیدالرحمٰن) ہیں بہت محنت وخلوص سے پڑھا رہے ہیں۔

(۱۶) مؤذن ایسا ہو جو امامت بھی کرسکے ۔ایک مقام پر مؤذن نے بہت عمدہ نماز پڑھائی ، بعد میں معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مؤذن صاحب ہیں۔بہت طبیعت خوش ہوئی۔

تصحیح قرآن کریم کے سلسلے میں اسی سفر کے بعض ارشادات:

اسی سفر میں آپ کا مساجد کے علاوہ بعض مدارس میں بھی جانا ہوا،اور آپ نے مساجد کے ذمہ

داران ومصلیان کےعلاوہ مدارس کے ذمہ داران اور طلبہ کوقرآن کریم کی اہمیت سے واقف کرایا

(۱۷) فرمایا کہ یہاں بعض مساجد ومدارس میں دیکھنے کوملا کہ قرآنِ کریم کی تجلید نہیں اور بعض کے اوپر تو جزدان بھی نہیں ہے۔ ذرا غور تو کرو کہ ایسا کرنا کیسا ہے۔کیا کلام اللہ کی یہی عظمت ہے کہ اپنے لیے تو عمدہ کپڑے اور کلام اللہ کے لیے کچھ نہیں۔

(۱۸) فرمایا کہ ایک صاحب کی وجہ سے ایک جگہ حاضری ہوئی ، وہاں کی مسجد بہت شاندار تھی ،لیکن امام صاحب نے جب نماز پڑھائی تو بے حد صدمہ ہوا۔امام صاحب نے سورۂ ناس اس طرح پڑھی (مِنَ الْجِنَّةِ والنّسُ) بغیر الف کے النّاسُ کو نَسُ پڑھا۔حروف کی صحت نہایت ضروری ہے۔ اب تو حاضرین سے گزارش کرتا ہوں کہ ضروری ہے اپنے حروف کو صحیح کرو۔یعنی تلاوت مع الصحت کرنے کا اہتمام رکھو۔اپنی اپنی مساجد میں اس کے سیکھنے کا نظم بناؤ۔

(۱۹) فرمایا کہ میں لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ۲۴ گھنٹوں میں سے صرف ۱۰ منٹ تصحیح قرآن پاک کے لیے نکال لیا کریں، انشاء اللہ چند دنوں میں ہی قرآن پاک درست ہو جائے گا۔

(۲۰) ایک مدرسہ کے دورہ کے درمیان ارشاد فرمایا کہ مدرسہ کے مدرسین کو جو حافظِ قرآن ہوں، آپس میں قرآن پاک کی دور کرتے رہنا چاہیے، اس سے قرآن پاک میں کمی نہیں آتی ہے۔اور طلباء کو بھی مشق اچھی طرح ہوتی ہے۔کیونکہ جب ہمارے اندر کمی نہیں ہوگی تو طلباء بھی اچھے نکلیں گے۔

(۲۱) فرمایا کہ جن مدارس میں بھی جاؤنگا اگر وہاں جوتے ترتیب سے رکھنے کا معمول ہوگا تو بات کرونگا ورنہ نہیں۔مختصر بات کہہ کر واپس آجاؤنگا۔

حقیقت ایمان:

شاہ ابرارالحق ایمان کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

’’ایمان کے معنیٰ جو چیز عالم میں جیسی ہے اس کو ویسا ہی ماننا، حقائق کو ماننا کہ اللہ ایک ہے، زمین وآسمان کا خالق ہے۔انبیاء کرام کو بھیجا ہے، فرشتے ہیں، جنات ہیں، شیاطین ہیں، جنت ہے، جہنم ہے، پل صراط ہے، قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، یہ ہے ایمان، قرآن میں بھی ارشاد باری ہے وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ، کہ نیک کام کرتے رہتے ہیں،

نیک اعمال میں اعلیٰ درجہ سنت کا ہے،یعنی سنت کا اہتمام والتزام کیا تو ایسے شخص کے لیے جنت کے اندر شاہی مہمان خانہ ہونگے ،شاہی مہمان کو تکلیف نہیں ہوتی ہے ۔ بلکہ راحت ہی راحت ہوتی ہے ۔ جب وہاں اکرام واعزاز کا معاملہ ہوگا تو کیا دنیا میں نہیں ہوگا۔اسی کو قرآن میں فرمایا گیا ہے:مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ (النحل ۹۷)
جولوگ ایمان لائے ،نیک کام کئے ،حقائق کو ماننے والے ہیں ،ایمان کے ساتھ متصف ہیں ،تو اس کو مزہ دار زندگی دیں گے دنیا کے اندر، آخرت میں یہ اجر ہوگا کہ شاہی مہمان ہوگا‘‘ ۔[۱۲]

’’ارشاد فرمایا کہ ایمان کی تکمیل اظہار حق پر ہوتی ہے ۔ایک ہے انکار حق جو کفر ہے، دوسرا ہے اقرار حق ،اس پر ہر مؤمن عمل کرتا ہے ،تیسرا ہے اظہارِ حق ،اس پر ایمان کی تکمیل ہوتی ہے ۔لیکن ہر شخص کو تیسرا درجہ حاصل نہیں ہے ۔‘‘[۱۳]

ایمان کامل کی پہچان:

ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے اثرات وخواص ہوتے ہیں ۔وہ چیز پائی جائے گی ،تو اس کے اثرات ظاہر ہونگے محسوس ہونگے ،مثلاً ٹھنڈا پانی ہے اس میں ٹھنڈک ہوگی ،اس کا قطرہ بدن پر گر جائے ،فوراً محسوس ہوگا۔ٹھنڈک کا احساس ہوگا۔گرم پانی ہے وہ گرم ہوگا،وہ گر جائے تو جیسا گرم ہوگا ویسا ہی اثر ہوگا،کہ آدمی بلبلا جائے گا۔اسی طرح اگر کہیں مردار پڑا ہوا ہے جو کہ سڑ گیا ہے ۔اس میں بو ہوگی۔ کار میں بیٹھے چلے جا رہے ہیں اس طرف سے گزرے تو اس کی بو محسوس ہوگی ،اور چند سیکنڈ میں کار آگے بڑھ گئی بو ختم ہوگئی ۔ایسے ہی رات کی رانی ہے ،اس کی خوشبو سے فضاء مہکے گی ، اس کے پاس سے گزریں گے تو دل ودماغ کو فرحت ملیگی ،جیسے ٹھنڈے پانی ،گرم پانی اوردوسری چیزوں کے اثرات ہیں ۔[۱۴]

مسند احمد کی روایت ہے جس کو ابی امامہ نے نقل کیا ہے:

ان رجلاسال رسول اللہ ﷺ ماالایمان قال اذاسرتك حسنتك وساء تك

سیئتك فانت مؤمن۔[۱۵]

حدیث بالا میں جو آنحضور ﷺ سے سوال کیا گیا، ظاہر ہے کہ سوال کرنے والے صاحب ایمان تھے۔ مومن تھے، ایمان کی حقیقت پوچھنا ان کا مقصد نہیں ہوگا وہ تو ان کو حاصل ہی تھا۔ مقصد ایمان کامل کی پہچان معلوم کرنا تھا۔ پھر آنحضور ﷺ نے جو جواب ارشاد فرمایا ہے۔ اس میں بھی اس کی پہچان اور اس کی خصوصیت بیان فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ نیکی کر کے خوشی ہو اور برائی کر کے کلفت ہو۔ طاعت کر کے فرحت محسوس ہو۔ اور مصیبت سے تکلیف ہو۔ یہی ایمان کامل ہونے کی علامت ہے۔

اللہ کی اطاعت کر کے اس کو راضی کیا جائے:

جب مسلمان نے اللہ کو بڑا مانا ہے اور صرف بڑا ہی نہیں مانا ہے بلکہ اس کی بڑائی اور کبریائی پر ایمان بھی ہے تو اللہ کو بڑا ماننے کا مطلب یہ ہے کہ واقع اور حقیقت میں اللہ بڑے ہیں، سب سے بڑے ہیں، ساری بڑائی اسی کے لیے ہے۔ ہمارا ایمان ہے "اللّٰہ اکبر" اللہ سب سے بڑا ہے اور دلائل سے بھی بڑا ہے۔ دنیا میں جو بڑے ہیں ان کے بڑے ہونے کی نوعیت اور ہے۔ اور اللہ کے لیے جو بڑائی ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ہمارا اللہ سے جو تعلق ہے وہ تعلق عابد و معبود کا ہے، خالق و مخلوق کا ہے۔ تو جب ترقی کے لیے، کامیابی کے لیے بڑے کی مدد کی ضرورت ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو راضی کیا جائے، تو یہاں بھی اسی اصول کے موافق اللہ کو راضی کرنا اور اس کو خوش کرنا ہے۔[۱۶]

دعاء کی حقیقت کیا ہے:

شاہ صاحب نے فرمایا کہ دعاء بڑی چیز ہے۔ آج ساری دنیا کا کام حقیقت دعاء پر ہو رہا ہے۔ گو صورۃً نہ ہو، دعاء کی حقیقت کیا ہے، جس کے اختیار میں چیز ہے اس سے عرض و معروض کرنا۔ کسی شخص کو ضرورت ہو سیمینٹ کی، ملازمت کی یا کسی اور چیز کی تو وہ درخواست دیتا ہے۔ اس کی خانہ پری کرتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ جس کے اختیار میں ہے وہاں سفارشات پہونچاتا ہے۔ خود جا کر عرض و معروض کرتا ہے۔ دیکھئے ریلوے کے کنڈکٹر ہوتے ہیں، ان کے اختیار میں جگہ دینا ہے کتنے لوگ ان کے پیچھے لگتے ہیں۔ تو دعاء کا حاصل یہ ہے کہ جس کے اختیار میں چیز ہے اس سے عرض و معروض کرے۔ ہم نے دعاء کرنا، مانگنا چھوڑ دیا ہے، دعاء وہ چیز ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت ٹل جاتی ہے، بڑی سے بڑی آسانی و سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس لیے دعاء کا اہتمام کرے۔فرائض کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے۔دو رکعت نفل نماز پڑھ کر دعاء کرے،کوئی مقصد ہو،کوئی حاجت ہو،یومیہ نفل پڑھ کر دعاء مانگی جائے۔انشاء اللہ بڑی جلد مشکلیں آسان ہو جائینگی،کتنے لوگ اس عمل کی بدولت حج کر آئے۔بعضوں کو بڑی جلدی حج میسر ہو گیا،کسی کو تین سال میں۔کسی کو دو سال میں اور کسی کو ایک سال میں۔دو رکعت نفل یومیہ پڑھنا اور دعاء مانگنا،بار بار جب بچہ مانگتا ہے تب آپ توجہ کرتے ہیں۔سائل حاجت مند بار بار آ کر عرض کرتا ہے۔ اس طرح اللہ سے مانگتا ہے اور دعاء کرتا ہے۔۱۷؎

دعاء تو دل کی پکار ہے:

ارشاد فرمایا کہ دعاء کے سلسلے میں ایک بات اور بھی ہے کہ دعاء کا اہتمام اور توجہ سے کرے،دل کو متوجہ رکھے۔قلب غافل کی دعاء قبول نہیں ہوتی۔دعاء تو دل کی پکار ہے۔کوئی ہاتھ پھیلائے،زبان سے کہے اور دل کہیں اور ہو تو وہ دعاء نہیں ہے،دعاء کی صورت ہے۔اس کی مثال میں عرض کرتا ہوں،دیکھو بھائی ایک شخص نے حاکم کے پاس ایک درخواست لکھی اور وہ درخواست بہت عمدہ ٹائپ ہے،کاغذ بھی اچھا ہے،القاب وآداب ہیں۔ٹکٹ لگا کر پیش کیا۔لیکن جب درخواست دینے کا وقت آیا تو حاکم کے سامنے درخواست پیش کی اور منھ پھیر لیا تو کیا ہوگا۔اس کی درخواست منظور ہو جائیگی یا کہا جائیگا کہ بڑا گستاخ اور بے ادب ہے کہ درخواست حاکم کے سامنے پیش کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔اسی طرح اگر دعاء میں بھی بھائی قلب غافل ہے اور دل کہیں اور ہے تو پھر خدا کے یہاں ایسی دعاء قبول نہیں کی جاتی۔اس لیے دعا کرے تو دل کو متوجہ رکھے۔۱۸؎

انسان کا عمل صالح کب ہوگا:

فرمایا کہ انسان عمل کرے۔خالی عمل نہیں بلکہ جو عمل کرے وہ صالح ہونا چاہیے۔اب عمل صالح کسے کہتے ہیں،عمل صالح کب ہوتا ہے،ایک ہی عمل ہے اس کو ایک وقت میں کیا جائے تو صحیح ہے۔اسی کو دوسرے وقت میں کیا جائے تو غلط ہے۔بات کیا ہے عمل تو دونوں وقتوں میں ایک ہی ہے۔پھر کیا بات ہے کہ ایک وقت میں اس کا کرنا باعث اجر و ثواب،دوسرے وقت میں اسی عمل کو کرنا باعث وبال وگناہ،اچھا یا برا ہونا کیا وقت کی وجہ سے ہوا کہ اچھے وقت میں کیا گیا۔اس لیے وہ اچھا ہے۔اچھے وقت میں

نہیں کیا گیا اس لیے وہ برا ہے، نہیں اس کا تعلق آنحضور ﷺ سے ہے۔ جس کام کو جس طرح اللہ کے رسول ﷺ بتلائیں اس کو اسی طرح کیا جائے تو وہ کام اچھا ہوگا۔ اور اس کو عمل صالح کہا جائیگا۔ آپ ﷺ کی ہدایت کے خلاف اگر کیا جائیگا تو وہ کام غلط ہوگا اور اس کو عملِ غیر صالح کہا جائیگا۔ مثال کے طور پر رمضان میں ۳۰ تاریخ کو روزہ رکھنا فرض ہے۔ جنت میں لے جانے والا ہے، عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے اور حرام کام جہنم میں لے جانے ولا ہے۔ یہاں عمل ایک ہی ہے۔ ایک وقت میں کیا جائے تو جنت میں لے جانے والا ہے۔ اسی کام کو دوسرے وقت میں کیا جائے تو جہنم میں لے جانے والا ہے۔ بات وہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جس دن روزہ رکھنے کی اجازت دی اس دن روزہ رکھے۔ جس دن منع کیا اس دن نہ رکھے۔ [۱۹]

شکر و ناشکری کا قرآنی اصول:

شاہ صاحب اپنے مصاحبین کو ہمیشہ قنوطیت اور مایوسی سے اجتناب کرنے اور رجائیت اور امید کی ترغیب و تلقین فرمایا کرتے تھے اور موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے آپ اصلاحی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ جس سے ایمان میں پختگی آتی تھی۔ انعاماتِ خداوندی کے سلسلے میں آپ کے پیشِ نظر کلام اللہ کی یہ آیت کریمہ ہوتی تھی:

''لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيد'' (ابراہیم: ۷)

(اور اگر تم ناشکری و ناقدری کروگے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔)

آیتِ مذکورہ میں شکر ادا کرنے اور ناشکری کرنے دونوں ہی کے بارے میں قاعدہ بتلایا گیا ہے کہ شکر ادا کرنے سے بھائیو انعامات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ نے تم کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں تم کو چاہیے کہ تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم شکر ادا کروگے تو اللہ بھی تم سے خوش ہوکر مزید نعمتوں سے نوازے گا۔ اور اگر اس کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کروگے، تو تم لوگ اللہ کی ناراضگی کا شکار ہوؤگے۔

ہمیشہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ تا کہ اللہ مزید نعمتوں سے نوازتا رہے۔ [۲۰]

شکر کی حقیقت:

شاہ صاحب نے فرمایا نعمت کو حقیقی محسن و منعم کی طرف سے سمجھنا، دل میں اس کی عظمت ہونا جو

حالت طبیعت کے موافق ہو اس کو دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھے، اس میں اپنی خوبی اور کمال نہ سمجھے کہ میں نے یوں کیا میں نے یوں کیا۔ جس کی بنا پر یہ ہو گیا۔ بلکہ یہ اللہ کا کرم اور اسکی عنایت ہے ، اگر اس کا کرم شامل حال نہ ہو تو انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کوئی کام کرتا ہے پہلے اس کو اپنے دماغ وقوتِ فکر سے سوچتا ہے ۔ پھر آنکھوں سے دیکھ کر ہاتھ لگا کر پیر سے چل کر اس کو انجام دیتا ہے۔ بظاہر انسان نے کام کیا مگر سوچنے کے لیے دماغ ، دیکھنے کے لیے آنکھیں، چلنے کے لیے پیر، چھونے اور پکڑنے کے لیے ہاتھ یہ چیزیں کس نے دیں اور ان چیزوں سے کام لینے کی صلاحیت کس نے دی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ نے عطا فرمائیں۔ وہ نہ دیتا تو پھر کام نہ ہو پاتا۔ اگر ایسے ہی طبیعت کے موافق حالات پیش آئیں تو اس پر ناز نہ کرے۔ اپنی خوبی و کمال نہ سمجھے۔ بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم سمجھے کہ معاملہ طبیعت کے موافق ہو گیا۔[۲۱]

امام فخر الدین الرازی اپنی تصنیف ''التفسیر الکبیر'' میں شکر کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''الاعتراف بنعمة المنعم مع تعظيمه و توطين النفس على هذه الطريقة''[۲۲]

(منعم کی تعظیم کے ساتھ اس کی نعمت کا اعتراف کرنا اور نفس کو اس حالت پر آمادہ کرنا۔)

مصیبت کے وقت انعاماتِ الٰہیہ پر نظر کرنی چاہیے:

فرمایا کہ رنج و غم کے ہلکا ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی کی رحلت ہو جائے تو یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امانت دی تھی اس کو لے لیا۔ اس کی بناء پر صدمہ ہے، غم ہے، لیکن جو نعمتیں اور امانتیں دے رکھی ہیں۔ اس طرف بھی تو نگاہ رکھے ، جو اعزہ و اقرباء زندہ ہیں، ذرا ان پر بھی نگاہ کرے ، ایک عزیز کی رحلت ہوئی مگر پچاس تو زندہ ہیں، ادھر بھی نگاہ کرے۔ ایک شخص کے ایک دانت میں تکلیف ہے وہ پریشان ہے لیکن اس کو شکر کرنا چاہیے کہ اکتیس دانت تو ٹھیک ہیں۔ تو اس سوچنے سے دانت کی تکلیف ہلکی معلوم ہونے لگے گی ۔ بزرگوں نے فرمایا کہ کوئی تکلیف و پریشانی آئے تو یہ سوچو کہ سستے چھوٹ گئے ۔ بڑی پریشانی نہیں آئی ۔ کسی کے سر میں درد ہے ، بخار ہے، کھانسی ہے، جس کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے، لیکن ایسے موقع پر یہ سوچے کہ شکر ہے پیشاب تو بند نہیں ہوا۔ فالج کا اثر نہیں ہے ۔ بینائی باقی ہے، نابینا نہیں ہوا۔ اور اس سے بھی بڑی چیز یہ ہے کہ دماغ صحیح ہے ورنہ کتے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے ۔ دل کے دورے

نہیں پڑ رہے ہیں، تو اس سے بیماری ہلکی معلوم ہونے لگے گی، اصل میں ہماری نگاہ بالکل اسی چیز کی طرف مائل ہوجاتی ہے جو غم والی ہے، اور تکلیف والی ہے جس سے پریشانی اور بے صبری ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر اسی کے ساتھ جو چیزیں نفع بخش ہیں۔ آرام دہ ہیں ان کی اور اللہ کی دیگر بہت سی نعمتوں کی طرف نظر کیجائے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہ غم ہلکا ہوجائے گا۔ ۲۳؎

نماز میں دل لگانے کا طریقہ:

فرمایا کہ اتنی بات یاد رکھو کہ نماز میں کوئی کام کوئی پڑھنا بے ارادہ نہ ہو، بلکہ ہر بات ارادہ اور سوچ سے ہو۔ مثلاً اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو تو ہر لفظ پر یوں سوچے کہ میں اب سبحانک اللھم پڑھ رہا ہوں، پھر سوچو کہ اب وبحمدک کہہ رہا ہوں، پھر دھیان کرو کہ اب تبارک اسمک منھ سے نکل رہا ہے اسی طرح ہر لفظ پر الگ الگ دھیان اور ارادہ کرو، پھر الحمد للہ اور سورت میں یوں ہی کرو، پھر رکوع میں اسی طرح ہر دفعہ سبحان ربی العظیم کو سوچ کر کہو، غرض منھ سے جو نکالو دھیان بھی ادھر رکھو ساری نماز میں یہی طریقہ رکھو انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح کرنے سے نماز میں کسی طرف دھیان نہ بٹے گا۔ تھوڑے دنوں میں آسانی سے جی لگنے لگے گا۔ اور نماز میں مزہ آنے لگے گا۔ ۲۴؎

علماء کا مقام ومرتبہ:

ارشاد فرمایا کہ اہل اللہ اگر تقریر بھی نہ کریں اور بالکل خاموش رہیں تو بھی نفع بخش ہے۔ جیسے رات کی رانی خاموش ہے مگر پاس والوں کے دماغ معطر ہوتے رہتے ہیں۔ عطر خاموش ہے مگر خوشبو پہنچاتا رہتا ہے۔ ٹیوب لائٹ بولتی نہیں روشنی پہونچاتی رہتی ہے۔ آفتاب بولتا نہیں سارے عالم کو منور کرتا ہے۔ تو کیا اہل اللہ آفتاب اور ماہتاب سے کم ہیں، ان کا نور بھی تمام عالم کو روشن کرتا ہے۔ ۲۵؎

ارشاد فرمایا کہ ۵ منٹ کا وعظ بھی کافی اور نافع سمجھنا چاہیے، سول سرجن سے وقت چند منٹ کا بھی کافی سمجھتے ہیں اور انجکشن میں تو ایک منٹ سے بھی کم وقت لگتا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ ۵ منٹ تک سوئی گوشت میں چبھوئی رکھئے۔ تو دین کی باتیں بھی اگر تھوڑی دیر ہوں اس کو بھی مفید اور غنیمت سمجھنا چاہیے۔ آجکل جبتک ایک دوگھنٹہ کا بیان نہ ہو اس کو وعظ ہی نہیں سمجھتے۔ جسمانی معالج کی اہمیت ہے روحانی معالج کی اہمیت نہیں۔ ورنہ دین کی ایک بات سن کر بھی خوش ہوجاتے ہیں۔ ۲۶؎

طلباء کی اصلاح کے بعض رہنما اصول:

شاہ صاحب دورۂ بنگلہ دیش کے دوران ایک مدرسہ میں تشریف لے گئے ۔ وہاں آپ نے تقریباً دو گھنٹہ طلباء کی اصلاح کے سلسلے میں بیان کیا جن کو برادرم مفتی محمد اسامہ نے بروقت قلمبند کیا تھا۔ چند ارشادات اس بیان کے یہاں نقل کیے جارہے ہیں:

(۱) فرمایا کہ طلباء کو مطالعہ کا بہت انہماک رکھنا چاہیے ۔ یہ عادت ناظرہ سے ڈالیں۔ خصوصاً عربی جماعت کے طلباء کو اس کا بڑا اہتمام کرنا چاہیے اور طلباء کرام کو اپنے اساتذۂ کرام کا بڑا ادب و احترام کرنا چاہیے ۔ بلکہ علم کے جتنے اسباب ہیں سب کا ادب کریں۔ حتیٰ کہ دربان اور جاروب کش کا بھی ۔ ان کی بھی توہین نہ کریں۔

(۲) فرمایا کہ دارالاقامہ میں رات کو کوئی نگراں متعین ہونا چاہیے اور اس کی الگ سے تنخواہ بھی ہونی چاہیے ، تاکہ اس کو بار نہ ہو۔ اور طلبہ کو چاہیے کہ اگر کوئی بات پیش آئے تو فوراً نگراں کو اطلاع کریں۔

(۳) طلباء سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ جس سے پڑھو اس کی محبت اور اطاعت وادب کا بھی لحاظ رکھو، اللہ اس کی برکت سے علم میں برکت عطا کریگا۔ طالب علم کو عموماً اور طالب دین یعنی آپ حضرات کو خصوصاً سب گناہوں سے بہت پرہیز کرنا چاہیے ۔ بالخصوص شہوت کے گناہوں سے اور گناہوں کے بارے میں یہ سوچا کرو کہ اگر گناہ کرونگا تو علم سے محروم ہوجاؤنگا۔

(۴) ارشاد فرمایا کہ طلباء کو ایک سنت اور ایک گناہ یاد کرایا جائے تو انشاء اللہ عمل آسان ہوگا اور گناہوں سے بچنا آسان ہوگا۔ طلباء کرام ایک کاپی بنالیں اس کو لکھ لیا کریں۔ تاکہ آسانی سے حفظ کرلیں ۔ اور روزانہ اس کو سنا بھی جائے ، تاکہ فکر رہے اور پھر یہ طلباء اپنے گھر جائینگے اور وہاں بھی سنائیں گے تو بڑا فائدہ ہوگا اور طالب علم کی نیت پڑھنے میں رضائے الٰہی ہونا چاہیے اور اس کو یہ بھی چاہیے کہ ناغہ نہ کرے، اس سے بہت نقصان ہوتا ہے ۔ جو سبق چھوٹ گیا، ساری زندگی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

(۵) ارشاد فرمایا کہ مدارس کے بڑے طلباء اور اساتذۂ کرام کو چاہیے کہ اذان بھی دیا کریں۔ اس کو

لوگوں نے گھٹیا کام سمجھ لیا ہے۔اسی طرح بڑے طلباء سے امامت بھی کرانا چاہیے تا کہ وہ امامت کا طریقہ سیکھ لیں۔ان کو جھجھک نہ محسوس ہو۔

(۶) فرمایا کہ طالب دین کو پردہ کا بہت اہتمام رکھنا چاہیے۔مثال دیکر بتلایا کہ ہمارے یہاں ایک حفظ کے طالب علم نے ممانی سے پردہ شروع کیا تو ماشاء اللہ ممانی نے بھی ساتھ دیا لوگوں کے برا بھلا کہنے پرانہوں نے کہلا بھیجا کہ میں بھی اب سب سے پردہ کرونگی۔

(۷) فرمایا کہ اہل مدارس کو چاہیے کہ طلباء کی دیانت کا بھی امتحان لیا کریں۔تحریری امتحان میں کسی نگراں کی ضرورت نہیں۔کتاب شروحات سب سامنے رکھ دی جائیں۔اور ان کو خوب ذہن نشیں کرایا جائے کہ بھئی دیانت سے فیل ہوگئے تو جنت کا راستہ ہے۔اور خیانت سے پاس ہوگئے تو جہنم کا راستہ ہے۔اس لیے خیانت سے گریز کرنا چاہیے۔

(۸) طلباء کرام کو خطاب کرتے ہوئے اساتذہ اور ذمہ داران مدرسہ کو متوجہ کرایا اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے یہاں طلبۂ کرام ترانہ کے وقت پچاس بڑے گناہوں کی فہرست بھی زبانی یاد کرتے ہیں۔اس سے طلباء کی وقعت ہوتی ہے۔وہ ان گناہوں سے بچتے ہیں اور دوسروں کے لیے نمونہ بنتے ہیں اور ہمارے یہاں طلباء کی داڑھی پر بھی نظر رکھی جاتی ہے۔کہیں شیطان کے بہکاوے میں آجائیں۔اس لیے نگرانی ہوتی رہتی ہے اگر کوئی شکایت مل گئی تو تحقیق حال کے بعد فوراً اس کا اخراج کردیا جاتا ہے۔کہ بھئی پہلے ظاہر صحیح کرلو تو داخلہ کی تجدید ہوگی۔

(۹) فرمایا کہ طلباء کرام کو اعتکاف کی مشق کرائی جاتی ہے۔ ہر مہینہ میں ایک بار چوبیس گھنٹے کا نفلی اعتکاف کرتے ہیں۔اس لیے کہ یہ بھی ایک خاص طریقہ ہے اس سے فضول باتوں سے گریز کرنا سیکھتا ہے۔آگے فرمایا کہ میں اپنے مدرسہ کے طلباء کو بتلایا کرتا ہوں کہ حضرت علی سے منقول ہے کہ تین چیزیں قوتِ حافظہ کو بڑھاتی ہیں (۱) مسواک، (۲) روزہ (۳) تلاوت قرآن پاک۔

(۱۰) ارشاد فرمایا کہ ہمارے یہاں ہر درسگاہ میں ایک دفتی ہے کہ پڑھائی کے اوقات میں ملاقات کی زحمت نہ کریں۔حرج ہوتا ہے اور یہ شرعاً بھی درست نہیں ہے۔

طلباء کرام بھی سنتوں کے عامل ہوں:

ارشاد فرمایا کہ طلباء کرام کو بھی سنتوں پر عامل ہونا چاہیے، تا کہ عالم ہونے کے بعد اس پر عمل ہوتا رہے۔آج طلباء کے اندر سے سنتوں کا اہتمام نکلتا جا رہا ہے۔اس لیے اہل مدارس سے گزارش کرتا ہوں کہ طلباء کو سنتوں کا دور کروایا کریں۔تا کہ اس سے عمل میں سہولت ہو اور دوسروں کے لیے باعثِ استقامت ہو۔اور پھر اس بنیاد پر طلباء کی قدر ہو۔

مدارس کے طلباء مہمانِ رسول ہیں۔طلباء کرام کو نبی کریم کا مہمان اور دین کا مجاہد سمجھ کر ان کے ساتھ اکرام کا معاملہ کیا جائے اور ان کو اپنا محسن بھی سمجھا جائے کیونکہ انہوں نے اپنے قلوب کی تختی ہمارے حوالے کر دی ہے۔جو کچھ دینی نقوش ہم ان پر ثبت کرینگے۔ہمارے لیے وہ صدقۂ جاریہ بنیں گے۔اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی مزاج پرسی اور تیمارداری کو اپنی سعادت سمجھنا چاہیے۔اساتذۂ کرام کو یہ شکایت ہے کہ وہ ہمارا خیال نہیں کرتے۔ہم تو ان سے ضابطہ کا تعلق رکھیں اور ان کی طرف سے رابطے کی توقع رکھیں، پہلے آپ رابطے کا تعلق کر کے دیکھیں کہ وہ کس طرح پھر آپ کا اکرام کرتے ہیں۔[۲۷]

طالب علم کی اصلاح نفس کی فکر:

ارشاد فرمایا کہ ہمارا نام طالب العلم والعمل تھا مگر اختصار کے لیے صرف طالب علم بولا جاتا ہے۔ لیکن ہم عمل کو اب مقصود ہی نہیں سمجھتے۔طالب علمی ہی سے اعمال میں مشغول ہونیکا اہتمام اہل مدارس کو کرنا چاہیے۔آج اساتذہ طلباء کی تربیت اور اصلاح نفس کی فکر نہیں کرتے، صرف ان کی رہائش اور روٹیوں کی فکر ہوتی ہے۔پس صورت تو طالب علم کی ہے اور روح اور حقیقتِ غائب یعنی تعلق مع اللہ اور خشیت اور اساتذہ کا ادب واکرام سب ختم، پھر اسٹرائک اور بغاوت نہ ہوگی تو کیا ہوگا۔ہر کوتاہی اور معصیت کا ردعمل ہوتا ہے۔طلباء ہماری کھیتی ہیں ہم ان کے قلوب میں اگر محبت اور تعلق مع اللہ اور خشیت اور اتباع سنت کے درخت نہ لگائیں گے تو دوسرے صحرائی خار اور درخت نکلیں گے۔پھر رونا پڑتا ہے کہ آج فلاں طالب علم نے فلاں استاذ کو گالی دی۔فلاں نے فلاں کی پٹائی کر دی۔آہ ان طلباء کرام کو تو سو فیصد اولیاءِ کرام ہونا چاہیے۔اور جو بے عمل اور بے اصول طلباء ہوں انہیں فوراً نکالدینا چاہیے۔درخت کی جو شاخ خراب ہو تو باغبان کی ڈیوٹی اور ذمہ داری ہے کہ اسے کاٹ کر پھینک دے۔مقصود نہ طلباء کی تعداد ہے نہ عمارت ہے۔

کام کے اگر چند بھی نکلیں گے تو غلغلہ مچا دیں گے۔ ۲۸

عیادتِ مریض کے آداب:

شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ مریض کے پاس جب جاوے تو اس دعاء کو ۷ مرتبہ پڑھے پھر خود پڑھنا شروع فرمایا اور احباب بھی ساتھ ساتھ پڑھنے لگے (اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رب العرش العظيم اَنْ يَشْفِيَكَ) پھر فرمایا کہ مریض سے درخواست کرے کہ آپ ہمارے واسطے دعا فرمایئے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ مریض کی دعا پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔ عیادت کرنے جو صبح جاتا ہے ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعاءِ مغفرت کرتے ہیں۔ اور شام کو جاوے تو صبح تک اتنے ہی فرشتے اس کے لیے دعاءِ مغفرت کرتے ہیں۔ ۲۹

تعزیت کا حکم اور اس کے حدود:

ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بیمار ہو جائے تو ایسے موقعہ پر کیا کرنا چاہیے تو ایسے موقعہ پر ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کے پسماندگان اور متعلقین کو تسکین و تسلی دینا، صبر کی تلقین کرنا، اس کے دل پر جو زخم لگا ہے اس پر مرہم لگانا اور اس کی تعزیت کرنا یہ بھی حق مسلم ہے۔ اس کے بھی شریعت نے حدود بتلائے ہیں کہ تعزیت تین دن تک ہے وہ بھی ایک مرتبہ، اس کے بعد مکروہ ہے۔ یہ حکم تو اس وقت کا ہے جبکہ عذر نہ ہو۔ عذر کی صورت میں تین دن کے بعد بھی تعزیت کی گنجائش ہے۔ ۳۰

فقہ کی مشہور کتاب ''ردالمختار'' میں یہ صراحت موجود ہے:

''بتعزية اهله وترغيبهم في الصبر وبالجلوس لها في غير مسجد ثلاثة ايام واولها افضلها، تكره بعدها الالغائب اى الاان يكون المعزى او المعزى غائبا فلاباس بها جوهره وتكره التعزية ثانيا''۔ ۳۱

(میت کے متعلقین کی تعزیت اور ان کو صبر کی ترغیب دینے کے لیے تین دن تک میں ایک بار جانا مستحب ہے اس کے لیے مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ بیٹھے، پہلا دن تعزیت کے لیے افضل ہے، تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر تعزیت کرنے والا یا جن سے تعزیت کرنا ہے وہ موجود نہ ہو تو اس صورت میں تین دن کے

بعد بھی تعزیت کرنا درست ہے۔ ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے۔)

تعزیت کے مسنون کلمات:

شاہ صاحب نے فرمایا کہ تعزیت کس طرح کی جائے، اس کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہے۔ دیکھیے کتنی بڑی آسانی کردی گئی ہے۔ ایک تو ڈاکٹر کہے کہ مرہم لولگاؤ۔ اور ایک یہ کہ اس طرح لگاؤ، تو فرق ہوگیا کہ نہیں۔ ایک یہ کہ تعزیت کرواور ایک یہ کہ یوں تعزیت کرو۔۳۲

حدیث میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی صاحب زادی حضرت زینبؓ کے بچے کی طبیعت خراب ہوئی، جب اس کی حالت نازک ہوئی اور نزاع کے آثار ظاہر ہوئے تو انہوں نے آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں کہلا بھیجا کہ میرا بیٹا نزاع کی حالت میں ہے آپ تشریف لائیں تو اس پر آنحضور ﷺ نے کہلا بھیجا کہ میرا سلام کہنا اور یہ کہنا:

ان للہ مااخذولہ مااعطی و کل عندہ باجل مسمّٰی ،فلتصبرولتحسب ۔۳۳

(یقیناً اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لیا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے دیا اور اس کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے پس تمہیں صبر کرنا چاہیے اور ثواب کی امید رکھنا چاہیے۔)

اعمالِ صالحہ ہی انسان کے کام آئینگے:

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کی موت کا وقت جب قریب آگیا اس نے اپنے ایک بھائی کو بلایا اور اس سے کہا کہ میرے بعد میرا خیال رکھنا۔ اس نے کہا کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مجھ سے جو خدمت ہو سکے گی وہ تیری زندگی ہی میں کرونگا۔ لیکن موت کے بعد کسی قسم کی مدد نہ پہونچا سکونگا۔ پھر اس نے دوسرے بھائی کو بلایا اور اس سے بھی یہی بات کہی اس پر اس نے جواب دیا کہ میں مرنے کے بعد تجہیز و تکفین اس کے بعد قبر تک تمہارا ساتھ دونگا۔ اس کے آگے ساتھ نہ دے سکوں گا۔ اس کے بعد اس نے تیسرے بھائی کو بلایا اس سے بھی یہی بات کہی اس پر اس نے جواب دیا کہ میں انشاء اللہ قبر میں بھی ساتھ دونگا۔ اب آپ ہی لوگ بتلائیں اور فیصلہ کریں کہ ان تینوں میں کون سا بھائی صحیح حق ادا کریگا اور وقت پر کام آئیگا۔ ظاہر ہے کہ وہ تیسرا بھائی ہے کہ جس نے قبر میں بھی ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اسی طرح انسان کے ساتھ دنیا میں تین قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک مال، دوسرے اہل وعیال، تیسرے اعمال۔ مال صرف زندگی تک ساتھ دیگا مرنے

کے بعد کچھ کام نہ آئیگا۔دوسرے اہل وعیال یہ تجہیز وتکفین کے بعد قبر تک ساتھ دیں گے۔ وہاں پہنچا دیں گے۔ تیسرے اعمال ہیں جو قبر میں ساتھ دینے والے ہیں۔اس لیے اعمال صالحہ کا ذخیرہ زیادہ سے زیادہ کرنیکی کوشش کرنا چاہیے۔اس کو قبر میں عافیت پہونچانے میں خاص دخل ہے۔۳۴؎

موت کی حقیقت:

ارشاد فرمایا کہ موت کے معنیٰ ہٹنے کے ہیں۔مٹنے کے نہیں ہیں۔پچھلی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا، ابھی تھوڑی دیر بعد ہم سب کا انتقال ہو جائیگا کہ بیان ختم ہونے کے بعد ہم سب جلسہ گاہ سے گھر میں چلے جائیں گے۔اسی طرح موت سے کون گیا،جسم تو گیا نہیں، وہ تو یہیں رہا، بلکہ روح چلی گئی،رحلت کے معنیٰ کوچ کرنا۔روح کے یہاں سے چلے جانے کے بعد اس کو جس جگہ رکھا جائے گا وہ برزخ ہے۔جس طریقہ سے ایک گھر ہوتا ہے اور ایک جانے کی جگہ ہوتی ہے اور ایک درمیانی جگہ ویٹنگ روم ہوتا ہے۔اسی طرح دنیا اور آخرت کے درمیان ایک منزل برزخ ہے جو گویا ویٹنگ روم کی طرح ہے کہ دنیا سے جانے کے بعد روح کے ٹھہرنے کی جگہ ہے، پھر انسان کے جسم کو قبر کے اندر رکھا جاتا ہے۔پھر وہ روح ڈالی جاتی ہے اور سوالات کیے جاتے ہیں۔ایک ملک سے دوسرے ملک میں آدمی جاتا ہے تو پاسپورٹ اور ویزا کی جانچ ہوتی ہے۔اسی طرح وہاں پوچھتے ہیں کہ اس عالم کے اندر آئے ہو تیاری کر کے آئے ہو یا نہیں۔۳۵؎

اصل معاملہ اللہ کے قبضے میں ہے:

فرمایا کہ یہ دنیا دارالاسباب ہے،حکم ہے کہ بیمار ہوؤ تو علاج کراؤ۔یہ علاج اسباب کے درجے میں ہے انسان کی تسلی کے لیے ہے،ورنہ اصل معاملہ تو اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے،آپ خود سوچیے کہ وہی بیمار اور وہی دوا، وہی ڈاکٹر،بیس دفعہ تو اس کے علاج سے اچھا ہو گیا،لیکن جب وقت آ گیا تو اسی بیماری میں اسی ڈاکٹر کے اسی علاج سے کیوں نہیں اچھا ہوتا۔تو بات یہ ہے کہ ہر ایک کا وقت مقرر ہے۔علاج وغیرہ پر مدار نہیں۔میں نے خود اخبار میں پڑھا تھا کہ ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کا جب علاج ہو رہا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ میں ابھی نہیں مرونگا۔ظاہر ہے کہ وزیر اعظم کے علاج میں کیا کمی،اس کے علاج میں کیا کسر ہوگی،مگر تیسرے دن اخبار میں آ گیا کہ وزیر اعظم کا انتقال ہو گیا۔معلوم ہوا کہ جب موت آ جاتی ہے تو پھر کسی کا بس نہیں چلتا۔انسان اپنی تسلی کے لیے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے علاج کراتا ہے،مگر جب

وقت آتا ہے تو دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ ٣٦

گناہوں پر سزا ملے گی:

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، نماز وروزہ کا پابند نہیں تھا، حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتا تھا، شراب وزنا کا عادی تھا، غیبت، بہتان، چوری اور بہت سے گناہوں کا عادی تھا۔ اس کو قبر کا عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ قبر سے مراد گڑھا نہیں ہے، اصل برزخ ہے اس کو عذاب تو وہاں ہوتا ہے۔ یہاں جسم پر کبھی کبھی عبرت کے لئے ظاہر کیا جاتا ہے۔ پھر میدانِ محشر کے اندر پریشانی ہوگی، پل صراط پر چلیں گے تو جہنم کے اندر گرادیے جائیں گے۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ مسلمان کو جہنم کے اندر کیوں ڈالا جائیگا، بات یہ ہے کہ گندے کپڑے کو آپ جس طرح الماری میں نہیں رکھتے بلکہ پہلے صفائی کے لیے اس کو بھٹی پر رکھا جاتا ہے، گرمایا جاتا ہے، کوٹا جاتا ہے جس سے پاک وصاف ہو کر اب الماری کے اندر قرینے سے سجا کر لگایا جاتا ہے، ایسے ہی گندے اخلاق مثلاً حسد، تکبر، کینہ وغیرہ گناہوں کی وجہ سے دل گندہ ہو گیا اور دنیا میں رہ کر اس کی فکر نہیں کی، بلکہ ایسی ہی حالت میں گیا ہے تو دل کی صفائی کی ضرورت ہے۔ طہارت کی ضرورت ہے۔ اس لیے جہنم کی بھٹی میں ڈالا جائیگا، تاکہ پاک وصاف ہو جائے۔ جب گندگیوں سے پاک ہو جائیگا تو جنت کے اندر جائیگا۔ ٣٧

فصل دوم
دعوت وتبلیغ

دعوت وتبلیغ تمام انبیائے کرام کا فریضہ رہا ہے۔ اور انہوں نے اپنے اپنے عہد میں اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔ قرآن پاک میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

''وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ'' (حم سجدہ:۳۳)

(اور اس سے بہتر کس کی بات جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام)

اس آیت میں مومنین کاملین کے احوال ہیں۔ وہ صرف خود ہی اپنے ایمان وعمل پر قناعت نہیں کرتے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔ اور پھر اس سے اچھا کس کا قول ہوسکتا ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے، معلوم ہوا کہ انسان کے کلام میں سب سے افضل واحسن وہ کلام ہے جس کے ذریعہ سے دوسروں کو دعوتِ حق دی گئی ہو۔ اس کے اندر دعوت الی اللہ کی سب صورتیں داخل ہیں، زبان سے، تحریر سے، یا کسی اور عنوان سے، اذان دینے والا بھی اس میں داخل ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کو نماز کی طرف بلاتا ہے۔ آگے ارشادِ خداوندی ہے:

''اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ۔''

(جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو۔)

یعنی داعیان حق کی خصلت یہ ہونی چاہیے کہ وہ لوگوں کی برائی کو طریق احسن سے دفع کریں، وہ یہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ لینا اور معاف کردینا تو عملِ حسن ہے اور احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا، تم اس کو معاف بھی کردو۔ اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو۔[۳۸]

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس آیت میں حکم یہ ہے کہ جو شخص تم پر غصہ کا اظہار کرے تم اس کے مقابلے میں صبر سے کام لو۔ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آوے تو تم پھر بھی اس کے

ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرو۔ اور اگر کسی نے تمہیں ستایا تو تم اس کو معاف کر دو۔ ۳۹

ایک دوسری جگہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

اُدْعُ إِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل: ۱۲۵)

(اے نبی، اپنے رب کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ)

آیت مذکورہ میں اللہ جل شانہ کی خاص صفت رب اور پھر اس کی نبی اکرم ﷺ کی طرف اضافت میں اشارہ ہے کہ دعوتِ ربوبیت کا کام اور اس کی صفت تربیت سے تعلق رکھتا ہے جس طرح اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کی تربیت فرمائی: آپ کو بھی تربیت کے انداز سے دعوت دینا چاہیے جس میں مخاطب کے حالات کی رعایت کر کے وہ طرز اختیار کیا جائے کہ مخاطب پر بار نہ ہو اور اس کی تاثیر زیادہ سے زیادہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ پیغمبر کا کام صرف اللہ کے احکام پہونچا دینا اور سنا دینا نہیں بلکہ لوگوں کو ان کی تعمیل کی طرف دعوت دینا ہے۔ کسی کو دعوت دینے والا اس کے ساتھ ایسا خطاب نہیں کیا کرتا۔ جس سے مخاطب کو وحشت و نفرت ہو یا جس میں اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کیا گیا ہو۔

"بالحکمة" لفظ حکمت قرآن پاک میں بہت سے معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ بعض ائمہ تفسیر نے حکمت سے مراد قرآن پاک، بعض نے قرآن وسنت اور بعض نے حجیت قطعیہ کو قرار دیا ہے۔ ۴۰

صاحب روح المعانی نے ''بحر محیط'' کے حوالہ سے حکمت کی یہ تفسیر کی ہے:

''انها الکلام الصواب الواقع من النفس اجمل موقع'' ۴۱

(حکمت اس درست کلام کا نام ہے، جو انسان کے دل میں اتر جائے)

''الموعظة'' موعظة اور وعظ کے لغوی معنیٰ یہ ہیں کہ کسی خیر خواہی کی بات کو ایسی طرح کہا جائے کہ اس سے مخاطب کا دل قبولیت کے لیے نرم ہو جائے۔

''الحسنة'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ بیان اور عنوان بھی ایسا ہو جس سے مخاطب کا قلب مطمئن ہو۔ اس کے شکوک و شبہات دور ہوں۔ اور مخاطب یہ محسوس کرے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں۔ صرف اس کی خیر خواہی کے لیے کہہ رہے ہیں۔ ۴۲

خلاصہ یہ ہوا کہ اصولِ دعوت دو چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت، جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونی

چاہیے۔خواہ علماء وخواص کو ہو یا عوام الناس کو۔

دعوت الی اللہ کے پیغمبرانہ آداب:

دعوت الی اللہ دراصل انبیاء کرام کا منصب ہے۔امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔تو ضروری یہ ہے کہ اس کے آداب اور طریقے بھی انہی سے سیکھیں۔ جو دعوت ان کے بتلائے طریقوں پر نہ رہے وہ دعوت کے بجائے عداوت اور جنگ وجدال کا موجب ہو جاتی ہے۔چنانچہ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع عثمانی لکھتے ہیں:

''آنحضورﷺ کی دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت میں اس کا بڑا لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے۔صحابۂ کرام جیسے عشاق رسول جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپﷺ کی باتیں سننے سے اکتا جائیں گے۔صحابۂ کرام کے لیے بھی آپ کی عادت یہ تھی کہ وعظ ونصیحت روزانہ نہیں، بلکہ ہفتہ کے بعض دنوں میں فرماتے تھے تاکہ لوگوں کے کاروبار کا حرج اور ان کی طبیعت پر بار نہ ہو۔اور پھر آنحضور ﷺ کو دعوت واصلاح کے کام میں اس کا بھی بڑا اہتمام رہتا تھا کہ مخاطب کی سبکی یا رسوائی نہ ہو۔''[۴۳]

بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا:

''یسّروا ولا تعسّروا وَبَشِّروا ولا تنفّروا۔''[۴۴]

(لوگوں پر آسانی کرو دشواری نہ پیدا کرو۔اور ان کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری سناؤ۔مایوس یا متنفر نہ کرو۔)

دعوت واصلاح سے بے رغبتی:

آج کل اول تو دعوت واصلاح اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی طرف لوگ کم متوجہ ہو رہے ہیں اور جو ان میں مشغول بھی ہیں، ان لوگوں نے صرف بحث ومباحثہ اور مخاطب پر الزام تراشی اور اس کی توہین کرنے کو دعوت وتبلیغ سمجھ لیا ہے۔یہ طریقہ خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے کبھی بھی مؤثر ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔اس قسم کے افراد سمجھتے ہیں کہ ہم نے اسلام کی بڑی خدمت کرلی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ لوگ عوام کو متنفر کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔اس زمانہ میں دعوتِ اسلام کا کام پوری طرح مؤثر نہ ہونے کے دو سبب ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں آپسی انتشار بہت ہے اور حرام چیزوں کی کثرت کی

وجہ سے عوام کے قلوب زنگ آلود ہوگئے ہیں۔اور آخرت سے غافل ہو گئے ہیں۔حق بات کو جاننے اور سمجھنے اور پھر اس پر عمل کی توفیق نہیں ہو پا رہی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوتِ حق کے فرائض سے غفلت عام ہوگئی ہے۔عوام کا حال تو برا ہے ہی۔خواص علماء وصلحاء میں اس چیز کی ضرورت کا احساس بہت کم ہو گیا ہے۔

دعوت بذمہ امت:

جس طرح تمام انبیاء کا اصل کام اور مقصد حیات دعوت الی اللہ تھا،اسی طرح آنحضورﷺ کا مقصدِ زندگی بھی دعوت الی اللہ تھا اور آپﷺ کی اتباع کرنے والوں یعنی پوری امت کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کو اختیار کریں۔اسی دعوت وتبلیغ کے اندر ہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی داخل ہے قرآن وحدیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے۔اور اسی کو اس امت کا طرہ امتیاز بتلایا گیا ہے۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے

:''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَکُمْ وَأَهْلِیکُمْ نَاراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا''(التحریم:٦)

(اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ،جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا''(طٰہٰ:۱۳۲)

(اے محمدﷺ اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس پر جمے رہیے)

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:

''وَلْتَکُن مِّنکُمْ أُمَّةٌ یَدْعُونَ إِلَى الْخَیْرِ وَیَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنکَرِ وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ''(آل عمران:۱۰۴)

(اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونا ضروری ہے،جو نیکی کی دعوت دے اور اچھے کام کرنے کو کہا کرے اور برے کام سے روکا کرے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہونگے۔)

نیز یہ بھی فرمایا گیا:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ" (آلِ عمران:۱۱۰)

(تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے کہ تم لوگ نیک کام کا حکم اور برے کام سے منع کرتے ہو۔اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس امت کا طغرائے امتیاز ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تعلق سے سخت ہدایات آئی ہیں،حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے:

"سمعت رسول الله يقول مامن رجل يكون فی قوم يعمل فيهم بالمعاصی يقدرون علی ان يغيرواعليه ولايغيرون الااصابهم الله بعقاب من قبل ان يموتوا" ۴۵

(آنحضورﷺ نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی ایک آدمی کہ کسی قوم میں ہو ان میں گناہ کرتا ہو اور وہ لوگ روکنے کی قدرت رکھتے ہوں۔اور نہ روکیں،مگر اللہ ان پر ان کے مرنے سے پہلے عذاب پہونچا دیں گے)

ایک اور حدیث حضرت حذیفہ سے مروی ہے:

"عن النبیؐ ولذی نفسی بيده لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر اوليوشكن الله ان يبعث عليكم عقابامنه ثم تدعونه فلايستجيب لكم" ۴۶

(آنحضورﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یا تو تم ضرور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا کرو۔ یا قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دیں، پھر ان سے دعاء کرو۔پس وہ قبول نہ کریں گے)

حقیقت یہی ہے کہ دعوت وتبلیغ دین کا ایک اہم شعبہ ہے،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کا مختص وصف ہے،جو اس کی خیریت کی ضمانت فراہم کرتا ہے،مگر صد حیف آج اس سے کتنی بے

اعتنائی برتی جارہی ہے۔ہماری زبانوں پر قفل پڑ گئے ہیں۔

حدیث شریف میں مختلف تعبیرات میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔حضرت ابوسعید خدری کی معروف روایت ہے:

''من رایٰ منکم منکرافلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه ، فان لم یستطع فبقلبه و ذالك اضعف الایمان''

''علامہ نووی نے اس کے فرض علی الکفایہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے معاشرے میں دانستہ یانادانستہ طور پر یہ بھی تصور قائم کرلیا گیا ہے کہ یہ کام علماء کے ساتھ ہی مختص ہے ،مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ کام امت کے ہرفرد پر یکساں طور پر لازم آتا ہے۔اپنے علمی حدود اربعہ کے پیش نظر اپنی معلومات کی تعمیم فرض ہے''۔

موجودہ معاشرہ میں ایک ناسور یہ بھی ہے کہ اہلیانِ دعوت وتبلیغ کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے کہ جس کام کو خود نہیں کرتے اس کی ترغیب لوگوں کو کیوں دلاتے ہیں۔یہ اعتراض بھی بجا ہے،وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ دونوں امور مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔امتثال بالمعروف مستقل موضوع ہے اورامر بالمعروف کی اپنی ایک حیثیت ہے۔[۴۷]

آیات کریمہ اوراحادیثِ مبارکہ سے دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے۔اس وجہ سے امتِ محمدیہ میں بھی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ ہرزمانہ میں چلا آرہا ہے۔اور ہرزمانے میں داعیان حق پیدا ہوتے رہے ہیں،جنہوں نے اس فریضہ کوانجام دیا۔اوران کی انہیں کوششوں کی وجہ سے ہرزمانہ میں مذہبِ اسلام بڑھتااور پروان چڑھتا رہا ہے۔

حضرت تھانوی رقمطراز ہیں:

''اسبابِ اتفاقیہ سے ایک زمانہ طویل سے عام طور پراس کی طرف سے بہت زیادہ بے التفاتی ہوگئی ،جس کی وجہ سے بعض کا اس پر قادر نہ ہونا،اوربعض کا دوسرے مشاغلِ ضروریہ یا غیرضروریہ میں مشغول ہونا ہے۔جس کا نتیجہ لازمی طور پر غلبۂ جہل ہے اورغلبۂ جہل سے فسادِ عمل اورفسادِ عمل سے مسلمانوں کا ظاہری وباطنی تنزل اور

انواع مصائب میں ابتلاء اس قدر رونما ہو گیا ہے کہ جلدی اس کا تدارک نہ کیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ خدانہ کرے مسلمانوں کی قوم من حیث الاسلام فنا ہو جائیگی، اس لیے سخت ضرورت ہے کہ بہت جلدی اس کا انتظام کیا جائے''۔[۴۸]

کیونکہ شاہ صاحب حضرت تھانوی کے پرتو اور عکس جمیل تھے، جس کی وجہ سے ان کو بھی ہمیشہ بدعات، رسومات کے روز بروز شیوع سے بڑا غم تھا، حالات و زمانہ کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہوں نے وقتاً فوقتاً مختصر اور مفصل کتابیں و رسائل تبلیغ کے سلسلے میں تصنیف فرمائے۔ جن میں تبلیغ کی اہمیت و افادیت پر زور دیا ہے۔ کہ کس طرح آپ اپنے گھروں میں، بستی میں تبلیغ کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

مبلغین کے لیے چند ضروری باتیں:

جو لوگ دعوتِ دین میں مصروف ہیں، انہیں کس نہج پر اس فریضہ کو انجام دینا چاہیے اس کے متعلق چند باتیں درج ذیل سطور میں نقل کی جاتی ہیں۔ جسے شاہ صاحب نے ایسے موقعوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے:

(۱) تبلیغ کرنے اور دین سکھانے والے سیاسی جماعتوں سے علٰیحدہ رہیں، سیاسی معاملات میں ہرگز نہ پڑیں۔

(۲) دین سکھانے کے لیے نکلنے سے قبل اور فراغت کے بعد یہ دعاء کیا کرے۔ کہ اے اللہ اس وعظ و نصیحت اور تبلیغ میں ریا اور تکبر کے شر سے مجھے اور سامعین کو محفوظ فرما۔ اور اس کی خیر سے مجھے اور سامعین کو متمتع فرما۔

(۳) دین سکھانے یا وعظ کہنے کے وقت اپنے کو مثل اس مہتر اور چمار کے سمجھیں، جو سرکاری حکم کا اعلان کرتا ہے اور جن کو فہمائش کی جارہی ہے۔ ان کو اپنے سے افضل و برتر خیال کرے۔

(۴) تبلیغ یا خدمتِ دین کا اصل ثمرہ نجات آخرت اور اللہ کی رضا کو سمجھے۔ اور اس کے اثر و نفع کو مقصود نہ جانے، اگر کسی جگہ نفع نہ ہو یا کم ہو تو اس سے بددل نہ ہو۔ کیونکہ اپنا کام سعی و کوشش ہے، دوسروں کا ماننا اپنے اختیار میں نہیں اور غیر اختیاری باتوں کے پیچھے پڑنا اپنے کو تشویش میں ڈالنا ہے۔

اجر وثواب محض اس کوشش پر ہے، جو اخلاص سے ہو۔

(۵) اپنے کو مثل تیماردار کے اور جن کو دین کی طرف متوجہ کر رہا ہے مثل بیمار کے خیال کرے، اور بات چیت میں لب ولہجہ نرم ہو۔

(۶) لوگوں کے اثر قبول نہ کرنے سے معمولی رنج ہونے میں مضائقہ نہیں۔ بلکہ یہ شفقت کی نشانی اور محمود ہے۔لیکن زیادہ رنج کرنا اور اپنے کو فکر میں گھلانا کہ فلاں جگہ کے لوگ درست ہی ہو جاویں یہ حالت ظاہراً بہتر معلوم ہوتی ہے۔مگر حقیقتاً مناسب و پسندیدہ نہیں۔

(۷) ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی سے کہے اور واجبات میں اولاً نرمی اور پھر سختی سے کہے، اگر مصلحت ہو ورنہ احتراز کرے اور دعاء کرے۔اسی طرح اولاً منکر کے مبتلا کو تنہائی میں سمجھاویں، اگر وہ قبول نہ کرے تو اس بات کی برائی عام خطاب وعنوان سے ظاہر کریں تاکہ لوگ اس کی مضرت سے واقف ہو جاویں۔اور کسی کے اور فعل سے دھوکے میں نہ پڑیں۔

(۸) رات کو سونے سے قبل خود اپنے دن بھر کے کام نیز خدمتِ دین اور تبلیغ کے کاموں پر نظر ڈال لیا کرے کہ کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں۔اگر کوتاہیاں معلوم نہ ہوں تو شکر ادا کرے اور کوتاہی معلوم ہونے پر اس کی تلافی کرے۔

(۹) یہ بھی ذہن میں رکھے اور بضرورت لوگوں پر اس کا اظہار کرے کہ ہم سب کا اصل مقصد دین سیکھنا اور سکھانا ہے۔اس خدمت کو مختلف طریقوں سے مختلف جماعتیں کر رہی ہیں۔کوئی طریقہ مقاصدِ دین سے خالی نہیں۔اسی لیے کسی ایک طریقہ کی پابندی لازمی وضروری نہیں۔جس کو جس طریق سے مناسب ہو اس طرح خدمت کرے۔البتہ اصولِ دین کے خلاف کوئی طریقہ نہیں ہونا چاہیے۔اگر کسی طریق کے بارے میں شبہ ہو تو کسی محقق عالم سے استفسار کرے اور حسبِ ہدایت عمل کرے بحث ومباحثہ میں نہ پڑے۔[۴۹]

واعظ کو وقت کا بھی خیال رکھنا چاہیے:

ارشاد فرمایا کہ جب وعظ کا اعلان دس منٹ کا ہو تو دس منٹ میں وعظ ختم کر دینا چاہیے۔کیونکہ یہ اعلان بھی ایک عہد اور وعدہ ہے۔بعض لوگ مختصر وقت سمجھ کر شرکت کر لیتے ہیں اور دس منٹ بعد انکا کوئی

ضروری کام ہوتا ہے۔اب اگر وعظ طویل ہوا تو مجمع سے اٹھتے ہوئے شرم محسوس کر کے بیٹھے رہ جاتے ہیں اور دوبارہ جب اس کا اعلان سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ محض ایک زبانی اعلان ہے، عمل اس کے خلاف ہوگا۔اس سے اہل علم کے وقار کو نقصان پہونچتا ہے۔اور ان کے ساتھ قول وفعل میں تطابق کا حسنِ ظن قائم نہیں رہتا، البتہ دس منٹ کے بعد دعاء مانگ کر وعظ ختم کرنے کے بعد بھی لوگ شوق ظاہر کریں تو پھر مضمون کو طویل کیا جاسکتا ہے۔جب تک وہ شوق سے بیٹھیں۔۵۰؎

چندوہ باتیں جن کی پابندی سے ہر مسلمان مبلغ اور دیندار بن سکتا ہے:

شاہ صاحب کا ارشاد ہے:

(۱) اولاً تمام معاصی سے صدق دل سے توبہ کریں اور عزم کریں کہ حتی الوسع خلافِ شریعت کام نہ کریں گے، اور نہ اس میں شرکت کریں گے اور اعانت اور کوتاہی ہونے پر فوری تدارک حکم شرع کے موافق کریں گے؟

(۲) اپنے عقیدوں کو ٹھیک کرے۔اگر کوئی خلجان یا شبہ درپیش آوے تو کسی محقق عالم سے دریافت کرے۔

(۳) نماز با جماعت ادا کیا کرے۔اگرچہ محلّہ کا امام فسق ہی میں مبتلا ہو: اس کے فسق کی وجہ سے جماعت نہ چھوڑے۔

(۴) نماز خوب اطمینان سے ادا کرے اور نماز میں خشوع وخضوع کا اہتمام رکھے۔

(۵) اپنے اوپر لازم کرے کہ روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ کچھ نہ کچھ حسبِ گنجائش ووسعت اللہ تعالیٰ کے نام صدقہ وخیرات کیا کرے۔

(۶) فرض روزوں کے علاوہ مسنون روزوں کو بھی حسبِ تحمل رکھنے کی ہمت کرے۔اس سے دینی کاموں میں بڑی قوت پہنچتی ہے۔

(۷) قرآن شریف کی تصحیح کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔کم از کم ان سورتوں کی تصحیح کرلیں جو زبانی یاد ہیں اور نماز میں پڑھنے کی عادت ہے۔کسی صحیح پڑھنے والے سے قرآن شریف صحیح کرلیا کریں۔

(۸) اپنی وضع ولباس، معاشرت ومعاملات، شریعت کی حدود کے اندر رکھے، بالخصوص انگریزی وضع

کے بال ڈاڑھی نہ رکھنے یا یکمشت نہ ہونے کی صورت میں اس کو کتروانے سے سخت اجتناب کرے۔

(۹) اس کا بڑا اہتمام رکھے کہ اپنی زبان، ہاتھ، معاملہ، برتاؤ سے کسی انسان کو کسی قسم کی اذیت وتکلیف نہ پہونچے۔ اگر کوتاہی ہوجائے تو اس کی تلافی شریعت کے حکم کے موافق کرنے میں اپنی فلاح وکامیابی سمجھے، شرم وحیا نہ کرے۔ ایسی شرم وحیا پسندیدہ نہیں بلکہ تکبر ہے۔

(۱۰) اپنے ہر عمل میں خدا کی رضا وخوشنودی اور آخرت کی نجات ومغفرت ملحوظ رکھے اسی کو اخلاص کہتے ہیں۔

(۱۱) اپنے کو سب سے کمتر درجہ کا سمجھے اور اپنے اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ کا انعام اور امانت سمجھے اور ان اعمال کو خوب توجہ اور اہتمام سے سنت کے موافق کرتا رہے اور اپنے کو اس چمار کے مثل سمجھے جس کو بادشاہ نے کچھ قیمتی موتی حفاظت کے لیے دیئے ہوں کہ باحتیاط ان کو رکھے تو وہ اپنے کو چمار اور موتی کو موتی ہی سمجھتا ہے۔

(۱۲) اعمالِ صالحہ کرنے کے بعد بالخصوص ہر شب کو سوتے وقت یہ دعاء کیا کرے کہ اے اللہ حتی الوسع میں نے تعمیل ارشاد کی ہے۔ پھر بھی اعمال جیسے ہونا چاہئیں ویسے نہیں ہیں۔

(۱۳) جو امور طبیعت کے موفق پیش آویں ان کو اللہ تعالیٰ کا محض فضل سمجھیں، اپنا استحقاق نہ جانیں۔

(۱۴) یہ سمجھتا رہے کہ اللہ تعالیٰ جو سب حاکموں سے بڑے حاکم ہیں، ان کی نصرت ومدد ہمارے شاملِ حال ہے اور ہر قسم کی امداد واعانت پر وہ قادر ہے اور چونکہ وہ حکیم بھی ہے۔ لہٰذا جب اور جس طرح اس کی مصلحت اور ہماری بہتری ہوگی اس کی امداد کا ظہور ہوگا۔

(۱۵) اہل دین یا اہل اللہ کی صحبت اپنے اوپر لازم کرلے اور کسی اللہ والے سے باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کرلے اور عمر بھر اس سلسلے کو جاری رکھے، اگر ان اللہ والوں کا وصال ہوجائے تو دوسرے اللہ والے سے تعلق پیدا کرے۔

(۱۶) جب تک کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق قائم نہ ہو، اس وقت تک مندرجہ ذیل معمول اختیار کرے:

(الف) ذکر اللہ کی کثرت اختیار کرے چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، فارغ اوقات میں سبحان اللہ، الحمد للہ

،اللہ اکبر یا خالی اللہ اللہ پڑھا کرے اس میں کسی تعداد کی قید نہیں۔

(ب) کوئی وقت مقرر کر کے ایک تسبیح کلمۂ طیبہ کی ،ایک تسبیح درود شریف کی اور ایک استغفار کی اس نیت سے پڑھے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت دل میں بڑھے اور دنیا کی محبت گھٹے۔

(ج) جب بھی کوئی دینی کام کرے مثلاً سلام ،مصافحہ ،وضو،نماز ،تلاوت ،روزہ ،زکوٰۃ ،خیرات ،تو اس سے قبل یہ نیت رکھے کہ ان سے اللہ کی محبت اور ثواب میں ترقی ہو۔

(د) اللہ تعالیٰ کے انعامات کو روز دس منٹ سوچا کرے کہ اس نے انسان بنایا۔دولتِ ایمانی دی ، احباب اعزا اور بے شمار نعمتیں دی ہیں۔لہٰذا اس کی حمد وثناء اور اطاعت کیسی ضروری ہے۔ایسے محسن کی طرف سے بے التفاتی سخت مضربات اور بڑی نالائقی ہے ،اس سوچنے سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے اطاعت میں جان آتی ہے۔

(ہ) مرنے کے وقت سے لے کر حشر ونشر تک جو معاملات پیش آنے والے ہیں۔سوتے وقت ان کا تصور پندرہ منٹ کیا کرے۔

(و) جہنم کے عذاب کی انواع کو بھی دس منٹ سوچے کہ آگ ،سانپ ،بچھو،کھولتا ہوا پانی اللہ تعالیٰ کے قید خانے میں ہے۔اھ[۵۱]

وعظ بمقام مسجد بیت المکرّم (پاکستان)

حضرت شاہ صاحب نے اپنے متعدد اسفار میں مسلمانوں کو اور خاص طور پر مبلغین کرام سے براہ راست خطاب فرمایا اور ان کے سامنے اس نکتہ کی وضاحت کی کہ کیوں ہمیں دین کی دعوت دینی چاہیے اور پھر اسکے لیے کیا کیا طریقۂ کار اختیار کرنے چاہئیں۔تا کہ اللہ کے بندوں کو دین سے جوڑا جائے۔درجِ ذیل سطور میں ان کے بعض رہنما اصول نقل کیے جاتے ہیں۔جو پاکستان کے ایک سفر میں بیان فرمائے ہیں:

”فَأَمَّا مَن طَغَی ۔ وَآثَرَ الْحَیَاۃَ الدُّنیَا۔ فَإِنَّ الْجَحِیمَ ہِیَ الْمَأْوَی۔“(نازعات ۳۷-۳۹)

ارشاد فرمایا کہ ان آیات کے اندر حق تعالیٰ شانہ نے دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ایک چیز تو مطلوب ہے دوسری مہروب ہے ،اگر کسی مسلمان سے پوچھا جاوے کہ کیا جنت میں جانا چاہتے ہو تو ہر ایک کہے

گا بیشک ہم کو جنت مطلوب ہے اور اگر کسی سے معلوم کیا جائے کہ جہنم میں جانا چاہتے ہو تو ہر شخص جواب دے گا نہیں خدا بچائے۔

اب جنت کا راستہ اور جہنم کا راستہ سن لیجیے۔ جو جس راستے پر چلیگا وہاں ہی پہونچ جائیگا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سرکشی اور نافرمانی کا راستہ جہنم کا ہے، فرعون کا تذکرہ سورۂ نازعات پارہ ۳۰ میں ہے۔ فرعون کو سات سو سال کی زندگی دی گئی، چار سو سال تک اس کو درد سر بھی نہ ہوا۔ نعمت کی قدر کے بجائے سرکشی میں مبتلا ہو گیا۔ سرکشی کے بھی درجے ہیں اول نمبر کا سرکش باغی کہلاتا ہے۔ جو حکومت ہی کو تسلیم نہیں کرتا، اور دوم نمبر کا سرکش وہ ہے کہ جو حکومت کو تسلیم کرتا ہے مگر احکام بجا نہیں لاتا۔ باغی کی سزا سزائے موت یا حبس دوام ہے۔ درجہ دوم والا بھی باغی کے ساتھ کچھ دن رہے گا، پھر سزا پا کر مدتِ سزا گزار کر مطیعین کے ساتھ آجائے گا۔ اور حکومت کے وفادار کو پنشن دائمی ملتی ہے۔

نیک لوگ کہاں رہیں گے اور برے لوگ کہاں۔ دونوں کا کیا مقام ہے اور ان کا نام کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ۔ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ (الانفطار: ۱۳۔۱۴)

(نیک لوگ جنت میں اور فاجر و سرکش لوگ جہنم میں ہونگے)

طغیانی اور سرکشی کا سبب کیا ہوتا ہے، حیٰوۃ دنیا کی حد سے زیادہ محبت کہ آخرت پر ترجیح دینے لگے۔ دنیا کی محبت ہی ہر گناہ کی جڑ ہے۔ اگرچہ جہنم تو صرف باغیوں کے لیے ہے، جن کو کافر اور مشرک کہا جاتا ہے۔ مگر کچھ دن کے لیے گنہگار مسلمان بھی داخل کیے جائیں گے جو بدون توبہ مر جائیں گے۔

درمیان وعظ ایک صاحب ذکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ذکر کو ملتوی کر دیجیے۔ جب دنیا کی ضرورت سے ذکر کو ملتوی کر دیتے ہیں جس کو طبعی حاجت کہتے ہیں۔ تو شرعی حاجت یعنی وعظ سننے کے لیے کیوں ملتوی نہیں کرتے۔ دنیا کو ترجیح دینا آخرت پر کیوں کر ہوتا ہے، اس کی کچھ مثالیں بیان کرتا ہوں تا کہ سمجھ میں آجاوے، مثلاً عورت نامحرم سامنے آئی بدنگاہی کر لی خدا کا خوف نہ کیا قانون شکنی کر دی۔ دوسری مثال نماز کا وقت ہو گیا پڑا سو رہا ہے، تیسری مثال آمدنی حلال قلیل تھی دوسروں کا عیش دیکھ کر لالچ میں آ گیا، رشوت لینا شروع کر دی، حرام آمدنی سے نہ ڈرا، لاٹری، معمہ،

سٹہ اور سود جوا کا ارتکاب کیا، ہر حکم عدولی کرنے والا نافرنی کرنے والا دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والا ہے اور یہی جہنم کا راستہ ہے یعنی سرکشی کا اور جس کا سبب دنیا کی شرعی حد سے زیادہ محبت کرنا ہے۔ اور جنت کا راستہ کیا ہے۔ بری خواہش پیدا ہوئی اس کو دبا دیا:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ (النازعات:۴۰)

قیامت کے دن حق تعالیٰ کے سامنے حساب کتاب کا خوف ہوا اور نفس کی خواہش کو دبا دیا بس یہی جنت کا راستہ ہے۔؟

وقتی طور پر نفس کو دبانا آسان ہے، مگر دائمی طور پر نفس کو دبانا باطنی خشیت اور تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں اور خوف وخشیت اہل خشیت اور اہل خوف کی صحبت سے ملتی ہے، مگر بعض لوگوں کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر ہم اللہ والوں کے پاس جائیں گے تو ہم کو ناجائز دنیا اور گناہ کے لطف چھوڑنے پڑیں گے، تو میرے دوستو چھوڑنا نہیں پڑیگا خود چھوڑ دو گے۔ پڑنا تو بادل ناخواستہ ہوتا ہے۔ خود دل چاہے گا سب گناہ چھوڑنے کو؟ اس کی ایک مثال اللہ نے حیدرآباد میں میرے قلب میں عطاء فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص پانچ ہزار روپے رشوت لے کر جا رہا ہے۔ راستہ میں اس کا ایک دوست موٹر سائیکل لے کر آیا اور کان میں کہا کہ ان نوٹوں کے بعض پر دستخط ہیں تم کو پھنسانے کے لیے ایسا کیا گیا۔ پولس تمہاری تلاش میں تعاقب کر رہی ہے۔ یہ شخص اسی وقت تمام نوٹوں کو خوشی خوشی پھینک دیگا یا نہیں۔ پس جہنم کا خوف اور اللہ کے غضب اور قہر کا خوف اللہ والوں کے پاس آنے جانے سے پیدا ہوگا تو سب ناجائز کاموں سے خود ہی بھاگو گے۔ اور خوشی خوشی چھوڑ دو گے۔ ۵۲؎

ارشاد فرمایا کہ جس خالق قلب کے قبضۂ قدرت میں موت وحیات ہے وہ عناد کو بھی نکال سکتا ہے۔ ایک شخص اعمال اہل جہنم کرتا ہے، حتی کہ ایک بالشت کا فرق رہ جاتا ہے مگر تقدیر غالب آجاتی ہے تو اعمال اہل جنت کر کے جنتی ہو جاتا ہے۔ اس لیے کیا معلوم ہے کہ کس کا عناد کب ختم ہو جائے۔ پس مایوس ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ اور کسی کے متعلق یہ طے کر لینا بھی آسان نہیں کہ اس میں عناد ہے۔ اس کے لیے بڑے تجربہ اور گہری بصیرت درکار ہے۔ نیز اگر ایک شخص میں عناد ہو تو اس کو تبلیغ کرنے میں دوسروں کی منفعت بہرحال ہے کہ دوسرے کام کرنے والوں اور دیکھنے والوں کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ اور امر ونہی کی

حقانیت دل میں مستحکم ہوتی ہے۔اس سب کے علاوہ قبول وعدم قبول کی ذمہ داری مبلغ پر بالکل نہیں۔بلکہ اس تصور سے خالی ہوکر تبلیغ کی ضرورت ہے۔نیت یہ رکھے کہ اس راہ میں جتنی زیادہ سے زیادہ مخلوق تک کلمۂ خیر پہونچاؤنگا۔اسی قدراللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور ہرہر مصیبت پر بے شماراجر وعطاء کے وعدے ہیں۔وہ سب صادق ہیں اور یہی مقصود ہیں۔تاہم اگراس کے ساتھ قبول کی دولت بھی مل جاوے تو نفع آجل کے ساتھ نفع عاجل بھی حاصل ہوجائے گا۔مگرمقصود اصل نفع آجل ہونا چاہیے جوکہ بہرحال حاصل ہے۔یہاں اگرمخلوق قبول نہ کرے تو خالق کی قبولیت کا وعدہ بالکل سچا ہے۔البتہ ایک چیز بہت ہی قابلِ رعایت ہے۔وہ کلمۂ حق کا پیش کرنا ہے۔۵۳

تبلیغ اصلاح منکرات وتقویٰ کا اہم شعبہ ہے:

ارشادفرمایا کہ کتاب وسنت میں جابجاتقویٰ اختیار کرنے کی تاکیدآئی ہے نیز دنیاوآخرت میں کامیابی اورنجات کواس پرموقوف کیا گیاہے۔اس کے بغیر نہ دنیامیں سکون نصیب ہوگا نہ آخرت میں نجات۔تقویٰ کے دوجزء ہیں:امتثال اوامرواجتناب نواہی۔یعنی مامورات پرعمل کرنا،منہیات سے باز رہنا۔مامورات پراکتفا کرکے منہیات سے صرف نظرکرنے سے تقویٰ کامل نہ ہوگا۔اورنہ اس کے بغیر نجات نصیب ہوگی۔دعوت وتبلیغ بھی تقویٰ کا ایک اہم شعبہ ہے،جس کے بغیرآدمی متقی نہیں بن سکتا۔تبلیغ کے بھی دوجزء ہیں۔امر بالمعروف اورنہی عن المنکر۔یعنی اچھائیوں کوپھیلانا اور برائیوں سے روکنا،دونوں کے مجموعہ کانام تبلیغِ دین ہے،اگرصرف امر بالمعروف کیاجائے،نہی عن المنکر کوترک کردیاجائے توتبلیغ ناقص ہوگی۔جوحصول نجات اورعذاب خداوندی سے بچنے کے لیے ناکافی ہے۔بدقسمتی سے اس وقت تبلیغی کوششیں اگرچہ بہت کچھ ہورہی ہیں،انفرادی بھی،اجتماعی بھی،لیکن اکثروبیشتران کامحوراوردائرہ صرف اورصرف مامورات ہیں،منہیات سے تعرض کرنے کومختلف وجوہ سے خلافِ مصلحت سمجھتے ہیں،اوراس وجہ سے اس فریضہ کے تارک ہورہے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ مامورات کی طرح منہیات کوبھی مقصود بناکرتبلیغی جدوجہد کی جائے۔انفراداً بھی اجتماعاً بھی،تقریراً بھی اورتحریراً بھی۔۵۴

اس کے لیے ہرعلاقہ میں موقع ومحل کے لحاظ سے مختلف صورتیں اختیار کی جائیں۔جوحالات اور ضرورت کے اعتبار سے بدلتی بھی رہ سکتی ہیں۔ضرورت کے پیش نظرجن منکرات ومنہیات میں ابتلاء عام

ہے۔عوام وخواص، ائمہ ومؤذنین، معلمین ومتعلمین بھی ان میں مبتلاء رہے ہیں۔ان کے متعلق قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں مفید اور صالح مواد تیار کر کے امت کے سامنے پیش کیا جائے ،مثلاً اس وقت تصویر کشی فلم سازی ، بے پردگی ، بے حیائی ،اور فضول خرچی کی وباعام ہوچکی ہے اور اس کو حدود جواز میں لانے تک کی کوشش کی جاتی ہے۔داڑھی کٹانے ٹخنوں سے نیچے لباس کرنے کا ہمارے مدارس کے طلباء کا فیشن بنتا جارہا ہے۔بارہ ربیع الاول کے موقع پر عید میلا دالنبی ﷺ کے عنوان سے بڑے جلسے جلوس ہوتے ہیں۔جن میں خواص تک شریک ہوتے ہیں۔جن کو شعائرِ اسلام تک کا درجہ دے دیا گیا۔ دستار بندی ، سنگِ بنیاد، ختم بخاری شریف کو بڑی اہمیت دی جانے لگی ہے،اور اس میں بڑا وقت اور پیسہ صرف کیا جاتا ہے۔جس سے مقصود رضائے حق کے بجائے ارضاءِ خلق یعنی مخلوق کو دکھلانا اور خوش کرنا ہوتا جارہا ہے،عورتوں کو میراث کے حصے سے محروم کردینے کا رواج عام ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ بہت سے منکرات شامل ہیں۔ان سب کے متعلق کتاب وسنت اور فقہ کی روشنی میں مسائل وفضائل مرتب کر کے پوسٹر ورسائل کی شکل میں مختلف رائج زبانوں میں عوام وخواص تک پہونچائے جائیں۔۵۵

اجتماعی طور پر نہی عن المنکر کا کام نہیں ہورہا ہے:

الحمدللہ دعوت دین کا کام جاری وساری ہے۔انفرادی اور اجتماعی طرز سے لوگ اس نبوی مشن کو انجام دے رہے ہیں۔لیکن انفرادی طور پر بعض لوگ نہی عن المنکر کا فریضہ تو انجام دے رہے ہیں۔مگر اجتماعی طور پر یہ مبارک کام انجام نہیں دیا جارہا ہے۔اگر اس نہج پر یہ کام ہونے لگے تو اس کے مؤثر اثرات مرتب ہوں گے۔

اس سلسلے میں شاہ صاحب نے ارشادفرمایا کہ جولوگ مامورات پر عمل کررہے ہیں اس میں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ان لوگوں میں ایسے کتنے ہیں جو اس کو پھیلانے والے ہیں۔اس کی طرف دعوت دینے والے کتنے ہیں۔تو ماشاء اللہ ایسے لوگ بہت ہیں۔مامورات کو پھیلانے کی، اس کی اشاعت کی ،اس کی طرف متوجہ کرنے کی محنت ہورہی ہے۔بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں۔وعظ وتقریر ہوتی ہے، اشاعتِ احکام اشتہارات کے ذریعہ ہوتی ہے۔مگر منکرات سے روک ٹوک میں بہت کمی ہورہی ہے۔جماعتی حیثیت سے محنت کی کمی ہے۔آج مساجد کے انتظام کے لیے کمیٹی ہے۔مدرسہ کے انتظام کے لیے کمیٹی

ہے۔لیکن منکرات جو پھیل رہے ہیں معاشرے میں جو خرابیاں اور برائیاں پھیلتی جارہی ہیں رسم ورواج کا اضافہ ہوتا جارہا ہے ۔ اس کو ختم کرنے کے لیے مٹانے کے لیے اجتماعی طور پر محنت نہیں ہورہی ہے۔ الا ماشاء اللہ، یوں انفرادی طور پر تو کام ہورہا ہے۔مگر جس طرح مامورات کے لیے جماعتی حیثیت سے کام ماشاء اللہ ہورہا ہے۔اس طرح منکرات پر کام نہیں ہورہا ہے۔حالانکہ اس کے لیے بھی شرعی اعتبار سے ایسی جماعت ہونی چاہیے۔اس سلسلے میں جو کوتاہی ہورہی ہے۔اس پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔[۵۶]

آگے فرماتے ہیں کہ وہ حضرات جو اپنی دین داری پر مطمئن ہوکر دنیا سے یکسو ہو بیٹھے اس سے بے فکر نہ رہیں کہ خدانخواستہ اگر منکرات کے اس شیوع پر کوئی بلا نازل ہوگئی تو ان کو بھی خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔[۵۷]

۲/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۰ستمبر۲۰۰۲ء کو حضرت ہردوئی نے مجلسِ دعوۃ الحق کے زیراہتمام (موجودہ پریشانیوں کے حل کا سہل نسخہ) کے نام سے پمفلٹ تیار کرایا۔جس میں درج ذیل باتوں کی طرف عوام وخواص کی توجہ مبذول کرائی۔

(۱) ایک گناہ اور ایک سنت روزانہ یاد کرنا اور آپس میں گھر کے لوگوں کو بھی یاد کرانا۔اور اگلے روز اس کے سننے سنانے کا بھی نظام قائم کرنا۔یاد نہ ہونے پر سبق آگے نہ دینا، جو یاد کرایا ہے وہ یاد ہوجانے پر سبق آگے دیدینا۔

(۲) ہر شخص کو تین سو مرتبہ کلمہ شریف، تین سو مرتبہ درود شریف، تین سو مرتبہ استغفار کا پڑھنا۔اگر کسی روز کوئی عذر ہو تو اس کا دسواں حصہ پڑھنا۔

(۳) تعلیم الدین ،حیوٰۃ المسلمین ،جزاء الاعمال ،حقوق الاسلام ،میں سے تھوڑا تھوڑا روزانہ گھروں میں بھی سننے سنانے کا اہتمام کرنا۔

(۴) اہل علم حضرات ومشائخ سے ملنے جلنے کا اہتمام رکھنا۔

(۵) روزانہ ہر شخص نماز کے اوقات میں یہ سوچا کرے کہ ایک دن ہم کو یہاں سے جانا ہے۔اور اس کی کیا تیاری کی ہے۔

(۶) جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ،ان لوگوں کو جماعت کی نماز کی پابندی کرانا۔اور اس کی نگرانی کا نظام بنانا۔

(۷) ہرضرورت کے لیے دعا کا اہتمام کرنا یعنی اصلاح، گھر والوں، بستی والوں اور سارے عالم کی اصلاح کے لیے بھی دعاء کرتے رہنا۔

اہلِ منصب وثروت کو دعوت کا طریقۂ کار:

اہل منصب وثروت کے درمیان کس طرح دین کی دعوت پیش کی جانی چاہیے۔اس کے متعلق مؤثر ترین طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحب نے ارشادفرمایا کہ بستی یا محلّہ کے اہلِ اصلاح واہلِ خیرواہل وجاہت کے پاس اس قسم کے حضرات جاویں جو محلّہ یا بستی کے گشت کے لیے تجویز ہوئے ہیں۔اوران کو سمجھاویں اور بتلاویں کہ آنحضورﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بندوں میں نافرمانی زیادہ ہوگی تو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہونگے۔لہذا جب تک نافرمانی کی کمی نہ ہوگی۔کسی طرح مصیبتوں سے چھٹکارانہیں ہوسکتا۔

جن کو کلمہ نہیں آتا ان سے تبلیغ کا طریقہ:

ارشادفرمایا کہ بھائی صاحب !ہرمسلمان کی خواہش ہے کہ مرتے وقت منھ سے کلمہ نکلے اور یہ تحریرسے ثابت ہے کہ آدمی کی زبان پر جو چیز چڑھی ،دل میں جو بسی ہوئی ہے وہی مرتے وقت زبان پراز خود جاری ہوجاتی ہے۔اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ کلمہ شریف خوب پڑھتے رہا کریں۔نہ وضو کی قیداور نہ تعداد کی۔چلتے پھرتے ،اٹھتے بیٹھتے غرضیکہ جس طرح بن پڑے اس کے پڑھنے کی عادت رکھیں۔کلمہ شریف کو صحیح پڑھنا ضروری ہے جس طرح کھانے میں نمک کی کمی یا زیادتی سے مزہ خراب ہوجاتا ہے۔اسی طرح کلمہ میں کمی بیشی سے ثواب میں کمی بیشی ہوجاتی ہے۔؁۵۸

فصل سوم

احیاءِ سنت

مولانا شاہ ابرار الحقؒ اور احیاءِ سنت:

مولانا شاہ ابرار الحق ممتاز اور بعض حیثیتوں سے منفرد شخصیت کے حامل تھے ''محی السنہ'' ان کا لقب تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کی پوری زندگی سنتوں کے اردگرد گھومتی ہے۔ بیسویں صدی عیسوی میں بہت کم ایسے افراد پیدا ہوئے جو سنتوں کو عام کرنے اور شب و روز کے معمولات کو سیرت نبویؐ کے تناظر میں ڈھالنے میں کمربستہ رہے ہوں، علماء اور عوام کو براہِ راست سنت کے احیاء کی طرف متوجہ کرنا، حالانکہ فی زماننا مصلحت پسندی اور موقع پرستی کے بہانے بسا اوقات مداہنت تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ شاہ صاحب کو اس معاملے میں بھی امتیازی شان حاصل تھی۔ اہلِ ثروت کی مالداری، عہدیداروں کے عہدے اور قرابت داروں کی قرابت کا لحاظ کیے بغیر ہر ایک کو احیاءِ سنت کا حکم کرنا اور اس پر کاربند رہنے کا طریقہ بتلانا۔ ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ ان کی موجودگی میں طریقۂ سنت کے خلاف کوئی کام کیا جائے اور بسلسلۂ سنت خاموش رہیں، یہ تربیت کا اچھا انداز تھا کہ فوری طور پر ٹوک دیا کرتے تھے۔ مخاطب پر اس کا گہرا اثر پڑتا تھا اور وہ ہمیشہ کے لیے خلافِ سنت کام کو ترک کر دیتا تھا۔ اس طرح نہ جانے کتنے افراد سنتوں کے عاشق ہو گئے۔ آپ کی شخصیت سنت کا بہترین مظہر نظر آنے کے ساتھ ساتھ تصوف و طریقت کا ایک حسین سنگم نظر آتی تھی۔ جس میں بھی عام انداز کے بجائے سنت کے ہر پہلو کو مدِ نظر رکھا جاتا تھا۔ اللہ نے آپ کو صرف خاص علاقے کی رہنمائی کے لیے نہیں پیدا فرمایا تھا بلکہ ان کی شخصیت کو پورے عالم کے بسنے والے مسلمانوں کے لیے علمی اور قلبی پیاس بجھانے کا سبب بنایا، بلکہ نبی اکرم ﷺ کی ہر ہر سنت کو زندہ کرنے اور کروانے کا اعلیٰ ماہر بھی بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات اس معاملہ میں کسی تعارف کی محتاج نہیں تھی، ایسی شخصیت جس کی پوری زندگی احیاء سنت میں صرف ہوئی ہو، ظاہر ہے اس کا مقام اللہ کے نزدیک کتنا بلند ہوگا، زندگی کا ہر لمحہ سنت کے مطابق گزارنا اور دوسروں کو اسی طرح زندگی گزار

نے کی تلقین کرناان کی زندگی کانصب العین تھا۔ اٹھنے ،بیٹھنے ،کھانے ،پینے ،سونے ،جاگنے اور سفر وحضر میں طریقۂ سنت ہمیشہ ملحوظِ نظر رہتا تھا۔ خود بھی خلافِ سنت کوئی کام نہیں کرتے تھے اور ہوتے ہوئے بھی نہیں دیکھ پاتے تھے ۔اگر کسی سنت کے سلسلے میں کسی قسم کا شبہہ ہوتا تو تحقیق کرتے اور بعد تحقیق ہی اس پر عمل کرتے ،اخیر عمر میں کھانے کے بعد کی دعاء کی تحقیق کررہے تھے کہ اصل دعاء میں مِنْ کا لفظ ہے یا نہیں۔ اپنے مدرسہ کے طلباء کو سنتوں کی خوب سے خوب تر عملی مشق کے ذریعہ عادی بنایا کرتے تھے ،گویا آپ کی زندگی کا مقصد ہی سنت پر عمل کرنا اور عوام وخواص کو سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دینا تھا۔

اتباع سنت واحیاء سنت کے بعض نمونے:

شاہ صاحب کی زندگی کا ایک ایک لمحہ آنحضورﷺ کی ایک ایک سنت پر عمل کرنا اور پھر دوسروں کی توجہ سنن کی طرف مبذول کرانا تھی ،آپ کی ہر نقل وحرکت آنحضورﷺ کے شمائل مبارکہ سے ملتی تھی ۔جیسے:

سوکر بیدار ہونا:

جب سوکر اٹھتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے ۔الحمدلله الذی احیانابعدمااماتناو الیه النشور۔

ترجمہ: تمام تعریف اس اللہ جل جلالہ کے لیے ہے جس نے موت کے بعد زندگی عطاء فرمائی اوراسی پاک ذات کی طرف قیامت میں لوٹنا ہے۔

جوتایالباس پہننا:

جوتایالباس پہلے دائیں جانب سے پہنتے اوراتارنے میں پہلے بائیں جانب سے اتارتے تھے۔

سرمہ لگانا:

روزانہ سونے سے پہلے سرمہ لگایا کرتے تھے ۔معمول تین تین سلائی سرمہ لگانے کا تھا۔

رفتار:

چلتے تھے تو ہمت اورقوت سے پاؤں اٹھاتے اورتیز چلتے گویا اونچائی سے اتر رہے ہوں، چلنے میں نگاہ نیچی رکھتے تھے۔

بیٹھنے کا انداز:

جب مسجد میں تشریف رکھتے تو گوٹ مار کر تشریف رکھتے تھے (گوٹ مار کر بیٹھنا یہ کہلاتا ہے کہ اکڑوں اس طرح بیٹھے کہ کولہے فرش پر ٹکے ہوں اور دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں پر حلقہ کرے)

پانی پینے کا انداز:

پانی پینے میں تین مرتبہ رک کر سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقہ سے پینا زیادہ خوشگوار ہے اور سیر کرنے والا ہے اور فرمایا کہ پانی چوس چوس کر پیو غٹ غٹ مت پیو اور فرمایا کہ پانی پہلے دیکھ لیا کرو۔

مسواک:

جب نماز کے لیے وضو کرتے تب بھی مسواک کرتے اور جب تلاوت قرآن کریم یا سونے کا ارادہ فرماتے تو بھی وضو کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

سلام میں سبقت:

سلام کرنے میں سبقت کرتے تھے اور آنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے تھے، جب بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کرتے۔ جب کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور گھر والوں کے لیے آواز سے السلام علیکم فرماتے اور فرماتے صحت سلام کی اشد ضرورت ہے کہ ہمزہ اور میم کی حرکت صاف ظاہر ہو۔ رات کو کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو اتنی آواز سے السلام علیکم فرماتے کہ جاگنے والا سن لیتا اور سونے والے کی آنکھ نہ کھلتی تھی۔

دیگر اخلاق حمیدہ:

ذاتی معاملہ میں نہ غصہ فرماتے نہ بدلہ لیتے، ناراضگی کا اظہار فرماتے تو چہرہ پھیر لیتے مگر زبان سے سخت وست نہ فرماتے، شدت حیاء کی وجہ سے آنکھ میں آنکھ ڈال کر نہ دیکھتے تھے۔ کبھی بھی کسی نے ننگے بدن نہیں دیکھا یعنی حیا کی وجہ سے تولیہ وغیرہ ڈلوالیا کرتے تھے۔ مصافحہ میں جب تک دوسرا ہاتھ نہ چھوڑتا آپ بھی ہاتھ نہیں چھڑاتے۔ مصافحہ میں بھی سنت طریقہ لوگوں کو سمجھاتے تھے کیونکہ آنحضور ﷺ کی زندگی انہی اوصاف سے متصف تھی۔ آپ ﷺ کی ایک ایک ادا پر فدا تھے، اور سو فیصد سنتوں پر عمل کرتے

تھے، جس کی وجہ سے امتِ مسلمہ نے مولانا کو ''محی السنہ'' کے لقب سے نوازا تھا۔۵۹

متروک سنت پر عمل کرنے کا امتیازی جذبہ:

شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جو سنت متروک ہو چکی ہو۔ یعنی اس سے لوگ بے اعتنائی برتتے ہوں اس پر عمل کرنے کا ثواب بہت زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

من تمسك بسنتی عندفسادامتی فله اجرمائة شهيد۔۶۰

(جو شخص میری سنت کو مضبوطی سے پکڑ لے میری امت کے فساد کے وقت تو اس کے لیے سو شہیدوں کے برابر ثواب ہے)

نقلِ میت کے سلسلے میں عموماً صلحاء وعلماء ترک سنت میں مبتلا تھے۔ شاہ صاحب نے اس سلسلے میں تمام علماء ھند و بیرون ھند سے فتویٰ طلب کیا اور اس پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی کہ نقل میت زیادہ طویل مسافت میں شرعاً درست نہیں، وصیت فرمائی کہ میرا کہیں بھی انتقال ہو وہیں دفن کر دینا۔ ہردوئی لانے کو سخت منع کر دیا تھا۔ آپ کا انتقال ہردوئی میں ہی ہوا۔ قاری صدیق احمد باندوی کے جنازہ میں صرف اسی لیے تشریف نہیں لے گئے کہ وہ حضرات لکھنؤ سے ہتورا لے گئے تھے۔ فرمایا میرا جانا عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کر دے گا۔ کیونکہ نقلِ میت شرعاً درست نہیں ہے۔۶۱

ایک موقع پر فرمایا کہ جن سنتوں پر خاندان یا معاشرہ مزاحمت نہیں کرتا ان پر عمل فوراً شروع کر دیں جیسے کھانے پینے کی سنتیں، سونے جاگنے کی سنتیں وغیرہ، تو اس سے نور پیدا ہوگا۔ روح میں قوت پیدا ہوگی اور پھر ان سنتوں پر عمل کی توفیق ہونے لگے گی۔ جو نفس پر مشکل ہیں اور معاشرہ اور ماحول اس میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

آگے فرمایا کہ سنت کا راستہ اسہل، اجمل اور اکمل ہے۔ مثلاً ہاتھ دھو کر کھانا یہ اجمل ہے اور سامنے سے کھانا اسہل ہے اور بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ کہکر کھانا یہ اکمل ہے۔ کیونکہ اس سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔۶۲

ارشاد فرمایا کہ جہاں سنتوں کو پھیلایا گیا وہاں کے عوام سے وہ بدگمانی جو ہمارے اکابر کے ساتھ تھی جاتی رہی اور ان کی سمجھ میں آ گیا۔ یہی اصلی عاشق رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ہر سنت کا راستہ اسہل، اجمل اور اکمل ہے۔ غیر متوقع سنت خواہ وہ ہوا پر اڑنے والا ہو وہ متبع سنت سے افضل نہیں ہوسکتا۔ اس کی مثال

ایسی ہے جیسے کہ پائلٹ ہوائی جہاز اڑا کر وزیر اعظم کو بھی سفر کرا سکتا ہے تو درجہ کس کا افضل ہے۔بعض وقت ہوائی جہاز اڑانے والا غیر مسلم ہوتا ہے اور اس ہوائی جہاز پر بیٹھنے والے اولیاء اللہ ہوتے ہیں غور فرمالیں۔٦٣ے

سنت پر عمل کرنے سے امت زندہ ہو جاتی ہے:

فرمایا کہ کمزور آدمی جب خمیرہ کھانا شروع کرتا ہے تو طاقت آجاتی ہے کہ نہیں۔ایک ذرا سی ٹکیہ کھاتے ہو بخار چلا جاتا ہے، انجکشن لگاتے ہو طاقت آجاتی ہے ۔کیا سنت کی ٹکیہ کھاؤ گے تو امت زندہ نہیں ہوگی ،چین وسکون نہیں ملے گا۔کوئی خمیرہ کھائیگا،مقویات کھائے گا اثر ہوگا کہ نہیں۔لیکن مسلسل کھائے قاعدہ سے کھائے ،اسی طرح اہتمام کے ساتھ سنت پر عمل کرے مسلسل عمل کرے تا کہ ساری زندگی سنت کے موافق ہو جائے ۔ پہلے ان سنتوں پر عمل کرنا شروع کر دے جن پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں، مزاحمت کرنے والا نہیں، پھر اور سنتوں پر عمل کرنے کی قوت وہمت پیدا ہو جائیگی ۔سونے کی سنتوں پر عمل کرنے سے کون روکتا ہے ۔کھانے اور پینے کی سنتوں پر عمل کرنے سے کون روکتا ہے ۔ان سنتوں پر عمل کرو گے تو جو اور سنتیں اور واجبات ہیں ان پر عمل کرنا آسان ہو جائیگا۔بعض فرائض ،بعض واجبات پر عمل کرنے سے گھر والے روکتے ہیں۔بعضوں کی بیویاں شرعی داڑھی سے روکتی ہیں کہتے ہیں کہ ارے میاں ابھی تو تمہاری شادی ہوئی نہیں اور تم نے داڑھی رکھ لی، بعض شرعی پردہ کی مخالفت کرتے ہیں، جبکہ شرعی پردہ بے شمار خرافات سے بچانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔٦٤ے

سنت کو یاد کرانے کا اہتمام:

شاہ صاحب کے اپنے یہاں بھی بچوں کو سنتیں یاد کرائی جاتیں اور دیگر مدارس میں بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔جگہ جگہ سنتوں کو یاد کرانے کے لیے ایک سہل اور آسان طریقہ تجویز فرمایا تھا۔ ''ایک منٹ کا مدرسہ'' کیونکہ لوگوں کو زیادہ وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے ،مگر ہر نماز کے بعد ایک منٹ نکالنا کسی کے لیے بھی مشکل نہیں اس طرح ایک منٹ میں کئی سنتیں یاد ہو سکتی ہیں اگر یہی سلسلہ روزانہ قائم رہے تو سال بھر میں کتنی سنتیں یاد ہو جائینگی ،ایک منٹ کا مدرسہ کے نام سے ایک چھوٹا سا کتابچہ طبع بھی کرایا تھا اور اس کے مطابق سینکڑوں ہزاروں جگہ سنتیں یاد کرنے اور کرانے کا سلسلہ قائم ہوا۔اور لوگوں کی وضو، نماز، سنت کے مطابق ہو گئیں ،اور کھانے ،پینے ،سونے ، جاگنے وغیرہ امور سے متعلق ہزاروں لوگوں کو

سنتیں یاد ہوگئیں اور سنت کے مطابق زندگی بن گئی اور ہر جگہ سنت کا ذکر، تذکرہ ہونے اور رہنے لگا، فرمایا کرتے کہ سنت یاد ہونے سے کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی سنت پر عمل کی توفیق ہوگی انشاءاللہ۔

فرماتے کہ نماز کی اکیاون سنتیں ہیں اگر ایک ایک یاد کی جائے تو ۱۰۱، ادن میں نماز سنت کے مطابق ہوسکتی ہے اس کے لیے ائمہ حضرات سے رجوع کریں ان کو معلوم ہوگا وہ بتا دیں گے ورنہ معلوم کر کے بتائیں گے۔ ۶۵؎

خلافِ سنت کام پرنا گواری:

شاہ صاحب کو کوئی کام بھی خلاف سنت ہرگز ہرگز گوارہ نہ تھا، حضرت مولانا محمد زکریا کیرانوی (خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ) اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں:

''ایک حادثہ کے موقع پر یہ ناچیز حاضر ہوا، سلام کے جواب کے بعد بڑے درد بھرے لہجہ میں فرمایا آیئے کیا واقعہ پیش آیا آپ کے ساتھ، گویا حضرت کو مجھ سے بھی زیادہ تکلیف ہے۔ پھر لیٹے لیٹے معانقہ فرمایا اس کے بعد ناچیز نے دکھ بھری داستان سنانا شروع کی، اسی دوران عصر کی اذان شروع ہوگئی، میری گفتگو جاری رہی۔ حضرت کے چہرے پر فوراً نا گواری کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا ٹھہر جایئے۔ اذان کی دعاء کے بعد فرمایا۔ باقی باتیں پھر ہوجائینگی۔ بعد نماز مغرب بلوایا اور باقی بات سنی۔ اذان کے وقت کوئی سلام کرتا یا بات کرتا تو فرماتے تھے کہ بھئی اذان کے وقت سلام نہیں بلکہ اذان کا جواب دینا چاہیے۔'' ۶۶؎

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا مسافرت کا گھر ہے، ہم سب مسافر ہیں۔ اور ہمارے سفر کی آخری منزل آخرت ہے۔ دنیا کے ہر مسافر کو اپنے سفر میں تین چیزیں مطلوب ہوتی ہیں:

(۱) یہ کہ سفر راحت و آرام سے ہو۔

(۲) یہ کہ سفر عزت کے ساتھ ہو۔

(۳) یہ کہ سفر عجلت کے ساتھ ہو۔

ان ہی تینوں چیزوں کے حصول کے لیے ہر مسافر اپنی حیثیت کے مطابق اے۔سی کلاس سے لے

کرسلیپر کلاس تک تخصیص (ریزرویشن) کراتا ہے۔ ۶۷

حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی فکر:

آپ مسلمانوں کی زندگی کو شفافیت کے آئینہ میں اتارنا چاہتے تھے اور شرک وبدعت سے دور رکھنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سچی محبت رکھنے اور ان کی اطاعت کا ہر وقت خیال کرنے کی فکر کتنی شدت سے ان کو دامن گیر تھی۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح سنت کے آئینہ میں کرنے کی پوری تاکید فرماتے تھے اور ایک مسلمان کی زندگی کو ہر اعتبار سے ممتاز اور اس کو دوسروں کے لیے نمونہ بنانا چاہتے تھے اور غفلت سے دوچار تمام سنتوں کو زندہ کرنے اور ان پر سچائی کے ساتھ عمل کرنے کی نصیحت کرنا آپ کے شب وروز کا معمول تھا، اور اس معمول کی نہایت پابندی کے ساتھ ادائیگی میں اپنی جملہ توانائی صرف فرماتے تھے۔ ایک انسان کا دوسرے انسان پر کیا حق ہے اور ان کے آپس کے تعلقات کی کیا نوعیت ہے اور تمام انسانوں کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کی کیا نوعیت ہونی چاہیے۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہدایات وارشادات کا ایک قیمتی ذخیرہ امت کو عطا فرمایا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دائمی روشنی کا ایک معیار قائم کردیا اور گم کردہ راہوں اور بھٹکے ہوئے مسافروں کے لیے صحیح رہنمائی کا مستند ذریعہ فراہم کردیا۔

چونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے حقوق کے ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس لیے شاہ صاحب نے والدین کے چودہ حقوق بیان فرمائے ہیں۔ جن میں سے سات حقوق ان کی زندگی میں ادا کرنیکی تاکید ہے اور سات حقوق ان کے انتقال کے بعد ادا کرنے کی رہنمائی فرمائی گئی ہے۔

زندگی میں جن سات حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ان میں:

(۱) عظمت یعنی ان کا اکرام واحترام کرنا۔

(۲) محبت یعنی ان سے الفت وانسیت رکھنا۔

(۳) اطاعت یعنی ان کی فرمانبرداری کرنا۔

(۴) خدمت یعنی ان کا کام کرنا ان کے کام آنا۔

(۵) فکر راحت یعنی ان کو آرام پہنچانے کی فکر کرنا۔

(۶) رفع حاجت یعنی ان کی ضروریات پوری کرنا۔

(۷) گاہ گاہ ان کی ملاقات وزیارت۔

انتقال کے بعد جن سات امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ان میں:

(۱) دعاء مغفرت یعنی ان کے لیے اللہ سے معافی، رحمت کی درخواست کرنا۔

(۲) ایصال ثواب طاعت یعنی ان کو ایصال ثواب کرنا۔

(۳) اکرام اعزاء واحباب واہل قرابت یعنی ان کے رشتہ دار، دوست اور متعلقین کی عزت کرنا۔

(۴) اعانت اعزا واحباب واہل قرابت یعنی ان کے رشتہ دار، دوست اور متعلقین کی حسبِ طاقت مدد کرنا۔

(۵) ادائے دین وامانت یعنی ان کی امانت وقرض ادا کرنا۔

(۶) تنفیذ جائز وصیت یعنی ان کی جائز وصیت پر عمل کرنا۔

(۷) گاہ گاہ ان کی قبر کی زیارت کرنا۔

اسی طرح عام معمول کی چیزوں میں اتباعِ سنت کا اہتمام کرنے کی ہدایت نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ جن چیزوں میں عام طور سے لوگوں کے دلوں میں کسی سنت کا خیال بھی نہیں آتا اور اسلامی آداب کے برتنے سے اکثر غفلت پائی جاتی ہے۔ حضرت مولانا بڑی اہمیت کے ساتھ ان معمولی کاموں میں سنت پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔[۶۸]

دین سیکھنا آسان ہے:

ارشاد فرمایا کہ طلب علم دین فرض ہے اور ''الدین یسر'' دین کو آسان بھی فرمایا گیا ہے تو آج کل حق تعالیٰ نے ایک آسان صورت دل میں ڈالی ہے۔ جس کا تجربہ بھی نہایت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی کتاب مثلاً دس منٹ سنانے کا نظم ہے تو دو منٹ اس میں سے نکال کر ایک سنت بتادی جائے۔ اس طرح کہ مثلاً وضو کی ایک سنت بتائیں کہ پہلے نیت کرنا کہ وضو سے ہم نماز وتلاوت کے قابل ہو جائینگے۔ دوسرے دن دوسری سنت بتادی کہ بسم اللہ پڑھنا تیسرے دن تیسری سنت بتادی کہ دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا اسی طرح تیرہ دن میں ترتیب وار تیرہ سنتیں عوام کو بھی یاد ہو گئیں، پہلے دن مثلاً دسترخوان

بچھانا بتادیا دوسرے دن ہاتھ دھونا تیسرے دن بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ پڑھنا اور اس طرح پندرہ دن میں کھانے کی پندرہ سنتیں یاد ہوگئیں۔۶۹؎

ارشاد فرمایا کہ جن سنتوں پر خاندان یا معاشرہ مزاحمت نہیں کرتا ان پر عمل شروع کردیں جیسے کھانے پینے کی سنتیں، سونے جاگنے کی سنتیں وغیرہ تو اس سے نور پیدا ہوگا اور نور سے روح میں قوت پیدا ہوگی اور پھر ان سنتوں پر عمل کی توفیق ہونے لگے گی۔ جو نفس پر مشکل ہیں اور معاشرہ اور ماحول اس میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔۷۰؎

لاہور کے ایک خصوصی اجتماع میں شاہ صاحب کا خطاب:

مورخہ ۵ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ بعد نمازِ عشاء بر مکان جناب غلام سرور صاحب حضرت والا نے اپنے وعظ میں فرمایا کہ دین کے تین اہم شعبے ہیں۔ تعلیم، تبلیغ، تزکیہ، جن کے ذرائع کا نام مدارس، مساجد، خانقاہیں ہیں۔ بالغین کے لیے پہلا مدرسہ مساجد ہیں، اور بچوں کے لیے مدارس ہیں اور جو لوگ مساجد میں نہیں آتے ان کے لیے تبلیغی نظام ہے جو فی زمانہ بہت عام ہے۔ مساجد اور مدارس میں ایک منٹ کا مدرسہ صبح اس طرح شروع کیا جائے کہ صرف ایک سنت صبح بتادی جائے، تو تیس دن میں تیس سنتیں یاد ہوجائینگی، اور تعب بھی نہ ہوگا۔ آج ہم ہر چیز بڑھیا اور عمدہ پسند کرتے ہیں، دوکان بڑھیا ہو، مکان بڑھیا ہو اور پانی بھی بڑھیا ہو اور نان بھی بڑھیا ہو، اس میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ انسان خود اشرف المخلوقات ہے، اگر ہر چیز اسے اشرف اور اعلیٰ پسند ہو تو یہ اس کی فطری خواہش ہے۔ لیکن یہ انسان اپنے لیے تو اشرف اور بڑھیا چیز پسند کرے مگر اپنے مالک اور خالق کے کاموں میں بھی اس کو یہی تقاضا ہونا چاہیے۔ اس تقاضہ کا عام زندگی کے ساتھ خاص حالات پر بھی فرق پڑتا ہوا نظر آرہا ہے (فلہ الحمد) کہ اس کا وضو بھی بڑھیا ہو اور نماز بھی بڑھیا ہو۔ مگر وضو اور نماز کب بڑھیا ہوگی جب سنت کے مطابق ہوگی۔ نماز میں ۶ فرائض ہیں، ۸ واجبات ہیں اور ۵۱ سنتیں ہیں۔ مگر آج سو آدمیوں میں ایک آدمی کی بھی نماز سنت کے مطابق نظر نہیں آتی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ائمہ بھی اس سے محروم نظر آتے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اگر ایک سنت روز بتائی جائے تو ۵۱ دن میں نماز کی ۵۱ سنتیں یاد ہوجائینگی اور اسی طرح زندگی کے تمام شعبوں کی سنتیں یاد کرائی جاسکتی ہیں۔ لیکن جب وضو اور نماز کی سنتوں کا اہتمام نہیں تو ختنہ اور عقیقہ اور کھانے پینے کی سنتیں کون یاد کرے

گا،اور جب ہماری زندگی سنتوں سے محروم ہوتی جائیگی تو خاندان اور برادری کی غلط رسم ورواج یا پھر شہر کی یاصوبے کی یاملک کی راہ ورسم آجاویں گی ۔ جب اصلی گھی گھر میں نہ ہوگا تو لامحالہ ڈالڈا کھانا پڑیگا۔اور جب سنتوں کوسیکھنے سکھانے اوراس پرعمل کا اہتمام ہوگا تو غلط رسم ورواج خود ہی دور ہونے لگیں گے ،جس طرح بارش کا پانی جب برستا ہے تو نالے اور نالیاں گندے پانی سے خود بخود صاف ہو جاتی ہیں،دین آسان ہے مساجد میں ایک سنت روز سکھائے ۔چند ماہ میں نمازیوں کواس طرح کتنی سنتوں کاعلم ہوجائیگا۔اور ہرنمازی اپنے گھر جا کر عورتوں اور بچوں کوسکھائے اوراسی طرح مدرسہ میں جن طلباء کو ہرروز ایک سنت سکھائی جاوے وہ گھر جا کر اپنے بھائی اور بہنوں اور ماں باپ کوسکھائیں مدرسہ کے طلباء نے ایسا کیا ہے تو اس سے بڑا فائدہ ہوا ہے۔اے

سونے اورسوکر اٹھنے کی چند سنتیں:

شاہ صاحب کا ارشاد ہے کہ جب سونے کا ارادہ کریں تو وضو کرلیں اوراپنے بستر کوتین بار جھاڑلیں سوتے وقت داہنے کروٹ پرسونے کی ابتداء کریں اورسر یا رخسار کے نیچے داہنا ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھیں:

اللهم قني عذابك يوم تجمع عبادك ـ

(اے اللہ تو مجھے اپنے عذاب سے بچائیو جس روز تو اپنے بندوں کوجمع کریگا)

یا آسانی کے لیے صرف یہ دعاء یاد کرادیں:

اللهم باسمك اموت واحيا۔

(اے اللہ میں تیرا نام لے کر مرتا ہوں اور جیتا ہوں)

اورپھرسوتے وقت بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کردیں اوربسم اللہ پڑھ کر برتنوں کوڈھانک دیں اور چراغ بجھادیں۔یعنی جلتا چراغ چھوڑ کرمت سوجاؤ۔اگرسوتے وقت نیند نہ آئے تو یہ دعاء پڑھیں:

''اللهم غارت النجوم وهدأة العيون وانت حي قيوم لاتأخذك سنة ولانوم۔ياحي ياقيوم اهدى ليلي وانم عيني''

(اے اللہ ستارے دور چلے گئے اورآنکھوں نے آرام لیا،اورتو زندہ ہے اورقائم رکھنے والا ہے، تجھے نہ نیند آتی ہے،نہ اونگھ،اے زندہ حقیقی اورقائم رکھنے والے اس رات کو مجھے

آرام دے اور میری آنکھوں کو سلا دے۔۲؎

کھانے پینے کی سنتیں اور محی السنۃ کا ارشاد:

شاہ صاحب نے کھانے پینے کے تعلق سے ایک مسلمان کے لیے بعض سنتوں پر عمل کرنیکی سخت تاکید فرمائی:

۱۔ کھانے سے پہلے کلائی تک ہاتھ دھونا اور کلی کرنا۔

۲۔ دسترخوان بچھانا۔

۳۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ پڑھنا۔

۴۔ کھانا ایک قسم کا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا۔

۵۔ جس چیز میں سب انگلیاں نہ لگانی پڑیں اس کو تین انگلیوں سے کھانا۔

۶۔ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینا۔

۷۔ پیالہ یا پلیٹ جس میں کھایا ہو۔ خوب صاف کر لینا۔

۸۔ اگر ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھالینا۔(یہ سرکاری نعمت ہے جب نہیں ملتی تب قدر معلوم ہوتی ہے تکبر نہ کرنا چاہیے۔)

۹۔ اگر سالن میں مکھی گر پڑے تو غوطہ دے پھینک دیا جائے۔ کیونکہ مکھی کے ایک بازو میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفا ہے۔ پہلے زہریلے بازو کو ڈالتی ہے۔ دوسرے بازو سے اسکا تدارک ہو جائیگا۔

۱۰۔ کھانا تواضع کے ساتھ کھانا، تکیہ لگا کر نہ کھانا۔

۱۱۔ اگر کھانا کم ہے اور آدمی زیادہ ہیں۔ تو سب ملکر آدھا آدھا پیٹ کھالینا۔ یہ نہیں کہ کوئی تو سیر ہو کر کھالے اور کوئی پیٹ کو پیٹتا پھرے۔

۱۲۔ کھجور، مٹھائی، انگور وغیرہ اگر کئی آدمی ملکر کھائیں تو ہر شخص ایک ایک دانہ اٹھائے۔ دو دو ایک دم سے لینا بے تمیزی اور حرصی کی دلیل ہے۔

۱۳۔ پیاز، لہسن خام یا کوئی بدبودار چیز کھا کر مسجد میں یا مجمع میں نہ جاوے لوگوں کو تکلیف ہوگی۔

۱۴۔ کھانا سب کو ملکر کھانا چاہیے اس سے برکت ہوتی ہے۔

۱۵۔ کھانا کھا چکنے کے بعد دسترخوان اٹھنے سے پہلے اٹھ جانا خلافِ ادب ہے۔

۱۶۔ اگر پہلے کھا چکے تو بھی دسترخوان پر بیٹھا رہے اور دوسرے ساتھی کا ساتھ دے۔ تا کہ شرمندہ ہو کر بھوکا رہنے کے باوجود وہ بھی نہ چھوڑ دے۔۳۲

۱۷۔ کھانے کے بعد رزاقِ حقیقی کا شکر ادا کریں اور یہ دعاء پڑھیں:

:الحمدلله الذی اطعمناو سقاناو جعلنامن المسلمین:

(سب تعریفیں خدا کے لیے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا۔)

۱۸۔ پھر جب دسترخوان اٹھایا جائے تو یہ دعاء پڑھنا مسنون ہے:

الحمدالله حمدا کثیرا طیبامبار کافیه غیرمکفی ولا مودع ولامستغنیً عنه ربنا۔

(سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ایسی تعریف جو بہت ہی پاکیزہ ہو اور بابرکت ہو۔اے ہمارے رب ہم اس کھانے کو کافی سمجھ کر بالکل رخصت کر کے یا اس سے غیر محتاج ہو کر نہیں اٹھا رہے ہیں۔)

۱۹۔ مہمان کی خاطر و مدارات کرو۔ایک روز کسی قدر تکلف کا کھانا کھلا دو، تین دن اس کی مہمانی کا حق ہے۔مہمان کو بھی زیب نہیں کہ میزبان کے گھر جم ہی جائے۔کہ وہ تنگ ہو جائے۔

۲۰۔ مہمان کو گھر کے دروازے تک پہچانا بھی سنت ہے۔

۲۱۔ کھانے کے وقت جوتہ اتار کر کھانا چاہیے۔

۲۲۔ پانی بسم اللہ کہہ کر پینا اور پی کر الحمدللہ کہنا۔

۲۳۔ پانی کو ایک سانس میں نہ پینا اور تین سانس میں پینا اور سانس لیتے وقت برتن سے منھ کو الگ کرنا۔

۲۴۔ مشک سے منھ لگا کر نہ پینا یا کوئی بھی ایسا برتن ہو جس سے دفعۃً پانی زیادہ آجانے کا احتمال ہو، یا یہ اندیشہ ہو کہ اس میں کوئی سانپ یا بچھو آجائے۔

۲۵۔ پانی پی کر اگر دوسروں کو بھی دینا ہے تو پہلے داہنے والے کو دیں اور پھر اسی ترتیب سے دور ختم ہو۔

۲۶۔ برتن کے ٹوٹے ہوئے کنارے کی طرف سے نہ پینا۔اس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے۔

۲۷۔ رات کے کھانے، پینے کے برتنوں کو بسم اللہ پڑھ کر ڈھانک دینا۔

۲۸۔ کھانے پینے کا ہدیہ کسی کو پہچانا ہو تو ڈھانک کر لے جائے۔

۲۹۔ دودھ پینے کے بعد یہ دعاء مسنون ہے:

اللھم بارك لنافيه وزدنامنه ـ

(اے اللہ تو ہم کو اس میں برکت دے اور ہم کو اور زیادہ دے۔)

۳۰۔ اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان میں جب یاد آئے تو یوں پڑھے:

بسم الله اوله و آخرهٗ

(میں نے اس کے اول اور آخر میں اللہ کا نام لیا۔)

۳۱۔ کھانے کی ابتداء مجلس میں سب سے محترم اور بزرگ سے کرانا۔

۳۲۔ کھاتے وقت اکڑوں بیٹھنا کہ دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور سرین زمین پر ہو۔ یا ایک گھٹنا کھڑا ہو۔ اور دوسرے گھٹنے کو بچھا کر اس پر بیٹھے یا دونوں گھٹنے زمین پر بچھا کر قعدہ کی طرح بیٹھے اور آگے ذرا جھک کر کھائے۔۴ے

محبتِ الٰہی کے حصول کا طریقہ:

ارشاد فرمایا کہ اس کا طریقہ یہی ہے کہ بتکلف ہمت کر کے سنت پر عمل شروع کرے۔ اہل اللہ (اللہ والوں) کی صحبت اختیار کرے۔ اسی لیے یہاں مدرسہ میں عصر بعد مسجد میں نظام رکھا گیا ہے۔ مسجد میں تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ کچھ دیر کے لیے اساتذہ کی، علماء کی، صلحاء کی صحبت ملے گی، آپس میں بیٹھنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی عصر کے بعد مغرب سے تھوڑی دیر پہلے کا نظام کہ مجلس میں بزرگوں کی باتیں سنائی جاتی ہیں۔ تاکہ دل بن جائے اور جب دل بنا تو سارا کام بن گیا، ایسے ہی قرآن پاک پڑھنے کا معمول بناؤ۔ اس کا اہتمام کرو کیونکہ یہ دل کو سنوارنے والا ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ دل کو زنگ لگ جاتا ہے تو صحابہ نے معلوم کیا کہ اس سے بچاؤ اور اس کی درستگی کا کیا طریقہ ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور تلاوت قرآن پاک کرنا۔۵ے

یہ اس لیے بتایا کہ ایک دل کی خرابی سے کتنے نقصانات ہو رہے ہیں۔ معدہ جب خراب ہو جاتا

ہے تو سارے جسم پر اس کے اثرات پڑتے ہیں۔ایسے ہی دل کی بیماری کا معاملہ ہے کہ دین کے لحاظ سے تمام اعضاء بیکار ہو جاتے ہیں،اس لیے اصل فکر کی چیز دل کی اصلاح ہے۔۷۶ے

عاشقان نبی سنت پر عمل کرنے کے لیے اس کے جاننے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ فلاں کام کو کس طرح انجام دیتے اور اس کی نوعیت کیا ہوتی تھی ، چنانچہ کتب احادیث سیرت وتذکرہ کی کتابوں میں بعض ایسے واقعات ملتے ہیں جو صحابۂ کرام یا ان کے بعد کے لوگ اللہ کے رسولؐ کی سنت کو جاننے اور سمجھنے کے لیے دور دراز کا سفر کر کے خود رسولؐ کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ یا آپ کے وصال کے بعد صحابہ کی خدمت میں پہونچتے اور ان سے یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ آپ ﷺ نے فلاں کام یا فلاں عمل کو کس طرح انجام دیا ہے۔

اس سلسلے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نماز سب سے بڑھیا چیز ہے ،ہم اس کو سیکھتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں لوگ اس کا کتنا اہتمام کرتے تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔وضع قطع اور گفتگو سے اندازہ ہو ہی جاتا ہے کہ آدمی کس ملک کا ہے ،چنانچہ جب وہ خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؓ نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔انہوں نے کہا کہ ملکِ شام سے آیا ہوں،آپ نے پوچھا کیسے آئے ، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جیسے التحیات پڑھا کرتے تھے ،وہ سیکھنے آیا ہوں، اس زمانے میں کہاں ریل گاڑی ،کہاں ہوائی جہاز ، پیدل اور اونٹ کا سفر ہوتا تھا۔ پہلے مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ بارہ چودہ دن میں پہنچتے تھے ۔اب کار کے ذریعہ چار گھنٹے میں پہونچ جاتے ہیں،بسوں کے ذریعہ چھ گھنٹے میں پہنچ جاتے ہیں۔ ہوائی جہاز سے پینتیس منٹ میں مکہ سے مدینہ پہونچ جاتے ہیں۔غرضیکہ انہوں نے ملک شام سے مدینہ کا اتنا لمبا سفر اور اس کے لیے مشقت برداشت کی صرف التحیات سیکھنے کے لیے ،سنت کے مطابق تشہد سیکھنے کے لیے، کتنا اہتمام اور جذبہ تھا۔۷۷ے

حضرت عمرؓ پر ان کے اس جذبہ کا کیا اثر ہوا،صاحب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع نے لکھا ہے:

"فبکیٰ عمر حتیٰ ابتلت لحیة ثم قال واللہ انی لارجو من اللہ الا یعذبک ابداً" ۷۸ے

(حضرت عمر رونے لگے یہانتک کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی پھر فرمایا اللہ کی

قسم مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ تم کو کبھی عذاب نہیں دیگا۔)

آنحضورﷺ کی اتباع اور انعام خداوندی:

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

"قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ "(آل عمران:۳۱)

(آپ فرما دیجیے اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردینگے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں)۔

درج بالا آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مؤمن بندہ جتنا نبی کا اتباع کریگا۔ اتنا اتنا اللہ تعالیٰ اسکو اپنا محبوب بنالیگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضورﷺ اللہ کے محبوب ہیں اور قاعدہ کلیہ ہے کہ محبوب کی ہر بات اس کی ہر ادا، ہر انداز محبوب ہوا کرتا ہے، پس آنحضورﷺ کا جو جتنا اتباع کریگا آنحضورﷺ کی مبارک سنتوں کو جس قدر اختیار کریگا، اسی قدر اس کے اندر شان محبوبیت پیدا ہو جائیگی۔ اور تب جا کر اللہ کی محبت کا مستحق قرار پائیگا۔ دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

"مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ "(نساء:۸۰)

(جس شخص نے رسول اکرمﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی)

سنت کی محبت اور اس پر انعام:

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی كان معی فی الجنة "[۹۷]

(جس نے میری سنت سے محبت کی بیشک اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔)

اس حدیث شریف میں نبی اکرمﷺ نے واضح فرما دیا کہ میری محبت کے لیے محض زبانی دعویٰ کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ میری سنت سے محبت کرے۔ اور سنت سے محبت کرنے کا

مطلب یہ ہے کہ میری ہر ہر سنت کو اختیار کرے اور اس کو اپنی زندگی میں لائے۔ صورت، شکل، لباس، وضع قطع، رفتار، گفتار، نشست و برخاست، کھانا، پینا، بیاہ شادی، ختنہ، عقیقہ، خوشی، غمی، تجارت، زراعت۔ غرضیکہ ہر کام سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کرے اور اپنی پوری زندگی کو سنت کے مطابق بنانے کی کوشش کرے۔ نیز ان سنتوں کو اپنے گھر میں، خاندان میں، محلّہ میں، بستی میں، شہر میں اور جہاں تک ممکن ہو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرے۔ جو جتنی اس کی کوشش کریگا۔ اتنا ہی وہ آنحضرت ﷺ سے محبت کرنے والا قرار پائیگا۔ اور جنت میں اسی قدر نبی کریم ﷺ کے قریب ہونے کا مستحق ہوگا۔

سنت اور صراطِ مستقیم کی تشریح:

نور عالم صاحب علوی لکھنوی بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۹۰ء میں میں اور دیگر احباب حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے ہمراہ حیدر آباد کے سفر میں ساتھ تھے، ہم لوگ ایک مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کسی صاحب نے شاہ صاحب سے صراطِ مستقیم کے سلسلے میں معلوم کیا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم لوگوں سے صراطِ مستقیم کے بارے میں کیا معلوم کررہے ہو، فرمایا کہ عمل سنت ہی صراطِ مستقیم ہے۔ سنت کو ترک کروگے تو صراطِ مستقیم سے بھٹک جاؤ گے۔ آنحضور ﷺ کی ایک ایک سنت پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ صراطِ مستقیم پر چلنے لگوگے، راوی نے آگے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ میرا پاجامہ علی گڑھی تھا کافی ڈھیلا ڈھالا تھا اتفاق یہ کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ میری اس طرف توجہ نہ ہوئی مگر شاہ صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ طریقہ خلافِ سنت ہے: پائجامہ ٹخنوں سے اوپر ہونا چاہیے۔ شاہ صاحب کی دور بین آنکھیں دیکھتی رہتی تھیں کہ کوئی عمل خلافِ سنت تو نہیں ہو رہا ہے۔ اگر ہوتا تو فوراً نکیر فرماتے تھے اور اس طرح اصلاح ہو جاتی تھی۔ ۸۰ؔ

مساجد و مدارس کے ذریعہ سنت کو فروغ دینے کی تاکید:

ارشاد فرمایا کہ آج ہماری اذانیں اور نمازیں سنت کے موافق نہیں، اذان سنت کے موافق سننے میں نہیں آتی۔ جہاں کہیں جاتا ہوں اذان غور سے سنتا ہوں۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اور ہندوستان کے باہر بھی۔ مگر ایک جگہ لکھنؤ میں اذان صحیح ملی اور دوسری اذان یہاں بھٹکل میں جامعہ اسلامیہ میں سنت کے موافق ملی، یہی حال نماز کا ہے کہ نماز سنت کے مطابق نہیں جو جس فقہ پر عمل کرتا ہو اس فقہ میں

جونماز کا مسنون طریقہ ہے اس کے موافق نماز نادر ہے۔اہلِ علم تو پڑھتے پڑھاتے ہیں، سیکھتے سکھاتے ہیں۔ان کے علاوہ جو اور حضرات ہیں ان سے پوچھتا ہوں کہ کسی نے نماز سیکھی ہے۔کسی نے اگر سیکھی ہو تو بتلائے کہ ہم نے فلاں عالم سے نماز سیکھی۔میں نے اس سے بڑے بڑے مجمع میں جہاں اہل صلاح تھے۔ ان سے سوال کیا کہ نماز سنت کے مطابق پڑھنا کسی سے سیکھا ہے کہ قیام کیسے کریں، ہاتھ کیسے باندھیں، رکوع کیسے کریں، سجدہ کیسے کریں قعدہ کیسے کریں جب نماز کا یہ معاملہ ہے تو پھر ختنہ، عقیقہ، شادی، غمی وغیرہ میں کس طرح سنت پر عمل ہوتا ہوگا۔پھر نکاح وطلاق، تجارت، خرید وفروخت، معاملات یہ سب چیزیں سنت کے مطابق کیسے ہوتی ہونگی۔۸۱؎

اذان بھی سنت کے موافق ہونی چاہیے:

اذان بھی نماز ہی کے متعلقات میں سے ہے۔جس طرح سنت کے مطابق نماز مطلوب ہے، اسی طرح اذان بھی سنت کے موافق ہونا ضروری ہے۔آج سنت کے موافق اذانیں نادر ہیں، اذانیں صحیح نہیں ملتی ہیں۔جہاں بھی میں جاتا ہوں غور سے اذانیں سنتا ہوں، جہاں جاتا ہوں وہاں کے مخبرین اطلاع دیتے ہیں کہ اذان کیسے ہورہی ہے۔وہ مخبرین آلہ مکبر الصوت (لاؤڈاسپیکر) ہیں۔ان کے ذریعہ سے پتہ چل جاتا ہے کہ کہاں اذان کیسی ہورہی ہے۔اور کہاں کیسی ہورہی ہے۔سن کر دل روتا رہتا ہے اور فجر میں تو دل اور روتا رہتا ہے کہ کوئی کیسی کہتا ہے، تو کوئی کیسی کہتا ہے۔کوئی حی علی الصلوٰۃ میں حیَّ کے یا کے زبر کو کھینچتا ہے، کوئی لاالٰـہ الااللہ میں اِلٰہ کے الف کو کھینچتا ہے اور لفظ اللّٰہ کو تو بہت بگاڑتے ہیں۔آج اذان میں کھینچ تان کا رواج پڑ گیا ہے، اس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔اس کے لیے قواعد وضوابط ہیں۔اس کے موافق سیکھنے کے ضرورت ہے۔مشق کرنے کی ضرورت ہے۔تاکہ سنت کے موافق اذانوں کا رواج ہو۔

فرمایا کہ ایک جگہ حاضری ہوئی۔اذان کی غلطیاں سن کر سخت رنج ہوا۔میں نے وعظ میں صرف یہ گزارش کردی کہ اذان صحیح نہیں ہے۔اذان کی اصلاح ہونی چاہیے، بعد میں مسجد کی کمیٹی کے کسی صاحب نے دریافت کیا کہ صاحب وہ کیا غلطیاں ہوئیں ہیں۔ذرا ہم کو بتادیجیے۔میں نے کہا بہت اچھا سنیے۔

(۱) اللّٰـہ کو اتنا کھینچا جس کا کوئی قاعدہ نہیں ہے (۲) لاالٰـہ میں اِلٰـہ کو دومد کے برابر کھینچا۔(۳) رســـــول میں واؤ کو کھینچا جس سے مد پیدا ہوا۔معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ مؤذن کی تنخواہ صرف ساٹھ روپے

ہے۔بتایئے پھر اتنی معمولی تنخواہ میں بڑھیا مؤذن کیسے مل جائیگا۔

ایک اور جگہ حاضری ہوئی تو مؤذن نے اذان اتنی جلدی جلدی کہی کہ درمیان میں اتنا موقع نہ دیا کہ اذان کا جواب دیا جاسکے۔آجکل مسجد کے جسم پر توجہ ہے اور روح پر نہیں۔مساجد میں اذان سنت کے موافق ہونی چاہیے۔اسی طرح تکبیر بھی سنت ہی کے موافق کہی جانی چاہیے۔

تکبیر کا مسنون طریقہ:

تکبیر کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایک سانس میں ۴ مرتبہ اللہ اکبر کہے، پھر ایک سانس میں اشهدان الااله الاالله ۔اشهدان الااله الاالله کہے، پھر ایک سانس میں اشهدان محمدارسول الله ۔اشهدان محمدارسول الله کہے۔پھر ایک سانس میں حیَّ علی الصلوٰۃ، حیَّ علی الصلوٰۃ کہے اور پھر ایک سانس میں حی علی الفلاح ،حیَّ علی الفلاح ،ایک سانس میں قدقامت الصلوٰۃ ۔قدقامت الصلوٰۃ کہے اور پھر آخر میں ایک سانس میں الله اکبر الله اکبر۔لااله الاالله کہے۔۸۲؎

مراجع وماخذ

۱۔ شاہ ابرار الحق، اصلاح معاشرہ (پرچہ) مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۲۔ شاہ ابرار الحق، اصلاح معاملات (پرچہ) مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۳۔ شاہ ابرار الحق، ہماری تباہی اور پریشانی کا آسان حل (پرچہ) مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۴۔ شاہ ابرار الحق، اصلاح الغیبۃ (پرچہ) مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۵۔ محمد افضال الرحمٰن، منصب مومن، مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۱۸ھ، ص:۲۲

۶۔ محمد افضال الرحمٰن، ہماری تباہی اور اس کا حل، مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۱۱ھ، ص:۵-۷

۷۔ مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی

۸۔ شاہ ابرار الحق، ہدیۂ احق (پرچہ) مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۹۔ ہماری تباہی اور پریشانی کا آسان حل

۱۰۔ شاہ ابرار الحق، اشرف النظام لاصلاح العام والتام، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۹۷۹ء، ص:۹-۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۲-۱۵

۱۲۔ محمد افضال الرحمٰن، تعلیم السنۃ، مطبع مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۴۰۹ھ، ص:۱۲

۱۳۔ محمد افضال الرحمٰن، ملفوظات ابرار، مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۵۱۶ھ، ص:۱۷

۱۴۔ محمد افضال الرحمٰن، مومن کی پہچان، مطبع مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۴۱۸ھ، ص:۵

۱۵۔ احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، مطبع دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، ج:۱۶، حدیث:۲۲۰۶۶، ص:۲۲۳

۱۶۔ ہماری تباہی اور اس کا حل، ص:۴

۱۷۔ محمد افضال الرحمٰن، مجالس محی السنۃ، مطبع مجلس احیاء سنت، ہردوئی، ۱۴۱۶ھ، ص:۳۵-۳۶

۱۸۔ ایضاً، ص:۳۶

۱۹۔ محمد افضال الرحمٰن، اخلاص کی ضرورت اور اس کا حل، مطبع مجلس احیاء سنت، ہردوئی، ۱۴۲۱ھ، ص:۳۰

۲۰۔ محمد افضال الرحمٰن، شکر کی ضرورت اور اس کا طریقہ، مطبع مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۴۱۸ھ، ص:۹

۲۱۔ ایضاً، ص:۱۰

۲۲۔ فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، مطبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ج:۱۹، ص:۸۶

۲۳۔ محمد افضال الرحمٰن، طریق الصبر، مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۱۰ھ، ص:۱۸-۱۹

۲۴۔ محمد فاروق میرٹھی، حیات ابرار، مطبع جامعہ محمودیہ علی پور، میرٹھ، ۱۴۲۶ھ، ص: ۲۳۷

۲۵۔ حکیم محمد اختر، مجالس ابرار، مطبع زمزم بک ڈپو، دیوبند، ص: ۳۵۷

۲۶۔ ایضاً، ص: ۳۶۰

۲۷۔ ماہ نامہ دعوۃ الحق، شوال المکرّم، ۱۴۲۶ھ، مطبع مجلس دعوۃ الحق، پرنام بٹ (تمل ناڈو) ص: ۱۶

۲۸۔ مجالس ابرار، ص: ۴۷

۲۹۔ ایضاً، ص: ۴۱۰

۳۰۔ ماہ نامہ ریاض الجنۃ، جنوری، ۲۰۰۹ء، مطبع مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گرینی، جون پور، ص: ۳۱

۳۱۔ محمد امین الشہیر بابن عابدین، ردالمحتار، مکتبہ دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۲، ج: ۱، ص: ۶۰۴

۳۲۔ ماہ نامہ ریاض الجنۃ، جنوری، ۲۰۰۹ء، ص: ۳۲

۳۳۔ ولی الدین خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، باب البکاء علی المیت، الفصل الاول، مطبع نعیمیہ، دیوبند، ج: ۱، ص: ۱۵۰

۳۴۔ اظہر کریم، ملفوظات ابرار، مطبع اشاعت الحق، بھونیشور (اڑیسہ) ۱۴۱۷ھ، ص: ۲۱

۳۵۔ تعلیم السنۃ، ص: ۶

۳۶۔ طریق الصبر، ص: ۲۲

۳۷۔ تعلیم السنۃ، ص: ۱۰-۱۱

۳۸۔ محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، مکتبہ مصطفائیہ، دیوبند، ۱۹۸۹ء، ج: ۷، ص: ۶۵۲

۳۹۔ محمد ثناء اللہ عثمانی، تفسیر مظہری، ندوۃ المصنفین، دہلی، ج: ۸، ص: ۲۹۶

۴۰۔ معارف القرآن، ج: ۷، ص: ۴۰۸

۴۱۔ سید محمود آلوسی بغدادی، تفسیر روح المعانی، مکتبہ مصطفائیہ، دیوبند، ج: ۱۳، ص: ۲۵۴

۴۲۔ معارف القرآن، ج: ۵، ص: ۴۰۹

۴۳۔ ایضاً، ج: ۵، ص: ۴۱۶

۴۴۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ماکان النبیؐ یتخولہم بالموعظۃ والعلم کی لاینفروا، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی

۴۵۔ سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند

۴۶۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، کتب

خانہ رشیدیہ، دہلی
۴۷؎ صحیح مسلم، تلخیص شرح نووی، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، مکتبہ رشیدیہ، دہلی
۴۸؎ اشرف علی تھانوی، دعوۃ الداعی، مطبع مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی
۴۹؎ شاہ ابرار الحق، اشرف النصائح لاصلاح القبائح، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۴۱۱ء ص: ۲۷-۳۰
۵۰؎ ماہ نامہ الاساتذہ، شمارہ اپریل، ۲۰۰۶ء، ٹرانسپورٹ نگر، مرادآباد، ص: ۲۵
۵۱؎ اشرف النصائح لاصلاح القبائح (ماخوذ)
۵۲؎ ماہ نامہ الابرار، محرم الحرام، ۱۴۳۱ھ، شمارہ: ۱، جامعہ اشرف العلوم، گلشن اقبال، کراچی، (پاکستان) ص: ۱۹-۲۰
۵۳؎ مجالس ابرار، ص: ۳۱۷
۵۴؎ محمد زید مظاہری، نقوش ابرار، مکتبہ افادات اشرفیہ، دوبگہ لکھنؤ، ۱۴۲۸ھ، ص: ۱۹۰
۵۵؎ ایضاً، ص: ۱۹۱
۵۶؎ ہماری تباہی اور اس کا حل، ص: ۲۰
۵۷؎ ایضاً، ص: ۲۲
۵۸؎ مجالس ابرار، ص: ۵۲۷
۵۹؎ آنحضورؐ کے شمائل مبارکہ (ماخوذ) جداری پرچہ مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی
۶۰؎ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج: ۱ ص: ۳۰، بحوالہ بیہقی
۶۱؎ روایت مفتی محمد اسامہ (مدرس مدرسہ تعمیر ملت، دودھ پور، علی گڑھ)
۶۲؎ قاری ابوالحسن، ذکر ابرار، مطبع صوت القرآن، دیوبند، ۱۴۲۰ھ، ص: ۵۸
۶۳؎ ایضاً، ص: ۶۲
۶۴؎ مؤمن کی پہچان، ص: ۱۳
۶۵؎ حیات ابرار، ص: ۲۸۰-۲۸۱
۶۶؎ ایضاً، ص: ۳۰۷
۶۷؎ ایضاً، ص: ۳۱۹
۶۸؎ سعید الرحمٰن اعظمی، حضرت مولانا ابرار الحق حقی ایک تذکرہ، مطبع ادارہ احیاء السنۃ واصلاح المنکرات، چوپٹیاں لکھنؤ، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۳-۱۴

۶۹ مجالس ابرار، ص:۲۵

۷۰ ایضاً، ص:۳۴

۷۱ ایضاً، ص:۴۲۰

۷۲ ایضاً، ص:۱۱۵-۱۱۶

۷۳ ایضاً، ص:۱۲۰-۱۲۱

۷۴ ایضاً، ص:۱۲۲-۱۲۳

۷۵ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن، الفصل الاول، ج:۱، ص:۱۸۹

۷۶ مجالس محی السنۃ، ص:۳۱

۷۷ منصب مؤمن، ص:۱۳

۷۸ علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مطبع شرکۃ المطبوعات العلمیۃ، مصر، ج:۱، ص:۲

۷۹ سنن ترمذی، ابواب العلم، باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ، ج:۲، ص:۹۲

۸۰ روایت، نور عالم علوی، لکھنؤ، ۱۶/مارچ، ۲۰۱۰ء

۸۱ محمد یامین مفتاحی، تحفۃ الابرار، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۹۹۷ء، ص:۹۰-۹۱

۸۲ حیات ابرار، ص:۲۶۶-۲۶۷

باب چہارم

معاصرین کے تأثرات

باب چہارم
معاصرین کے تأثرات

مولانا شاہ ابرارالحق کی آفاقی شخصیت سے نہ صرف عوام بلکہ خواص کا ایک بڑا طبقہ بھی متاثر ہوا۔ جس کی کلیدی وجہ یہی ہے کہ آپ کی خدمات ومساعی کا دائرہ صرف عوام تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ آپکی اصلاحی مشن کے اصل مرکز وہ حضرات تھے، جنھیں ملک وملت کا راہنما تصور کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جادۂ حق پر رہتے ہیں اور راست علم وعمل کے علمبردار ہیں تو عوام انہی کے نقوشِ راہ کی تقلید کریں گے، گوکہ آپ کے اصلاحی مشن کے بعض پہلوؤں پر چندلوگوں کو علمی اشکال بھی بجا طور پر رہے، لیکن جہاں تک آپ کی ذات ومخلصانہ خدمات کا تعلق ہے۔ تو عموماً اس کی حمایت اور توثیق کی گئی ہے۔ جب تک آپ زندہ رہے اہل علم کی نگاہوں کا مرکز بنے رہے۔ مگر اللہ کو آپ کے ذریعہ جس قدر فیض پہنچانا مقصود تھا اس کی تکمیل ہوگئی تو قانونِ الٰہی کے مطابق آپ کو بھی اس دارِ فانی سے رخصت ہونا پڑا۔ آپ کے انتقال پُر ملال پر لوگوں نے جو غم کے آنسو بہائے ان کا احاطہ تو نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں ذیل کی سطور میں بعض اہل علم کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں، جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی نظروں میں آپ کا کیا مقام تھا۔

مولانا نصیر احمد خاں صاحب (شیخ الحدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

مولانا شاہ ابرار الحق صاحب سلسلہ تھانوی کے آخری چشم و چراغ اور سنتِ رسول اللہ کا مستحکم ستون تھے، آپ کی وفات سے عالمِ اسلام بالخصوص تھانوی برادری یتیم ہوگئی ہے۔

انھوں نے اپنی پوری زندگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں صرف فرما کر ایک طرف اپنے مرشد حکیم الامۃ (اشرف علی تھانوی) کی روح مبارک کو مسرور کیا تو دوسری طرف اپنے مادرِ علمی مظاہر علوم کا نامِ نامی پورے عالم میں روشن فرمایا۔ ان کی خدمات تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، جو رہتی دنیا تک

تشنگانِ علم دین کو سیراب کرتی رہیں گی، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی قحط الرجال کے اس دور میں بساغنیمت تھی، اللہ نے ان کو نہ تھکنے والا ذہن ودماغ عطا فرمایا تھا۔[۱]

مولانا انظر شاہ کشمیری (ناظم تعلیمات دارالعلوم 'وقف' دیوبند)

حضرت مولانا (ابرار الحق ہردوئی) کی ابتدائی زندگی کی مشکلات وپریشانی کم ہی لوگوں کے علم میں ہوں گی، لوگ تو ان کی آخری زندگی کی مقبولیت ومرجعیت ہی کو دیکھ رہے تھے، لیکن یہ حقیر فقیر مولانا کو بہت دنوں سے جانتا پہچانتا ہے۔ نہ تنگی وپریشانی میں اپنے مشن سے ایک لحہ غافل رہے اور نہ ہی آسائش اور راحت میں اس سے ادنیٰ درجہ کی بے اعتنائی گوارہ فرمائی۔ حدیث شریف میں اس عمل کو ''خیر الاعمال'' کی سند عطا ہوئی ہے جو تسلسل واستمرار سے جاری ہے۔ مولانا نے اپنے مرشد حکیم ودانا کی ہدایات پر مجلس دعوۃ الحق اور پھر اشرف المدارس کے ذریعہ جس مشن کو سنبھالا اسے حالات کی مخالفت ومساعدت وسائل کی تنگی وفراخی ہر دو حال میں پورے عزم وحوصلہ جذبہ وولولہ کے ساتھ جاری رکھا۔[۲]

مولانا سید نظام الدین (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وامیر شریعت بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ)

مولانا ابرار الحق حقی اپنے علم وفضل اور اخلاص وللّٰہیت کے اعتبار سے علماء ومشائخ کی جماعت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، مزاج میں تواضع وخاکساری تھی، تفوق وتعلی کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا۔ اصول پسندی، وقت کی پابندی اس درجہ تھی کہ اس سے ذرہ برابر سرمو انحراف نہ کرتے۔[۳]

مولانا محمد سالم قاسمی (مہتمم دارالعلوم 'وقف' دیوبند)

مولانا ابرار الحق کو حق تعالیٰ نے بفیضان حکیم الامۃ 'شوق عبادت' اور ''ذوقِ خدمتِ خلق'' سے نوازا، اول الذکر شوقِ عبادت کی تکمیل کے لیے موصوف نے اتباعِ سنت کے اہتمام کو اپنایا اور ثانی الذکر ذوقِ خدمتِ خلق کے لیے 'تعلیم قرآن' کو منتخب فرمایا، مخلصانہ عبادت رب کریم کی برکات نے تعلیم قرآن کے طرزِ مخصوص کو قبولیت عامہ اور قبولیت تامہ عطا فرمائی، چنانچہ جتنے مدارس آپ نے قائم فرمائے ان سب کا عملی طرۂ امتیاز براہِ راست معلمین میں اور بواسطہ معلمین ومتعلمین میں بیش تر زندگی کے اعمال میں اتباعِ سنت کا اتمام بنا۔ جس کی آج کے بے لگام دور میں غیر معمولی کامیابی آپ کے کمالِ اخلاص کے

علاوہ کسی اور چیز کو قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لیے آپ کے مدارس سے قرآن کریم پڑھ کر نکلنے والوں میں اتباعِ سنت کے ماحول میں وقت گزارنے کی وجہ سے دینی ذوق بہرحال راسخ نظر آتا ہے۔[۴]

مولانا عبدالحق (نائب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

مولانا ابرارالحق ہردوئی اللہ کے ان برگزیدہ بندوں میں تھے، جنھیں ہمہ وقت اللہ کے بندوں کی ہمہ گیر اصلاح اور ہدایت کی فکر رہا کرتی تھی۔ وہ رسول پاک ﷺ کی ایک ایک سنت کے عاشق زار تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سارے لوگ میرے محبوب ﷺ کی اداؤں میں ڈھل جائیں وہ بزمِ اشرف کے آخری چراغ تھے، ان کا مزاج و مذاق حکیم الامۃ کی تعلیمات کا جیتا جاگتا نمونہ تھا، انھوں نے حضرت تھانوی کے وصال کے بعد تقریباً ساٹھ سال تک مسلسل حضرت تھانوی کے افکار و علوم، ہدایات و تعلیمات کو عام کیا ہے۔ اصلاحِ منکرات، احیاءِ سنت، تصحیح تلاوت قرآن کریم، تصحیح اقامت نیز تصحیح صلوٰۃ یہ چیزیں آپ کی رگ رگ میں سرایت کرگئی تھیں، زندگی کے آخری لمحے تک وہ ان چیزوں سے غافل نہیں رہے۔[۵]

مولانا حکیم محمد عبداللہ مغیثی (مہتمم جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ، میرٹھ)

شاہ صاحب کی ذات عوام و خواص میں بڑی مقبول اور پُرکشش تھی۔ آپ نے اس دورِ الحاد اور دین سے بے رغبتی کے ماحول میں احیاءِ سنت کے لیے کلیدی کردار پیش کیا اور کبھی دین میں مداہنت کو برداشت نہیں کیا، حضرت تھانوی کی خدمت و تربیت میں رہ کر کندن بننے والا یہ انسان شیخ وقت اور اسم بامسمیٰ محی السنہ ثابت ہوا۔[۶]

مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری (محدث دارالعلوم دیوبند)

حضرت تھانوی کی تیار کردہ شخصیات میں بہت سے آفتاب و ماہتاب بن کر ابھرے ہیں، ان میں سے ایک نمایاں شخصیت مولانا ابرارالحق حقی کی تھی، آپ حضرت تھانوی کی خانقاہ کی آخری کڑی تھے، اور آپ سے بھی ایک دنیا نے فیض پایا ہے۔ آپ کی زندگی کا نمایاں کارنامہ قرآن کریم کی تصحیح اور سنت کا احیاء ہے۔ قرآن کریم صحیح پڑھنے کے لیے آپ نے 'دعوۃ الحق' کا سلسلہ قائم فرمایا تھا۔ برصغیر میں جگہ جگہ اس نام سے ادارے قائم ہیں، جو قرآنِ کریم کی بہترین خدمت انجام دے رہے ہیں، اسی طرح آپ کو اللہ نے سنت کے احیاء کا خاص جذبہ عطا فرمایا تھا، آپ واقعی محی السنہ تھے، اذان و اقامت اور نماز کی

سنتوں کی تصحیح اوران کا احیاء آپ کا خاص مشن تھا۔ اوراس سلسلے میں آپ نے مبالغہ کی حد تک کام کیا ہے۔

’فتاویٰ تاتارخانیہ کا ایک جز ئیہ ہے کہ قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے رکوع کی ہیئت پیدا کر کے نہیں جانا چاہیے، ورنہ نماز میں ایک رکوع کا اضافہ ہوجائیگا، جو موجبِ سجدہ سہو ہے۔ شاہ صاحب اس جزئیہ کی خصوصی تلقین فرماتے تھے، اپنے کسی خادم کے ذریعہ عملی مشق کراتے تھے،مگر میں نے دیکھا کہ نمونہ پیش کرنے والا شخص حضرت کی صحیح مراد نہیں سمجھ پاتا تھا۔ وہ سیدھا لکڑی بنا ہوا سجدہ میں جاتا تھا، حالاں کہ آپ کی یہ مراد نہیں تھی، میں نے خود ایک مرتبہ مدرسہ محمودیہ میرٹھ میں آپ سے پوچھا تھا کہ میں ’’بارے ڈوز‘‘ گیا تھا، وہاں چند نوجوانوں کو عجیب طرح سے قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے دیکھا، میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے آپ کا حوالہ دیا اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے اس پر آپ نے فرمایا جس طرح مزدور پھاوڑا چلاتا ہے اس طرح سجدہ میں نہیں جانا چاہیے۔ مزدور جب پھاڑوا چلاتا ہے تو آدھا جھک جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ پس ایسی ہیئت پیدا ہوگی تو ایک اور رکوع ہوجائے گا۔ پھر جب آپ نے مسجد میں بیان کیا تو یہی مسئلہ بیان کیا۔ ؎

مولانا محمد ساجد قاسمی (استاذ دارالعلوم دیوبند)

میں نے شاہ صاحب کے تمام کاموں میں ترتیب وسلیقہ مندی اور پختگی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ بے ترتیبی، انتشار، حجروں یا مسجدوں کے دروازوں پر بکھری پڑی جوتیاں، وضوخانے میں بے ترتیب لوٹے ادھر ادھر رکھے دیکھ کر اس قدر ناراض ہوتے کہ ان کی حالت دیکھنے لائق ہوتی۔ وہ اپنے کام میں نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرنے والے واقع ہوتے تھے۔ ’’اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں‘‘۔

وہ اپنے قول وعمل، کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے، بلکہ زندگی کے ہر گوشہ میں اتباعِ سنت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ احیاءِ سنت اور لوگوں کو اس پر عمل کی دعوت کہنا چاہیے کہ انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ’’محی السنۃ‘‘ ان کے نام کا جزو لاینفک بن گیا۔ وہ نیک کاموں کا حکم کرنے، برائیوں سے روکنے اور خیر کی دعوت دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھتے تھے۔ وہ ہر وقت اور ہر موقع کو نصیحت کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے غنیمت تصور کرتے تھے۔ وہ قرآن کی تجوید

وقرأت کے ساتھ تعلیم، اذان واقامت اور سلام ودعاء کے کلمات کی تصحیح، جن کی ادائیگی میں ہمارے یہاں کے بہت سے لوگ غلطی کرتے ہیں، اور نماز کی تعلیم پر حد درجہ توجہ دیتے تھے۔ تعلیم وتحفیظ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کے لیے 'اشرف المدارس' کے نام سے ایک مدرسہ بھی قائم کیا، جس میں چھوٹوں کے ساتھ ساتھ بڑی عمر والے بھی بقدرِ ضرورت قرآن سیکھنے نیز نبوی طریقہ کے مطابق اذان واقامت سیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ مدرسہ کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی زیرِنگرانی 'مجلس دعوۃ الحق' بھی قائم کی، جس کے آپ ناظم تھے، جس کے اسٹیج سے دعوتی امور انجام پاتے تھے، آپ نے مذکورہ مجلس کی وساطت سے ملک کے طول وعرض میں قرآن کی تعلیم کے لیے مدارس کا جال بچھا دیا، شاہ صاحب آغاز میں ضلع ہردوئی کے دور افتادہ دیہاتوں اور اس سے متصل علاقوں میں یا تو پیدل یا سائیکل پر سوار ہوکر جاتے تھے، اور کبھی کبھار بیس پچیس کلومیٹر کا فاصلہ پیدل ہی طے کیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ تبلیغ دین، دعوتی کام اور اصلاحِ ناس کے لیے ہوتا تھا۔ شاہ صاحب کے ان دعوتی مشن میں بطورِ معاون برابر شریک رہنے والوں میں دو بزرگوں کا نام لیا جاسکتا ہے، ایک مولانا بشارت علی سلطان پوری جو مدرسہ اشرف المدارس کے نائب ناظم تھے، دوسرے مولانا قاری امیر حسن سیوانی (خلیفہ مولانا محمد زکریا) ان تینوں بزرگوں کی کوششوں سے اس علاقہ کے مسلمانوں کو بے پناہ فائدہ پہنچا۔

میں نے ہندوستان میں بہت سارے علماء اور بزرگانِ دین کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی، مگر میں جتنا شاہ صاحب سے متاثر ہوا، اتنا کسی اور نے مجھ پر اثر نہ ڈالا۔ وہ واقعی موجودہ زمانے کے عالمِ ربانی اور سب سے بڑے داعی تھے۔[۸]

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مولانا شاہ ابرار الحق صاحب تھانوی اسکول کے آخری فرزند شمار ہوتے تھے اور اپنے مربی کے نقشِ قدم پر چل کر ان کی امتیازات کو باقی رکھنے والے تنہا مردِ میدان تھے، حضرت تھانوی کی تربیت کا پورا انداز آپ کی تربیت کے اندر جلوہ گر تھا، احیائے سنت اور اتباعِ سنت پر توجہ مرکوز تھی، جو لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں تھے انھوں نے اخلاصِ عمل کے ساتھ اتباعِ سنت کو اپنا شعار بنایا اور جو لوگ مجازِ بیعت تھے انھوں نے احتیاط وتقویٰ، احیائے سنت، اور اطاعت کی زندگی کا نمونہ پیش کیا اور اپنے مرشد

کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی زندگی کی کامیابی کا راز تصور کیا۔

حضرت موصوف کی دینی تربیت کا انداز صاف ستھرا اور موثر تھا، نہایت اختصار کے ساتھ دینی حقائق کو بیان کرتے تھے اور نہایت آسان طریقہ سے لوگوں کو دین کی بنیادی باتیں بتا کر ان پر عمل کرنے کا آسان نسخہ تجویز فرماتے تھے، مثال کے طور پر گھریلو اصلاح کا طریقہ اس طرح بیان فرماتے تھے:

۱۔ گھر کے سب افراد کو جمع کر کے ایک سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ سنائیں مثلاً وضو کی سنت شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

۲۔ سنت کا ایک فائدہ بتلانا مثلاً رزق میں برکت ہوتی ہے۔

۳۔ ایک گناہ کبیرہ بتلانا، مثلاً کسی کو ذلیل وحقیر سمجھنا۔

۴۔ گناہ کا ایک نقصان بتلانا جو دنیا میں سامنے آتا ہے مثلاً رزق کی تنگی۔

۵۔ کم از کم سات دفعہ کلمہ طیبہ، تین دفعہ درود شریف، گیارہ گیارہ دفعہ استغفر اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر پڑھنا۔

۶۔ نیک اور صالح حضرات کے پاس جس قدر وقت ملے جا کر بیٹھنا، اگر کوئی شخص نہ مل سکے تو صلحاء واکابر کے ملفوظات کا مطالعہ کرنا۔ اور اس نسخہ کی ہدایت اس طرح بیان فرماتے تھے:

(۱) ایک تا چار کا علم کسی عالم یا مسجد کے امام صاحب سے حاصل کرنا جو سبق دیا جائے اس کو کاپی پر لکھنا۔

(۲) دوسرے دن سننا، اگر سب یاد نکلے تو آگے سبق دینا، ورنہ وہی سبق پھر دہرانا۔

(۳) جنھوں نے یاد کرلیا ہے ان کے حوالے ان کو کرنا جو یاد نہیں کر سکے ہیں۔[۹]

مولانا محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مولانا ابرار الحق حقی بزرگ شخصیتوں کی آخری یادگار رہ گئے تھے۔ آپ میں جانے والے سب بزرگوں کی برکت جمع ہوگئی تھیں، استفادہ کے لیے ہر طرف سے لوگ پہنچتے تھے، مجھے اور میرے رفقاء کو برابر اپنی تشنگی بجھانے کے لیے حاضر ہونے کا موقع ملتا تھا۔ اور ملاقات وحصولِ دعا کی سعادت حاصل

ہوتی تھی، اب ان کے نہ رہنے سے جو خلا پیدا ہوا ہے کس طرح اس کی تلافی ہو سکے گی، یہ سمجھنا مشکل ہورہا ہے۔[۱۰]

(نوٹ: یہ خط حضرت ناظم صاحب نے حکیم کلیم اللہ صاحب کو ۱۰/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ کو ارسال کیا تھا)

مولانا امین الدین شجاع الدین (رئیس التحریر پندرہ روزہ تعمیر حیات، لکھنؤ)

مولانا کی کتابِ زندگی سنت کا بھرپور عکاس تھی، عشقِ رسول کا سچا پکا جذبہ ہی تو تھا کہ مولانا نے احیاءِ سنت کے کاز کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، قرآن پاک سے، اس کی ترویج واشاعت سے اور فنِ تجوید کے سلسلے میں ایسی دردمندی وفکرمندی اور دل سوزی کہ اس کی نظیر موجودہ دور میں بظاہر تو نظر نہیں آتی، نہ معلوم کتنے ایمان والوں کو مولانا کی توجہ وعنایت کی بدولت قرآن پاک کو فن تجوید کی پوری رعایت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق وہدایت رب کریم نے عطا فرمائی ہوگی، زندگی کے ہر عمل میں وہ شریعت کی بالادستی اور اس پر پورا پورا عمل دیکھنا چاہتے تھے، اور اس سلسلہ میں ذرہ برابر بھی مداہنت انھیں گوارا نہ تھی، باریک سے باریک اور چھوٹے سے چھوٹے مسائل پر وہ اپنی توجہ مرکوز رکھتے، ان کا ذہنی سانچہ اور ان کی پوری عملی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی تھی، اگر کوئی مخالف ومعاند اسلام کبھی ہم سے پوچھتا کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص بتادو جو شریعت کا مکمل آئینہ دار ہو تو بلا تأمل شاہ صاحب کو پیش کیا جاسکتا تھا، ان کے نام کے ساتھ حقی لکھا ہوتا تھا، اور حق تو کڑوا ہوتا ہی ہے۔ چنانچہ وہ صرف امر بالمعروف کی حد تک کام کے قائل نہ تھے بلکہ نہی عن المنکر کے بغیر وہ ایسے کسی بھی مشن کو ناقص سمجھتے تھے۔[۱۱]

مولانا محمود حسن حسنی ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا ابرارالحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات وصفات سے نوازا تھا ان میں ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ لوگوں کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے ان کے مناسب حال باتیں ارشاد فرماتے رہتے تھے، اس کے لیے اسٹیج سجانے، جلسہ یا پروگرام رکھنے اور مجلس کی بھی ضرورت نہیں پڑتی

تھی، انھیں کسی کا انتظار یا کسی موقع کا پابند نہیں ہونا پڑتا تھا۔ حضرت والا سے ایک ہی ملاقات وزیارت اس کے مناسب واہم امور کی طرف متوجہ کر دیتی تھی۔ مولانا کی یہ توجہ قولاً اور حالاً دونوں اعتبار سے ہوتی تھی، اگر حضرت والا کا مزاج کچھ فرمانے کا ہوتا تھا، تو ملنے والے کے کام کو اہمیت دیتے ہوئے اس کا پورا خیال فرماتے تھے، اور انسانی طبائع کی ان کمزوریوں کا بھی خیال فرماتے تھے، وہ اچھی اور مفید باتوں پر مسرت کے ساتھ ساتھ اسی صورت میں ادراک کر پاتا ہے جب مثالوں سے اس کی وضاحت کر دی جائے۔ اس سلسلہ میں ان کو اپنے شیخ حکیم مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الشیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے خصوصی حصہ ملا تھا، مزید برآں وقت کے بڑے شیخ اور مثالوں کے بادشاہ کہے جانے والے بزرگ حضرت شاہ یعقوب صاحب مجددی کا ان پر اس سلسلہ کا عکس بھی پڑا تھا۔ ۱۲

مولانا غلام محمد وستانوی مظاہری (رئیس جامعہ اشاعت العلوم اکل کنواں، مہاراشٹر)

مولانا شاہ ابرار الحق بزمِ اشرف کے ایسے چراغ تھے۔ جو اپنی حیات میں بساط بھر چراغ مصطفوی بن کر شرار بولہبی، رسم وریتی، بدعات وخرافات اور جاہلیت ومداہنت کے طوفان سے نبرد آزما رہے اور ہر روانِ شوق کو راہ دکھلاتے رہے۔ اب وہ چراغ بجھ گیا، مگر اس سے اٹھنے والا دھواں اس کے سوز دروں کا پتہ دیتا ہے۔ اور باطل کی ظلمتوں سے ٹکرانے والے جیالوں کو دم بھر آگے ہی بڑھتے رہنے کا حوصلہ فراہم کرتا ہے۔ مولانا موصوف وطناً ہردوئی، نسبتاً حقی، علماً مظاہری، اور مشرباً تھانوی تھے، آپ جہاں اکابر کی نظروں کے تارے تھے وہیں ہم عصروں کے دل کے دلارے اور اصاغر کے حق میں بااصول معلم ورہنما تھے۔

مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اکابر کی توجہ، عشق مع القرآن اور اتباعِ سنت کے صدقہ میں بااصول زندگی بارونق بود وباش اور بارعب وباوجاہت چہرے کے ساتھ ساتھ با اثر ملفوظات ومواعظ سے ایسا حصۂ وافر عطا فرمایا تھا کہ ہر وقت علم وحکمت کے چشمے آپ کی لسانِ ترجمان رسالت سے جاری رہتے۔ اور اس طرح آپ کی حیات، قرآن کریم کی آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرىٰ آمَنُوا

وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ' کا آئینہ دار تھی، آپ کے ملفوظات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو حرف بہ حرف اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ آپ اس دور کے مجدد اور محی السنہ تھے۔ ۱۳

مولانا فضیل احمد قاسمی (جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند)

اولیاء اللہ کی زندگیاں انبیاء کی پیروی و اتباع میں گزرتی ہیں، اس لیے سیرت رسول ﷺ کے بعد خاموش مربی بزرگوں کی سوانح عمری ہیں، ابھی کچھ دنوں پہلے جب ہماری نگاہیں پورے برصغیر میں کسی بزرگ کو ڈھونڈتیں تو حضرت ہردوئی پر جا کر ٹک جاتیں، افسوس اب نگاہوں کا کوئی ایسا مرکز نہ رہا۔ حضرت کی بڑی خصوصیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھی، اور اس معاملے میں کسی کی رعایت نہ فرماتے۔ دعوت ان کی پُر حکمت ہوتی، دل کی دنیا بدل جاتی، کیفیاتِ قلب میں تلاطم پیدا ہوتا۔ اور قلب جاری ہو جاتا۔ میں تو خردوں کا خرد ہوں، مجھ پر بھی بڑی عنایات رہتیں۔ ۱۴

مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری (استاذ حدیث دار العلوم دیوبند)

شاہ صاحب کی حیاتِ مبارکہ تطبیق شریعت و اتباعِ سنت سے عبارت تھی۔ آپ قرآن مقدس کی تعظیم و محبت کے سلسلے میں نمایاں شان رکھتے تھے۔ احیاء سنت اور قرآن و اذان کی اصلاح کے بارے میں آپ کا مبارک شغف پوری امت کے لیے قابل تقلید اور مثالی عمل ہے۔ رجال سازی کی بھی ایسی صلاحیت آپ کو عطا ہوئی تھی کہ آپ کی نگاہ مؤمنانہ سے بے شمار لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا ہوا۔ وہ جادۂ حق کے راہی بنے، اور کتنے ہی لوگ مرشد و مصلح، داعی و مبلغ اور ہادی و رہبر بن گئے۔ ۱۵

عارف باللہ مولانا ڈاکٹر عبدالحیؒ (خلیفہ حضرت تھانوی)

میرے محترم برادرِ عزیز ابرار الحق کو اللہ نے ظاہری و باطنی اوصاف سے نوازا ہے۔ ماشاء اللہ عالم حافظ و قاری اور حضرت تھانوی کے خلیفہ ہیں، موصوف نے تحصیل علوم درسیہ کے بعد اپنی عمر اشاعت دین اور اصلاحِ امت کے لیے وقف کر دی، اور بہت سے مدارس دینیہ بعون اللہ قائم کیے، اور وہ نمایاں ترقی کر رہے ہیں، اس کے علاوہ جگہ جگہ مواعظ و ملفوظات سے بھی مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہتے

تھے۔[۱۶]

مولانا محمد یوسف بنوری (بانی ومؤسس مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن، کراچی)

'حضرت تھانوی کے خلفاء ومستفیدین کو جتنا تعلق وقرب وجذب کی نسبت رہی اسی قدر حق تعالیٰ نے ان کو بھی مقبول بنایا۔ ان قابل قدر مبارک ہستیوں میں سے الحمدللہ مولانا ابرار الحق کا وجود بھی ہے۔ میرا ابتداءً تو غائبانہ تعلق رہا اور ایک عرفاتی ملاقات بھی ہوئی۔ اور آپ کے قابل قدر احوال بھی سنتا رہا۔ لیکن اس دفعہ کراچی تشریف آوری پر قریب سے دیکھا، اور دو تقریریں سننے کا موقع بھی نصیب ہوا۔ الحمدللہ کہ توقع سے بالاتر پایا، ماشاءاللہ حضرت تھانوی کی نسبت جذب نے ان کو اپنا مجذوب بنا کر ان کی زبان کو اپنے پُر کیف مواعظ سنانے کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا ہے۔[۱۷]

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی (محدث دارالعلوم کراچی، سابق چیف جسٹس پاکستان)

شاہ ابرار الحق کا وجود اس آخری دور میں پوری امت کے لیے ایک عظیم سرمایہ تھا۔ حضرت کی تعلیمات وہدایات کا فیض بحمدللہ دینا بھر میں پھیلا ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے آخری خلیفہ ہونے کی حیثیت سے آپ کے دم سے خانقاہِ اشرفی کا نور پوری امت کے لیے باعث طمانیت تھا، اور آپ کا سانحۂ ارتحال امت کے لیے ایک عظیم حادثہ ہے۔ لیکن یہ حضرات دنیا سے جانے سے قبل اپنے جو فیوض چھوڑ جاتے ہیں، وہ امت کے لیے بڑا ڈھارس کا سامان ہوتے ہیں۔ اور امت کو ان فیوض سے متعارف کرانے کا ہر اقدام امت کے لیے ایک نعمت ہے۔[۱۸]

مولانا عبداللہ ندوی (معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا ابرار الحق صاحب کو سنت سے اس قدر شغف تھا کہ ان کی رگ وپے میں بسا ہوا تھا۔ میرا ایک بار ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا وہ بولتے بہت تھے لیکن ایک لفظ بھی بے سود اور بے معنیٰ نہیں بولتے تھے، میں نے حضرت کا حال یہی دیکھا کہ جہاں ان کو موقع ملا فوراً وہ اتباعِ سنت کی بات کرنے لگتے، ایک مرتبہ ایک صاحب نے جوتے اتارے اور ٹیڑھے رکھ دیئے، حضرت نے ان کے جوتے

سیدھے کر دیئے، رات و دن اتباعِ سنت کے علاوہ ان کا کوئی اور مشغلہ نہ تھا، ان کا درس ہر وقت ہوتا رہتا تھا۔ وہ ہر بات کو اپنے رخ پر لے جاتے تھے، آج اس کی قدر معلوم ہو رہی ہے، اور اس کا اثر آج ظاہر ہو رہا ہے کہ موت کے بعد بھی ان کا چہرہ روشن نظر آ رہا تھا۔ ۱۹

مولانا محمد اسلم شیخو پوری (پاکستان)

وہ منظر اب تک آنکھوں میں رچا بسا ہے، جب مولانا شاہ ابرار الحق جامعہ (جامعۃ العلوم لاسلامیہ) تشریف لائے اور انھوں نے دارالحدیث میں طلبا اور اساتذہ کے مشترکہ اجتماع سے خطاب فرمایا طبیعت میں چوں کہ نزاکت اور حساسیت تھی، اس لیے آپ نے مکمل سکونت کا تقاضا فرمایا۔ آپ کے بیان میں حضرت تھانوی کا رنگ جھلکتا تھا۔ کتاب وسنت کے نکات، بزرگوں کی حکایات، اصلاح کا جذبہ، امت کا درد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جس بات کا کہنا ضروری سمجھتے کسی کی ملامت کے خوف کے بغیر کہہ دیتے۔ اس زمانے میں محلے کے جو بچے ناظرہ یا حفظ قرآن کے لیے جامعہ میں آتے تھے، ان کے لیے بنوری ٹاؤن کی مسجد کے صاف شفاف مگر ننگے صحن میں فرشی نشست کا اہتمام ہوتا تھا۔ شاہ صاحب نے بیان کے دوران اس پر شکوہ کیا کہ صرف، نحو پڑھنے والوں کے لیے تو قالین اور دری کا اہتمام ہے، مگر کلام اللہ پڑھنے والے ننگے فرش پر بیٹھے ہیں، احقر کے بیان کی جو دوسری بات آج کئی سال گزرنے کے باوجود یاد آ رہی ہے، وہ یہ تھی کہ لباس سے بستر تک اور مشروبات سے مطعومات تک ہر چیز میں ہم معیار کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور ہلکی اور غیر معیاری چیز پر ہم آمادہ نہیں ہوتے۔ جب کہ عبادات میں ہم معیار اور کوالٹی کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا نماز ہی لے لیجیے، بھری مسجد میں شاید ہی آپ کو کوئی شخص خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا دکھائی دے، اکثر کا حال یہ ہے کہ نہ قیام صحیح، نہ رکوع وسجود صحیح، اس موقع پر آپ نے ضمناً یہ بھی فرمایا کہ نوافل کھڑے ہو کر پڑھنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، مگر ہم میں سے اکثر تو نوافل پڑھتے ہی نہیں، اگر پڑھتے بھی ہیں تو بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں جنھیں طویل زندگی دی جاتی ہے، اور وہ زندگی کا ہر لمحہ ذکر وفکر اور دعوت وعبادت میں لگا دیتے

ہیں، اور کتنے بدنصیب ہیں جنھیں مہلت اور طویل زندگی دی جاتی ہے۔ مگر ان کا ہر دن ہر رات معصیت اور بغاوت میں بسر ہوتی ہے۔ وہ کون سا ملک ہے جہاں شاہ صاحب نہیں پہنچے اور اپنے انفاس قدسیہ سے دلوں کی ٹھنڈی فضاء کو گرم نہیں کیا۔ ہندوستان کا وہ کون سا بڑا شہر ہے جہاں کے شکستہ دل اور کفر وشرک کے نرغے میں زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کے لیے ظاہری سہارا ثابت نہیں ہوئے۔ آپ کے سیدھے سادھے مگر دلوں میں اترنے والے مواعظ نے لاکھوں کی زندگیاں بدل ڈالیں۔

اصلاح وتزکیہ، زہد وتقویٰ، دعوت وارشاد اور عبادت وافادیت کا جو راستہ آپ نے جوانی بلکہ بچپن ہی سے اختیار کیا تھا۔ زندگی بھر آپ اسی پر چلتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب ان انسانوں میں سے تھے، جن کا وجود قوم کے لیے باعثِ افتخار اور انسانیت کے لیے سرمایۂ وقار ہوتا ہے۔ تشنگانِ علم ان سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور متلاشیان راہ ان کی باتیں سن کر راہِ منزل کا تعین کرتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور جذبۂ عمل کو انگیخت ملتی ہے۔ شاہ صاحب کے تربیت یافتہ صلحا اور ابرار کی ایک بڑی جماعت تو موجود ہے مگر شاہ ابرار موجود نہیں ہیں۔[۲۰]

مولانا مفتی رشید احمد (مہتمم اشرف المدارس ناظم آباد کراچی، پاکستان)

مولانا ابرار الحق کو اللہ تعالیٰ نے ایسی خاص شانِ اصلاح سے نوازا ہے اور پھر اصلاحِ امت کے کام کو ان کے لیے اس طرح درِدل بنا دیا ہے کہ اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتی۔ رہبرانِ قوم نے نہی عن المنکر کے فریضہ کو تو ایسا بھلا دیا ہے کہ گویا یہ حکم سرے سے شریعت میں ہے ہی نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر منکرات کی مجالس میں علانیہ شرکت بلکہ اپنی مجالس میں منکرات کی کھلی چھوٹ دے کر عوام کو فتنۂ اباحیت میں مبتلا کر دیا ہے۔

میں اطراء فی المدح اور کسی کی مدح کے ضمن میں تنقیص غیر سے پناہ مانگتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ اصلاحِ منکرات کا جو کام مولانا ابرار الحق سے لے رہے ہیں وہ آج دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ پھر نہی عن المنکر کے جذبہ کے ساتھ اللہ نے حسنِ بیان اور ایسی شانِ جاذبیت عطا

فرمائی ہے کہ آپ کی نکیر باعث تنفیر نہیں بنتی، بلکہ منکرات کا کج قلوب کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہ دل کی تڑپ اور اخلاص وقبول کی علامت ہے۔ [۲۱]

مفتی محمد شفقت اللہ (صدر مفتی مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی)

اللہ تعالیٰ شانہٗ انسانوں کی ہدایت کے لیے ہمیشہ اپنے برگزیدہ بندے یعنی انبیاء علیہم السلام کو بھیجتے رہے۔ انبیاء کرام نے اپنی پوری زندگی میں توحید ورسالت، رشد وہدایت کا پیغام اللہ کے بندوں تک اپنے اخلاق واعمال، وعظ ونصیحت کے ذریعہ پہنچایا، اور یہ سلسلہ بہت طویل زمانہ سے چلتا چلا آرہا ہے، انہی خاصانِ خدا میں ایک عظیم بزرگ ممتاز عالم دین نمونہ سلف محی السنہ حضرت مولانا الشاہ ابرارالحق صاحب (ناظم اعلیٰ مدرسہ اشرف المدارس ومجلس دعوۃ الحق ہردوئی) تھے۔

شاہ ابرارالحق کی ہمہ وقت فکر وکوشش یہ ہوا کرتی تھی، کہ ہر امتی کی زندگی میں اللہ کے احکامات اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ آجائے اور اس کی معاشرت درست ہوجائے، اس کے اندر اخلاق نبوی آجائیں، برائیاں اور گناہ مٹ جائیں، اور لوگ گناہوں سے محفوظ ہوجائیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہمہ وقت اس کے بارے میں وعظ ونصیحت فرماتے رہتے، سفر میں ہوں یا حضر میں، اسٹیشن پر ہوں یا اسپتال میں، مسجد میں ہوں یا مدرسہ کے اندر ہوں، یا باہر مجمع عام ہو، یا خاص علماء وصلحاء ہوں یا افسران وحکام یا وزراء سب کو حسبِ موقع سرورِ کونین کی پاکیزہ تعلیمات سے روشناس فرماتے، اللہ نے آپ کو تعلیمات نبوی کے پیش کرنے کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا اور آپ اس کو ایسے لطیف اور پیارے انداز میں پیش کرتے تھے کہ ہر چھوٹا بڑا امیر وغریب، شہری ودیہاتی، حاکم ومحکوم، عالم اور غیر عالم آپ کی باتوں کو سمجھ لیتا اور اس کا اثر لے کر ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہوجاتا۔ خصوصاً منکرات اور برائیوں کی اصلاح ایسے لطیف اور بہترین انداز میں فرماتے تھے کہ بڑے سے بڑا برائی کرنے والا شخص بہت آسانی سے برائی چھوڑنے پر آمادہ ہوجاتا، احیاءِ سنت کا ایسا عظیم قلبی داعیہ رہتا تھا کہ ہر مسجد ومدرسہ میں اس کے اجراء کی فکر اور لوگوں کے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش فرمایا کرتے تھے، گویا احیائے سنت، اصلاحِ منکرات، شاہ

صاحب کا خاص مشن تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو محی السنہ کے خاص لقب سے نوازا گیا۔

شاہ صاحب کی پوری زندگی سنتِ نبوی سے آراستہ تھی اور سنتوں پر عمل کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ کوئی کام خلافِ سنت نہ کرتے تھے، اور کسی کا کوئی کام خلافِ سنت کرنا بھی پسند نہ فرماتے تھے، بلکہ اگر آپ کی نگاہ خلافِ سنت کام کرنے والے شخص پر پڑ جاتی تو فوراً اس شخص کو سنت کی جانب متوجہ فرماتے اور وہ بہ طیب خاطر قبول کر کے اپنی اصلاح کر لیتا یہاں تک کہ سنگین بیماری کی حالت میں بھی سنتوں کا اہتمام فرمایا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب کو قرآن پاک سے خاص تعلق اور لگاؤ تھا۔ قرآنِ پاک کی تعلیم پوری تجوید کے ساتھ دینے کا نظم اور انتظام آپ کی امتیازی شان تھی۔ ۲۲

الحاج حکیم محمد کلیم اللہ (جانشین حضرت محی السنہ و ناظم مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی)

حضرت محی السنہ کی پوری حیات نمونۂ اسلاف تھی، سادگی، بے ساختگی، اصلاح امت کی فکر، سیاست و کسی بھی سیاسی جماعت سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا۔ ہر خاص و عام سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، ہر اس شخص کا درد دل میں رکھتے جس کو تکلیف و پریشانی ہو۔ خاص بات یہ تھی کہ پریشان و مضطرب شخص بھی حضرت سے مل کر قلبی سکون پاتا تھا، اس کی پریشانی کے حل کی صورتیں نکلتی تھیں، پرتکلف غذائیں پسند نہیں فرماتے تھے، ہر چیز میں نظم پسند فرماتے تھے، خلافِ اصول کاموں کو برداشت نہیں فرماتے تھے، خلاف شریعت بات پر برجستہ، بروقت و برموقع نکیر فرماتے تھے، اس میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے، ہر وقت پیش نظر رضائے الٰہی کا غلبہ رہتا تھا۔ کل حیات اصلاح معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت میں دینی تعلیم کو فروغ دینے میں صرف کی، سنت کے مطابق تلاوت کیا کرتے تھے، بیماروں کی عیادت کے لیے ہدایت فرماتے تھے۔ ۲۳

مولانا محمد اشہد رشیدی (مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد)

شاہ صاحب مناسب قد جس کو نہ لمبا کہا جا سکتا ہے اور نہ پستہ، نہایت روشن اور پُر رونق چہرہ، موتی کی طرح سے صاف ستھرے اور چمکتے ہوئے دانت، ستواں ناک، کشادہ پیشانی، عالمانہ جاہ و جلال

اور مصلحانہ شفقت ومحبت کا عجیب وغریب امتزاج آپ کی خصوصیات تھیں، زندگی بھر دین وشریعت کی خدمت کے ساتھ ساتھ ملتِ اسلامیہ کی ہدایت اور اصلاح کا عظیم کام بھی انجام دیتے رہے۔ اور ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ دین کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اور ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی صحیح اسلامی ڈھنگ اور طریقہ کے برخلاف انجام نہ دیا جائے، چنانچہ آپ نے قرآنِ کریم کی تصحیح اور تجوید کے اصول وقواعد کی رعایت پر بھرپور توجہ دی، مجہول ومعروف، صفات ومخارج، مد کی مقدار نیز اخفاء وغنہ وغیرہ پر خاص نظر رکھی، اور باقاعدہ اپنے ادارے میں تصحیح قرآن کا نظم فرمایا، تاکہ لوگ قرآنِ کریم کی تلاوت اس انداز پر کرسکیں جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔ [۲۴]

قدم قدم پر سنتوں کا اہتمام کرنا، گھر میں، مجلس میں، سفر میں، خوشی میں، غمی میں، یعنی ہر موقع پر نبی اکرمؐ کے طریقہ کو اپنانا، اور عام لوگوں کو اس کی دعوت دینا آپ کا امتیازی وصف تھا۔ مختلف موقعوں پر آنحضورؐ سے منقول دعاؤں کا اہتمام آپ بڑی تندہی سے فرمایا کرتے تھے اور باقاعدہ مجالس میں ان کو سننے سنانے اور اپنانے کی رغبت دلایا کرتے تھے، جس کے اثرات ان کے روشن چہرہ سے عیاں تھے، بجا طور پر امت نے ان کو محی السنہ کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ [۲۵]

برائی اور منکرات پر مناسب انداز سے بروقت نکیر کرنا ان کا مزاج بن چکا تھا، اس میں وہ امیر وغریب، عالم وغیر عالم کا فرق نہیں کیا کرتے تھے، اور بلاخوف لومۃ لائم گناہوں، برائیوں اور معاصی پر بھرپور انداز سے ٹوک کر نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کیا کرتے تھے، اور اگر وہ یہ محسوس کر لیتے کہ کسی مجلس یا تقریب وغیرہ میں منکرات موجود ہیں تو بار بار اصرار دعوت دینے کے باوجود اس میں شرکت کے لیے تشریف نہ لے جاتے تھے، یہاں تک کہ داعی، منکر کو ہٹا کر آئندہ نہ کرنے کا وعدہ نہ کرلے، اور آپ اس کے وعدہ سے مطمئن نہ ہو جاتے۔ [۲۶]

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری (مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد)

بلاشبہ مولانا ابرار الحق صاحب کا سانحۂ وفات امتِ مسلمہ کے لیے بہت عظیم سانحہ اور قریبی دور

کا سب سے بڑا نقصان ہے۔ مولانا ہم سب کے سرپرست تھے، آپ کی حیثیت امت کے مشفق باپ کی طرح تھی، جو ہر وقت اپنی اولاد کی بہتری کی فکر میں رہتا ہے۔ اور جس کے گھنے سایہ میں اولاد کے لیے ترقی اور کامیابی کی راہیں کھلی رہتی ہیں، آپ کی ذات اسلامیانِ عالم کے لیے بہت بڑی ڈھارس تھی۔ اور آپ کا وجودِ مسعود زمانہ کی گھٹاٹوپ اندھیروں میں منارۂ نور کی حیثیت رکھتا تھا، آپ کی مجلسیں فیضانِ حکمت سے لبریز ہوتیں، اور آپ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ دعوت الی الخیر کا حقیقی مصداق ہوتے، آپ کی صحبتِ طیبہ سے ہدایت کے چشمے پھوٹتے، اور اپنی کوتاہیوں پر جمے ہوئے دبیز پردے خود بخود ہٹتے چلے جاتے تھے، آپ کے پُرنور چہرے کو دیکھ کر خدا یاد آتا اور آخرت کی فکر بیدار ہو جاتی۔ ۲۷

شاہ صاحب کی زندگی کا سب سے روشن پہلو قرآن پاک کی خدمت ہے۔ آپ نے قرآن پاک کو بالتجوید پڑھنے کو ایک تحریک کی شکل دی، اور اس مقصد کو گویا کہ اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا، آپ کے زیر انتظام چلنے والی تنظیم 'مجلس دعوۃ الحق' کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عوام اور خواص کو تصحیح قرآن پاک کا شعور عطا کیا، آپ نے نورانی قاعدہ کو خاص انداز میں مرتب کرا کے چھوٹے بچوں کو تجوید کے موٹے موٹے قواعد یاد کرانے اور پھر قرآن پاک کا اجراء کرانے پر بھرپور محنت کی، اور آپ کا جاری کردہ نورانی قاعدہ اطرافِ عالم میں مشہور و مقبول ہو گیا، اور اس طرزِ تعلیم کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ جو طالب علم اس کو اصول کے مطابق پڑھ لے تو وہ قرآن پاک کی تلاوت میں غلطی اور مجہول پڑھنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ۲۸

مولانا نے اس دور میں جب کہ قدم قدم پر سنتوں کو پامال کیا جا رہا ہے اور عوام تو کجا خواص میں بھی اتباعِ سنت اور مستحبات کی پابندی کا اہتمام نہیں ہے، مولانا نے احیاء سنت کو عالمی تحریک کی شکل دے دی، چھوٹی چھوٹی سنتوں سے امت کو روشناس کرایا اور تقریر و تحریر کے ذریعہ سنتوں پر عمل کی مؤثر انداز میں ترغیب دی۔ بالخصوص عبادات، طہارت اور نماز وغیرہ کے مسائل میں مولانا جس قدر سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے وہ آپ کا خاص امتیاز تھا۔ ۲۹

مولانا نے امت کی دینی ومعاشرتی اصلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔ دن رات آپ کو یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ امتِ مسلمہ کی اصلاح کیسے ہو اور امت راہِ حق پر کیسے چلے۔[۳۰]

مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی (ناظم مدرسہ بیت المعارف الٰہ آباد)

مولانا شاہ ابرار الحق کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، آپ کی خدماتِ دینیہ ساری امت میں اظہر من الشمس ہیں۔ اور صحیح معنوں میں آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب اور وارث تھے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصدِ حسنہ یعنی تلاوتِ کلام اللہ اور تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس کی خدمات پوری زندگی انجام دیتے رہے، نیز حدیث جبرئیلؑ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ اعمال اسلام اور صفاتِ ایمان اور نسبت احسان کے معنیٰ و مفہوم کی توضیح وتشریح بلکہ ان حقائق سے انصاف کی طرف ترغیب وتخصیص فرماتے رہے۔[۳۱]

ڈاکٹر رشید الوحیدی (جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)

حضرت شاہ صاحب خانقاہِ تھانہ بھون سے روحانیت کی عظیم امانت لے کر اٹھے اپنے مرشد کے اشارے پر ہردوئی کو آباد کیا، اور پھر نصف صدی سے زیادہ تعلیم وتربیت اور روحانیت کی ضیاء پاشیاں اس نئے علاقے سے ہوتی رہیں، گوشہ نشین رہ کر خاموشی سے یہ دولت لٹاتے رہے، عجیب انداز ہے ان اولیاء کرام کا، نام ونمود جاہ وشہرت اور ناموری کی طلب اور اس کے لیے تگ ودو اس قسم کی تمام لایعنی باتوں سے بہت دور وبے نیاز، اپنے اللہ سے لولگائے مخلوقِ خدا کی اصلاح وخدمت میں مصروف رہتے ہیں۔

طبیعت میں انکساری وتواضع کا یہ عالم کہ سب کچھ یا بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی گویا کچھ نہیں ہیں، قسمت سے ایک بار حاضری اور زیارت کا شرف نصیب ہوگیا، آج تک اس کا سرور دل ودماغ پر باقی ہے۔ چار پانچ سال قبل کی بات ہے اپنے ایک واقف کار فاضل دیوبند کے ساتھ کسی تعلیمی کام سے دہلی سے لکھنؤ کا سفر کیا، چار باغ ریلوے اسٹیشن لکھنؤ مسافر خانے میں قیام ہوا، کام ایک دو دن میں ختم ہوگیا۔ ایک دن فاضل بچ گیا، اگلے دن دہلی واپسی تھی، ہم دونوں میں طے ہوا کہ یہ فاضل دن ہردوئی چل کر

شاہ صاحب کی زیارت کی جائے۔ نیت صاف تھی اللہ نے مدد کی مسافر خانے سے باہر نکلے، سامنے بس رکی ہوئی تھی، کنڈ یکٹر چلاّ رہا تھا، ہردوئی، ہردوئی، ہم جھٹ جا بیٹھے، بس چل دی سکون ہوا، اچانک جانے کیا سوجھی میں نے ساتھی سے کہا، یہاں ایک کام کریں۔ آپ اپنا خادم فاضل دیوبند اور میرا خانقاہ مدنی کے خادم کی حیثیت سے تعارف نہ کرا کر ایک اجنبی کی حیثیت سے شاہ صاحب سے ملیں، ایسا کیوں کہا۔ اللہ معاف فرمائے شاید کہیں تحت الشعور میں یہ خیال تھا کہ دیکھیں شاہ صاحب کا اجنبیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، دیوبند اور حضرت مدنی کی نسبت سے تو ہر جگہ دو گھونٹ پانی اور ٹکڑے کو لوگ پوچھ لیتے ہیں۔ بہر حال بات طے ہوگئی، ہم وہاں پہنچے تو ظہر کی نماز تیار تھی، گرمی کا زمانہ تھا، ہم مسجد میں جا بیٹھے، سنت پڑھ کر حضرت کا انتظار کرتے رہے۔ کبھی زیارت تو ہوئی نہ تھی، ذہن میں طرح طرح کا نقشہ ابھرتا رہا۔ جس میں تقدس اور نورانی چہرہ بہر حال نمایاں تھا۔ انتظار ہی میں جماعت کھڑی ہوگئی۔ عین وقت پر تشریف لائے اور شریک ہوگئے ہوں گے۔ سلام کے بعد پیچھے سے آواز آئی، میاں سجدے میں انگلیاں پھیلا کر نہیں ملا کر رکھو، اپنے مدرسہ کے کسی نئے طالب علم سے مخاطب تھے۔

میں نے قیاس یہی کیا کہ شاہ صاحب ہیں، نماز بعد ہم دونوں نے شفقت سے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا، پھر سوال ہوا کہ کہاں سے آئے ہو۔ طے شدہ بات کے مطابق عرض کیا کہ لکھنؤ سے زیارت کو آئے ہیں، ہم دونوں کو دائیں بائیں لے کر قیام گاہ کی طرف چل پڑے۔ معمول کے مطابق اپنی نشست گاہ پر بیٹھ گئے۔ مدرسے کے طلباء، اساتذہ، باہر کے مہمان، شہر کے معتقدین سب حاضر تھے، مگر نہایت شفقت سے ہم دونوں نو واردان سے مخاطب تھے۔ اور اکرامِ ضیف کا پورا حق ادا فرما رہے تھے، اکابر واسلاف کی شان یہی رہی ہے۔ اجنبی ہو یا اپنا قریب، خاص ہو عام۔ غرض مہمان تو مہمان ہے اور اکرام کا مستحق ہے۔ یہ ان نام نہاد صوفیاء میں سے نہیں ہیں یہ اپنے بزرگوں کے سچے جانشین ہیں اور ان کے بزرگوں کا تصور قرآن وحدیث اور اخلاقِ محمدی سے ماخوذ ومستفاد ہے۔ [۳۲]

یہ دارالعلوم یا حضرت مدنی کی نسبت سے نہیں، دو اجنبیوں کے ساتھ معاملہ تھا، سادہ لباس،

تھانوی گول ٹوپی، درمیانہ قد، درمیانہ جسم، بھری داڑھی، پُر وقار نورانی سنجیدہ چہرہ، اول وہلے میں بولنے کی ہمت نہ ہو مگر خود بولیں تو شیریں بیانی سے، بات کرنے والا بے تکلف ہو جائے۔ لہجہ ہمدردانہ، گفتگو میں کوئی نہ کوئی نصیحت یا اپنے بڑوں کا کوئی واقعہ، یہ مبارک ذات دل ودماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ خانقاہ سے باہر آتے ہی پھر وہی ہم، وہی دنیا کی جھنجھٹ وہ جوسنا ہے، ولیٔ کامل وہ ہے جس کے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آئے، ہردوئی کے اس قلندر کی بارگاہ میں خوب خوب مشاہدہ ہوا۔[۳۳]

مفتی ابوالقاسم قاسمی (بنارس)

مہمان، اللہ کے فرستادہ ہوتے ہیں۔ وہ قابل تعظیم اور لائق اکرام ہیں، ان کو آنکھوں اور پلکوں پر بٹھایا جائے اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر ان کا اعزاز واکرام کیا جائے۔ کھانے، پینے، رہنے سہنے اور ان کی ضروریاتِ زندگی کا پورا پورا خیال رکھا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو کچھ تکلیف پہنچے اور آرام وراحت میں کچھ خلل آجائے، اور تکلیف اور خلل کو دور کرنے کے لیے کوئی بھی تدبیر نہ کی جائے۔ ہر مسلمان مہمانوں کے ساتھ بہتر ہی سلوک کرتا ہے۔ آرام وآسائش اور کھانے پینے کا اپنی حیثیت سے بڑھ کر انتظام کرتا ہے۔ خود رنج ومصیبت میں رہتا ہے، لیکن مہمانوں کے رنج ومصیبت دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی بھی ان مہمان نوازوں میں سے تھے۔ جن کے یہاں مہمان ہی سب کچھ ہوتے ہیں، وہ کھانے پینے کی ایک ایک چیز مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے، اور ضروریات زندگی کا ہر طرح خیال کرتے، پھر بھی ظاہراً وباطناً شرمسار ہوتے اور دل میں بار بار یہ خیال آتا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

حالاں کہ آپ مہمانوں کی خاطر داری میں ذرہ برابر بھی کسر نہیں چھوڑتے، رخصت کرتے وقت آپ فرماتے کہ بھائی صحیح طریقے سے آپ کی مہمان نوازی نہیں ہوسکی، اور خاطر داری کا حق ادا نہ ہوسکا۔ آپ معاف فرمائیں۔ یہ آپ کی جلالتِ شان تھی کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی کچھ نہ کرنے کا عندیہ ظاہر فرماتے۔ اللہ والوں کی یہی شان ہے۔ اور اسی شان سے وہ اور لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔[۳۴]

مولانا مجیب اللہ ندوی (بانی جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ)

شاہ صاحب قرآنِ پاک کی تعلیم وتربیت پر زور دیتے۔ خاص طور پر تجوید وقرات کا ان کے یہاں بہت اہتمام تھا۔ اشرف المدارس کو بھی اس سلسلہ میں نمایاں امتیاز ومقام حاصل ہے۔ ان کے فیض یافتہ افراد خاص طور پر اس لب ولہجہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ ۳۵؎

مولانا عبدالعلی فاروقی (مہتمم دارالعلوم فاروقیہ، کاکوری، لکھنؤ)

وہ ایک مینارۂ نور، مرکز رشد وہدایت، وہ پیکر اخلاص ومروت، وہ آئینہ کمالات نبوت، وہ وارفتۂ عشق رسول، وہ اتباع سنت کا پیکر جمیل، وہ حسنات اسلاف کا آخری جامع، وہ مرشد تھانوی کا آخری منظور نظر اور وہ احسان وتصوف کے قلم رو کا متفقہ تاجدار (محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب) تھے، یوں تو ہمارے تمام اکابر بزرگانِ دین کے یہاں بزرگی وبڑائی کا اصل پیمانہ اتباعِ سنت ہی رہا ہے۔ اور معیار یہی رہا کہ جس کی زندگی اور اس کے معمولات رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سے جتنے زیادہ قریب ہوئے اسے اسی درجہ میں بزرگی وولایت کا حق دار گردانا گیا، تاہم مولانا موصوف کے یہاں یہ رنگ کچھ زیادہ ہی گہرا نکھرا اور نمایاں رہا۔ ۳۶؎

ترویج واشاعتِ سنت کے علاوہ مولانا کی دوسری محنت 'صحتِ قرآن مجید' کے سلسلے میں تھی، جس کے لیے انھوں نے اپنے مدرسہ اشرف المدارس کے علاوہ ملک وبیرون ملک میں بہت سے مکاتب قائم فرمائے تھے، جہاں بچوں کو ابتداء ہی سے قواعد تجوید کی پوری رعایت کے ساتھ حروف والفاظ کی شناخت کرائی جاتی ہے۔ ان درس گاہوں میں حفظ وناظرہ کی تعلیم حاصل کرنے والے بچے قاری کی سند حاصل کیے بغیر ہی قرآن کو اس کے اصل لب ولہجہ میں اور مخارج وقواعد کی رعایت کے ساتھ پڑھنے پر قابلِ رشک حد تک قابو یافتہ ہوتے ہیں۔

کتاب اللہ کو ساری کتابوں میں سب سے افضل وبرتر قرار دیتے ہوئے اس کی درس گاہوں، اس کے طلباء، اور اس کے اساتذہ کو وہ سب سے زیادہ اکرام ومراعات کا حق دار قرار دیتے تھے کہ ان

سب کا رشتہ براہِ راست قرآن مجید سے ہوتا ہے، وہ قرآن کے جزدان اور رکھنے کو رحل کے سلسلے میں انتہائی حساس تھے اور ادنیٰ بے توقیری اور بے مخاطبی پر سخت گرفت کرتے تھے، لیکن حضرت ہردوئی کے ہماری اس فانی دنیا سے رخصت ہونے کے بعد احسان وتصوف، اصلاح وموعظت، اخلاص ومروت، نظم واکرام اور ادب ورعایت مراتب کے میدانوں میں اسلامی تعلیمات کے عملی نمونہ کے طور پر جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی کسک دور تک اور دیر تک محسوس کی جاتی رہے گی۔ ۳۷

مولانا محمد ناظم ندوی (رئیس المعہد الاسلامی مانک مئو، سہارنپور)

عارف باللہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا سانحۂ ارتحال، رشد وہدایت کا آفتاب غروب ہوگیا، اصلاح وتجدید کا ایک دروازہ بند ہوگیا۔ تھانوی سلسلہ کا آخری چراغ بھی گل ہوگیا، اپنے وقت کا مجدد نہ رہا، ابرار واخیار کے سرخیل زمین اوڑھ کر سوگئے، شریعت وطریقت کے رمز آشنا اللہ کو پیارے ہوگئے، ہردوئی کی خانقاہ سونی ہوگئی، ہمہ وقت کتاب وسنت کی تبلیغ کرنے والی شخصیت کا وقتِ موعود آپہنچا، وہ مردِ قلندر جس کی صدائے بازگشت سے دنیا محروم ہوگئی۔ وہ مردِ غیور وجسور جس کی وجہ سے دنیا بیدار ہوئی وہ اپنے حقیقی پالنہار سے جاملا، وہ ذات، اتباعِ سنت جس کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی نہ رہی، ذکر وفکر کا ایک باب بند ہوگیا۔ وہ دانائے راز جس کے در پر جاکر مربیوں کو بھی مزید رہنمائی ملتی تھی۔ ۳۸

مولانا انہی افراد میں سے تھے جن کی وجہ سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا، روحانیت، اخلاص اور اصول واخلاق کا ایک باب بند ہوگیا، آپ یقیناً تھانوی سلسلے کے آخری چشم وچراغ اور آپ کی مسندِ تزکیہ واحسان کے آخری رکن رکین تھے۔ آپ کے انتقال سے شرق وغرب میں پھیلے ہوئے منتسبین و مسترشدین اور آپ سے محبت کرنے والے ان گنت قافلوں پر حزن وملال کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ۳۹

مولانا محمد کلیم اللہ صدیقی (پھلت، مظفر نگر)

اس حقیر نے ۲۵ سالہ نیاز مندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق حضرت ہردوئی کی ایک بے حقیقت دیہاتی پر شفقت اور عنایت کے رشتہ کے بعد اس حادثۂ عظیم پر اپنے دل کی تسکین کے لیے قلم اٹھایا ہے کہ

کچھ یادیں قلم کی زبان سے نقل کر کے کچھ احسان شناسی کا مظاہرہ ہو جائے۔ ورنہ اہل دانش اور ارباب ادب وقلم رہتی زندگی تک حضرت ہردوئی کے فضائل، اور مناقب بیان کرتے رہیں گے، اور اس موضوع کا حق ادا کرنا انہیں کو زیب دیتا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاروں نے آپ رحمۃ العالمین کے سلسلے میں یہ بات تواتر کے ساتھ لکھی ہے کہ آپ کی شفقت وعنایت کسی خاص فرد یا جماعت کے لیے مخصوص نہ تھی بلکہ آپ کی شفقت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ ہر صحابی کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ سب سے زیادہ مجھ سے شفقت ومحبت فرماتے ہیں، ایک حقیقی وارث نبی کی حیثیت سے یہ بات حضرت محی السنہ کے ہر خادم کو محسوس ہوتی تھی، یہ حقیر حضرت والا سے باضابطہ رسماً اصلاحی تعلق نہیں رکھتا تھا اور باوجود حد درجہ مناسبت اور تعلق کے اپنے مشاغل اور بعض دوسرے اعذار کے سبب بہت زیادہ حاضری بھی حضرت والا کی خدمت میں نہیں دے پاتا تھا، مگر جب بھی یہ حقیر حاضرِ خدمت ہوتا تھا تو اس کو واپسی پر اس طرح لوٹنا ہوتا تھا کہ یہ خیال ہوتا کہ حضرت والا دنیا میں سب سے زیادہ مجھ سے ہی شفقت اور تعلق کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ احساس نہ صرف اس حقیر کو ہوتا تھا، بلکہ ہمارے وہ تمام رفقاء جو وقتاً فوقتاً اس سیہ کار سے تعلق کے واسطے سے حضرت کی خدمت میں ملاقات کے لیے جاتے تھے۔ وہ بھی یہ محسوس کرتے تھے کہ حضرت والا ہم لوگوں سے والہانہ شفقت فرماتے ہیں۔ [۲۰۲]

مفتی محمد عاشق پھلتی (دارالافتاء جامعہ امام ولی اللہ پھلت، مظفرنگر)

مولانا ابرارالحق کی ذاتِ گرامی کسی صاحب علم وفضل تو کیا کسی عامی کے لیے بھی محتاجِ تعارف نہیں ہے لیکن آپ کی ذات بابرکت ان قدسی نقوش میں سے ہے جن کے تذکرے سے قلوب کو جلا ملتی ہے۔ ذکر خیر روح کی تڑپ اور قلوب کی گرماہٹ کا سبب بنتا ہے۔ شاہ صاحب نے دینی اور علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں اور نیک سیرت و پاک باز مربین کے زیر سایہ تربیت پائی۔ ہندوستان کی مشہور علمی، دینی اور فکری درس گاہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں علوم کی تکمیل کی۔ اور فقیہ الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی سے بیعت کا تعلق قائم کیا، اور پھر اپنے شیخ کے نورِ نظر بنے، شاہ صاحب کی علمی روحانی شخصیت کا

اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت تھانوی جیسے شیخ نے بہت کم عمری میں آپ کو اجازت سے نوازا۔ سنتِ نبوی سے خاص محبت اور اس کی تبلیغ آپ کا وصفِ خاص تھا۔ جو آپ کی بابرکت شخصیت کا ممتاز پہلو تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اس عالم میں آپ کو 'محی السنۃ' جیسے عالی لقب سے مشہور فرمایا۔ اور ہر خاص و عام آپ کو اسی پیاری نسبت سے یاد کرتا ہے۔ آپ کا جذبہ نہی عن المنکر تھا اور ساتھ ہی ساتھ خاص انداز تربیت تھا۔ آپ کی یادگار بہت سی تحریریں ہیں جو ہمیشہ رہنمائی کا کام کرتی رہیں گی، اور تربیت یافتہ حضرات کی ایک خوبصورت بزم ہے جو آپ نے سجادی ہے، جس کا دائرہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند، پاکستان و بنگلا دیش وغیرہ پر محیط ہے۔[۴۱]

مولانا انیس احمد قاسمی بلگرامی (ناظم جامعہ عربیہ سید المدارس چوہان بانگیر نیو سیلم پور، دہلی)

شاہ ابرار الحق کی ذاتِ اقدس بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق کا بہترین مظہر ہے۔ آپ کی شخصیت علومِ ظاہری کا عظیم الشان مخزن ہے، جہاں ایک طرف تشنگانِ شریعت کے لیے علومِ ظاہری کے چشمے ابلتے ہیں اور دوسری طرف تزکیۂ نفوس کی وہ سرگرمی ہے، جس سے زنگ آلودہ قلوب مجلّٰی و مصفّٰی ہوتے ہیں۔ مردہ دلوں میں ایمانی روح پیدا ہوتی ہے اور مذہبی ذمہ داریوں کا صحیح احساس اجاگر ہوتا ہے۔ حضرت والا کی شخصیت اور آپ کے عظیم کردار پر نظر پڑتی ہے تو فرطِ عقیدت سے قلبی جذبات الفاظ کا جامہ پہن کر اس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

بقولِ شاعر:

خدایاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

شاہ صاحب نے اشاعتِ حق کے سلسلے میں جو صعوبتیں اور پریشانیاں برداشت کی ہیں، آج ان

کا تصور تک ہمارے لیے مشکل ہے۔آپ تبلیغ دین اور دعوت حق کی خاطر مختلف دیہاتوں اور قصبوں میں پیدل جاکر لوگوں سے انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں فرماتے۔ اور خصوصی گشت کے ذریعہ اسلامی شعور بیدار کرنے کے لیے طرح طرح کی کلفتیں برداشت کرتے، مگر اس کے باوجود عزم وحوصلہ کا یہ عالم کہ پیشانی پر بل تک نہ آتا تھا۔۴۲؎

مولانا مفتی بلال احمد شیر کوٹی (صدر المدرسین مدرسہ ناصر العلوم کانٹھ، مراد آباد)

ہم لوگ مراد آباد مدارس کے جلیل القدر اساتذہ وعلماء کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ صبح ساڑھے پانچ بجے ہردوئی پہنچے۔ فجر کی نماز تو گاڑی ہی میں ادا کرلی تھی، ہم سب سراپا تصور غم بنے ہوئے حضرت کی قیام گاہ پہنچے، جہاں پر ہزاروں ہزار مشتاقانِ زیارت کا ہجوم تھا دروازے میں داخل ہونا بظاہر بڑا دشوار ہو رہا تھا کافی دیر کی کوشش کے بعد جب دروازے میں داخل ہونے کا نمبر آیا تو اندر داخل ہوئے بس اب کیا تھا بے اختیار آنسو جاری ہو رہے تھے۔ اور جس جگہ روحانی مجلس ہوا کرتی تھی، آپ ایک شانِ فقیرانہ اندازِ شاہانہ اپنی مسند پر جلوہ افروز ہوتے، اور دور دراز سے آنے والے عوام وخواص کو دوائے دردِ دل بانٹتے، جہاں مردہ دلوں کو زندگی ملتی، جہاں مریضانِ حرص وہوا کو ان کے مرض کے مطابق کامل علاج ملتا، جہاں پر سنتوں کی پابندی کا درس دیا جاتا، جہاں پر علماء وفضلاء کی صف بندی ہوا کرتی، جہاں پر بوڑھوں کو جوانی پر عملاً فضیلت کا درس دیا جاتا۔ جہاں پر مسلمانوں کے معاشرے کی بگڑتی صورتِ حال پر اظہارِ افسوس اور اس کے مداوے کی مختلف ومتعدد شکلیں نکالی جاتیں۔

یوں تو حضرت والا کی پوری زندگی علوم ومعارف سے لبریز تھی اور آپ کی ہر ادا قرآن وسنت کے زیادہ قریب تھی۔ لیکن بطورِ خاص جذبۂ احیاءِ سنت اور تصحیح قرآن کریم کو جو آپ نے اپنی زندگی کا ایک مشن بنالیا تھا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کا وصال پُر ملال پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔۴۳؎

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی، (جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ)

شاہ ابرار الحق اس دورِ آخر میں اپنے پیش رو علماء ومشائخ اور حکیم الامت حضرت تھانوی کی آخری یادگار تھے۔ ان کی مجلسیں بڑی پُرکشش تھیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان پر فیضان الٰہی کی بارش ہورہی ہے۔ جوبھی اس میخانہ میں شریک ہوتا تھا وہ کچھ لے کر وہاں سے واپس ہوتا۔ پوری زندگی حضرت تھانوی کے سلسلے اور دعوت کو پھیلانے میں صرف کی، تجوید وقرات جو علماء وخواص میں متروک ہورہی تھی، اس کا مولانا کے ذریعہ احیاء ہوا۔ اس لیے مولانا کو محی السنہ کا لقب برمحل اور مناسب تھا، اس آخری عہد میں مولانا کی ذاتِ گرامی علماء ومشائخ کا مرجع بن گئی تھی۔ جہاں جاتے لوگ پروانہ وار ٹوٹ پڑتے۔ افسوس کہ یہ آخری یادگار ہم سب سے رخصت ہوئی۔ جس سے مل کر روح کو فرحت، دماغ کو سکون حاصل ہوتا تھا۔[۴۴]

مولانا عبدالرشید بستوی (استاذ مدرسہ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند)

شاہ ابرار الحق صاحب نے اس زمانے میں آنکھیں کھولیں جسے اس دورِ پُرآشوب وپُرفتن کی بہ نسبت خیر القرون کا عنوان دیا جائے تو شاید کچھ زیادہ غلط نہ ہو، اس زمانے میں عزت ووقار کی بنیاد محض دولت وثروت نہ تھی، بلکہ انسانی اقدار، اعلیٰ اخلاقی روایات، شرافت ومروت، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وطہارت اور سادگی وسادہ لوحی کے تانوں بانوں سے شخصیت کا جامہ زیب تن تیار ہوا کرتا تھا، اس لیے شاہ صاحب یا ان کے عہد کی دیگر شخصیات وافراد میں اگر یہ محاسن ومحامد موجود ہوں تو چنداں تعجب خیز نہیں، ہاں حیرت واستعجاب اس وقت ہوتا ہے، جب کوئی شخص اس زر پرست، اخلاقیات اور اقدار سے عاری، اعلیٰ انسانی روایات سے تہی دامن، شرافت ومروت سے نفور، اخلاص اور للّٰہیت سے دور، تقویٰ و طہارت سے گریزاں، عیاری، مکاری، اور شاطر مزاجی سے بھرپور زمانے میں بھی اسی پرانی روش پر قائم، اسی راستے پر گامزن، انہی روایت پر کاربند، انہی اطوار پر عمل پیرا جو اس وقت کے روشن خیال دنیا کی نظر میں از کار رفتہ اور فرسودہ ہوچکی ہیں شاہ صاحب موصوف ایسے ہی اصحابِ عزم وعزیمت بندگانِ خدا میں

سے ایک تھے۔ ۴۵؎

مولانا عبدالاحد قاسمی، تاراپوری (مدیر ماہنامہ ’صورت القرآن‘ احمد آباد، گجرات)

آپ کی زندگی علم وعمل، فضل واحسان، تصوف وشریعت وطریقت سے عبارت تھی، آپ ایک ایسے نور تھے جس کے اوجھل ہوجانے کے بعد اب دور تک فضاؤں میں تاریکی نظر آرہی ہے، قرآن وسنت کے عملی پیکر، رشد وہدایت کے مجسم، پیغام حق ومعرفت کی آپ ایک ایسی آواز تھے جواب کبھی نہ سنی جاسکے گی، علم وعرفان اور آگہی میں آپ کی شخصیت مسلم تھی، جس میں تمام اوصافِ کاملہ موجود تھے۔ اسی کے ساتھ آپ دنیا کی ہر چیز سے مستغنی تھے۔ ۴۶؎

مولانا سید ذوالفقار احمد (شیخ الحدیث دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر ضلع سورت، گجرات)

مولانا ابرارالحق کی عبقری شخصیت آج کے دورِ قحط الرجال میں ایک شمع فروزاں ونیر تاباں تھی، جس کی رشکِ آفتاب روشنی سے ساری دنیا فیض یاب تھی، مرحوم مجلس دعوۃ الحق کے ذریعہ متعدد صوبوں میں اپنے مخصوص طرزِ تعلیم اور قابلِ تقلید انداز پر مدارس چلا رہے تھے، جہاں قرآن پاک کی صحت ادا پر بے پناہ زور دیا جاتا تھا، مرحوم نے کلماتِ اذان کی صحت پر ہمیشہ زور دیا اور اغلاط کی اصلاح فرمائی، نیز جن سنتوں اور آداب کو لوگوں نے معمولی سمجھ کر متروک کردیا تھا مرحوم نے اپنے مواعظ ورسائل اور کتابوں کے ذریعہ ان کو زندہ کرنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ شرعی لباس وشرعی وضع قطع اور شعائرِ دین کے ادب ولحاظ اور اس سلسلے کی اصلاح کو تو مرحوم نے اپنا مشن بنا رکھا تھا۔

نیز راہِ سلوک میں لاکھوں لوگوں کی رہبری فرمائی، آج پورے عالم میں مرحوم کے مریدین مسترشدین متوسلین ومتعلقین کا جمِ غفیر ہے جو مرحوم ہی کے طرز پر مخلوقِ خدا کی رہبری میں مشغول ہے۔ ۴۷؎

مولانا محمد زکریا کیرانوی (مظاہر علوم ’وقف‘ سہارنپور)

اللہ رب العزت نے مولانا ابرارالحق کو مقامِ قطبیت پر فائز فرمایا تھا، اصلاحِ مسلمین اور اعلاء

دین کے حق میں ان کی قربانیوں کو حسنِ قبول سے نوازا، ہر طرف سے ان کی تحسین کی گئی، ایک بڑی جماعت نے ان سے ایمان ویقین اور تزکیہ واحسان کی دولت حاصل کی۔

اتباعِ شریعت اور احیاءِ سنت آپ کا امتیازی وصف ہے، اسی لیے آپ کو عالمِ قدسی سے محی السنہ کا لقب عطا کیا گیا اور آپ اسی لقب کے ساتھ مشہور ہو گئے، آپ اسم بامسمیٰ ابرار تھے، بلکہ اللہ نے آپ کو نیکوکار اور ابرار واخیار کی سیادت وقیادت عطا فرما کر ایک خصوصی شرف وامتیاز سے سرفراز فرمایا تھا۔ نجابت وشرافت کے یہ آثار آپ کی ذاتِ والا صفات میں بچپن ہی سے نمایاں تھے، ابتدائے آفرینش ہی سے گویا حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو سنت کی شیرینی اور اس کی چاشنی مرحمت فرمائی تھی۔

رفتہ رفتہ سنت کی یہ محبت عشقِ نبوی سے تبدیل ہوگئی اور اس کے صلہ میں آپ کو اوصافِ نبوت میں سے وافر حصہ عطا کیا گیا۔ جامعیت واعتدال جو انبیاء کی شان ہے آپ بھی اس سے بہرہ ور ہوئے، تعلیم وتربیت انبیاء کا وظیفہ ہے۔ آپ نے بھی اس کی طرف توجہ مبذول فرمائی، مجلسِ دعوۃ الحق سے وعظ وتقریر پمفلٹ اور کتابچوں کے ذریعے اصلاحِ امت کی فکر فرمائی، بیعت وارشاد کے ذریعہ عوام وخواص کی اصلاح فرمائی، تصوف کے نکات ورموز، شریعت وطریقت اور محبت ومعرفت کے اسرار بیان فرمائے۔ کلمۂ توحید اور اذان واقامت کی تصحیح بھی فرماتے، سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کا طریقہ بھی تعلیم فرماتے۔

حضرت والا کے یہاں حدود کی رعایت بہت تھی، احکامِ شرع کو موہوم مصلحتوں کے لیے نظر انداز نہیں فرماتے تھے، موصوف کے یہاں مسجد میں اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہوتا تو لاؤڈ اسپیکر بند کر دیا جاتا، مسجد میں تعلیم قرآن کے بارے میں مولانا اس سے منع فرماتے تھے کہ تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے والا مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے۔

معرفتِ خداوندی، عظمتِ الٰہی اور عشقِ نبوی کا اثر تھا کہ آپ ہر کام میں سنتوں کا اہتمام والتزام فرماتے۔ آپ کے یہاں گویا ہر وقت سنتوں کا مذاکرہ ہوتا رہتا۔ اس سے ضرورت بشریہ بھی

عبادت بن جاتی اور عبادت قبولیت کے قریب تر ہو جاتی۔ ۴۸

مولانا رئیس الدین (استاذ حدیث مظاہر علوم وقف سہارنپور)

حضرت محی السنہ اپنی پوری زندگی کے آخری سانس تک قرآن وحدیث کی خدمت اور انتہائی جدوجہد کے ساتھ احیاءِ سنت فرماتے رہے۔ آپ کی تعلیمات جو حقیقت میں سنتِ نبویہ کی دوسری تعبیر ہیں۔ رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے مشعلِ راہ اور اکسیر ہدایت ہیں۔ یوں تو اللہ نے آپ کی ذات میں بے شمار کمالات وخوبیاں ودیعت رکھی تھیں، مگر اتباعِ سنت اور قرآن کریم سے محبت وعشق آپ کی طبیعت کا خاص عنصر تھا۔ وہ ہمہ وقت قرآن وسنت پر مرمٹنے کے لیے تیار رہتے۔ مریدین ومتوسلین میں بھی جذبہ بھر دینے کی بھرپور کوشش فرماتے، آپ اصلاح وتربیت اور تزکیہ واحسان میں بھی بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ آپ کا طرز حکیمانہ تھا۔ اس سلسلے میں ہمعصروں میں آپ کا کوئی شریک وسہیم نہ تھا۔ ۴۹

حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری (شیخ الحدیث مدرسہ جامع الہدیٰ، مراد آباد)

جس طرح شاہ ابرارالحق کے حیات وکارنامہ پر بے شمار احباب کے تاثرات ہیں۔ اسی طرح نظم میں بھی بعض احباب نے تاثرات پیش کیے ہیں۔ ذیل میں آپ کے محبّ ومحترم مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری کے چند اشعار ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

اشعار لائیں:

میکدہ ویراں ہوا پیرِ مغاں جاتا رہا
تھانوی مے خانہ کا اف پاسباں جاتا رہا
ساغر وجام وسبو سب ہیں حزین وسوگوار
آج میخانے سے ساقی مہرباں جاتا رہا
تھا حکیم الامۃ تھانہ بھون کی یاد کا
ہردوئی میں آخری تاباں نشاں جاتا رہا

لذت وفرحت بھی ہے اور عزت وراحت بھی ہے
سنتِ احمد میں، یہ کر کے عیاں جاتا رہا
جس کی انتھک کوششوں سے ہمتِ مرداں تھی ماند
چھوڑ کردارالعمل پیرِ جواں جاتا رہا
دے کے تجویدِ قرآنِ پاک وسنت کو فروغ
رحمتوں میں از پئے آرام جاں جاتا رہا
خلق کی اصلاح کا جس کو ہوا جذبہ نصیب
وہ اصولِ تربیت کا رازداں جاتا رہا
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا وہ سپوت
عاشق قرآن وسنت عالی شاں جاتا رہا
آبیاری گلشنِ سنت کی کر کے عمر بھر
بزمِ سنت کو بنا کر نوحہ خواں جاتا رہا
خدمتِ دیں پہ لگا کر اپنی ساری زندگی
خادمِ دین نبیؐ سوئے جناں جاتا رہا ۵۰؎

مزید تفصیل ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد، اگست ۲۰۰۵ء میں درج ہے۔

مراجع وماخذ

۱۔ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء، مطبع: دفتر آئینہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، ص:۱۹

۲۔ مفتی محمد فاروق، حیاتِ ابرار، مطبع: جامعہ محمودیہ علی پور، میرٹھ، ۱۴۲۶ھ، ص:۵۳۸

۳۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، شمارہ:۱۹، مئی ۲۰۰۶ء،

۴۔ آئینہ مظاہر علوم، محی السنہ نمبر، ص:۳۵

۵۔ ایضاً، ص:۱۳

۶۔ ایضاً، ص:۱۷

۷۔ ایضاً، ص:۱۵

۸۔ مجلّہ ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند، جمادی الثانی، رجب ۱۴۲۶، ص:۹۸۔۹۹

۹۔ محمد کاظم ندوی، محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق، نقوش وتأثرات، مطبع: علی میاں اکیڈمی، کاکوری، لکھنؤ، ۲۰۰۵ء، ص:۲۸۔۲۹

۱۰۔ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، شمارہ ۲۵ رجون ۲۰۰۵ء، ص:۱۵

۱۱۔ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق، نقوش وتاثرات، ص:۱۶۶

۱۲۔ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ، شمارہ ۲۵ رجون ۲۰۰۵ء، ص:۲۲

۱۳۔ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، ص:۳۸ تا ۴۰

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۳

۱۵۔ ایضاً، ص:۲۵

۱۶۔ حکیم محمد اختر، مجالس ابرار، مکتبہ زمزم بک ڈپو، دیوبند، ۱۳۹۶ھ، ص:۵

۱۷۔ ایضاً، ص:۳

۱۸۔ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، ص:۳۱

١٩ محمد زید مظاہری، نقوش ابرار، مطبع: افاداتِ اشرفیہ دوبگہ لکھنؤ، ۱۴۲۸ھ، ص: ۲۹۶

٢٠ www.darsequran.com.articles/urdu

٢١ مجالس ابرار، ص: ٧

٢٢ ماہنامہ ارمغان محی السنہ نمبر، جولائی اگست ۲۰۰۵ء، مطبع: جمعیۃ شاہ ولی اللہ پھلت، مظفرنگر، ص: ۲۴۔۲۵

٢٣ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق، نقوش وتأثرات، ص: ٦٨۔٦٩

٢٤ ایضاً، ص: ۱۰۳۔۱۰۴

٢٥ ایضاً، ص: ۱۰۴

٢٦ ایضاً، ص: ۱۰۵

٢٧ ایضاً، ص: ۷۳

٢٨ ایضاً، ص: ۷۵

٢٩ ایضاً، ص: ۷۶

٣٠ ایضاً، ص: ۷۸

٣١ محمد قمر الزماں الہ آبادی، امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، مطبع: دار المعارف، ۲۰۰۵ء، الہ آباد، ص: ۴۶

٣٢ پندرہ روزہ تعمیر حیات، لکھنؤ، شمارہ جون ۲۰۰۵ء، ص: ۱۶

٣٣ ایضاً، ص: ۱۷

٣٤ حیاتِ ابرار، ص: ۲۰۷۔۲۰۸

٣٥ ماہنامہ الرشاد، اعظم گڑھ، شمارہ جون ۲۰۰۵ء، ص: ۳۹

٣٦ ماہنامہ ترجمان دیوبند، جولائی اگست ۲۰۰۵ء، ص: ۴۰

٣٧ ایضاً، ص: ۴۱

٣٨ ماہنامہ ارمغان محی السنہ نمبر، ص: ۳۵

۳۹ ایضاً، ص:۳۶

۴۰ حیاتِ ابرار، ص:۲۰۹

۴۱ ماہنامہ ارمغان محی السنہ نمبر، ص:۶۳۔۶۴

۴۲ شکیل احمد سنسار پوری، گلشِ ابرار، مطبع: امین آباد لکھنؤ، ۲۰۱۰ء، ص:۶

۴۳ ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد، شمارہ اگست ۲۰۰۵ء، ص:۵۱ تا ۵۴

۴۴ محمود حسن حسنی ندوی، سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقی، مطبع: صدق فاؤنڈیشن، گولہ گنج، لکھنؤ، ۲۰۰۷ء، ص:۲۰۹

۴۵ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق، نقوش وتأثرات، ص:۱۸۱۔۱۸۲

۴۶ سوانح حضرت مولانا ابرارالحق حقی، ص:۲۱۰

۴۷ امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، ص:۱۹

۴۸ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، ص:۵۷۔تا۷۷

۴۹ ایضاً، ص:۶۱

۵۰ ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد، شمارہ اگست ۲۰۰۵ء، ص:۵۵۔۵۶

فہرست مجازین (بیعت وصحبت) محی السنہ شاہ ابرارالحق حقی

مجازین بیعت:

۱۔ جناب مولانا بشارت علی صاحب سلطان پوری: نائب ناظم مدرسہ اشرف المدارس ومجلس دعوۃ الحق ہردوئی، (رحلت ہوگئی)

۲۔ جناب حکیم محمد کلیم اللہ صاحب: انونہ ہاؤس، سول لائن، علی گڑھ

۳۔ مولانا محمد یوسف صاحب: مدرسہ خیرالعلوم، مسجد خیر، انٹر کالج بستی (رحلت ہوگئی)

۴۔ جناب مولانا محمد اطہر صاحب بستوی: صدر مدرس مدرسہ جامع العلوم، کیپٹل مسجد یونٹ، ۴ بھونیشور، اڑیسہ

۵۔ جناب ماسٹر حبیب اللہ صاحب: قصبہ بنی گنج، ہردوئی، (رحلت ہوگئی)

۶۔ جناب ماسٹر محمد عثمان صاحب: موضع تروا پہلوان، پوسٹ ارکا بھرکا، ہردوئی (رحلت ہوگئی)

۷۔ جناب حاجی عظیم اللہ صاحب: رسول پور، دوست پور، ضلع سلطان پور (رحلت ہوگئی)

۸۔ جناب مولوی عبدالعلیم صاحب: مدرس مدرسہ بیت العلوم سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

۹۔ جناب عبدالحافظ صاحب: محلّہ شیخ سرائے قصبہ کھیری، ضلع لکھیم پور

۱۰۔ جناب منشی احمد صدیق صاحب: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

۱۱۔ جناب ڈاکٹر اسلام احمد صاحب: مقام بر ہرہ پوسٹ ڈھوانہ، ضلع ایٹہ (رحلت ہوگئی)

۱۲۔ جناب سید اظہر کریم صاحب: بکنگ کلرک، مقام جاجپور روڈ اسٹیشن، کٹک (اڑیسہ)

۱۳۔ جناب ڈاکٹر علی ملپا صاحب: طیبہ منزل، نوائط کالونی، بھٹکل (کرناٹک)، ۵۸۱۳۲۰

۱۴۔ جناب مولوی سید محمود صاحب: جامعہ مسجد گیورائی، ضلع بیڑ، مہاراشٹر (رحلت ہوگئی)

۱۵۔ جناب مولوی جعفر علی صاحب: ۸، پیش امام اسٹریٹ، آمبور، نارتھ آرکاٹ ڈسٹرک تمل ناڈو

۱۶۔ جناب مولانا مفتی سعید احمد صاحب: ۲۳ ملا اسٹریٹ، پرنام بٹ، تمل ناڈو

۱۷۔ جناب مولوی نظام الدین صاحب: ناظم مدرسہ بیت العلوم، سرپور کاغذنگر، اے. پی (رحلت ہوگئی)

۱۸۔ جناب علیم الدین صاحب ہاشمی: بتوسط مدرسہ فیض العلوم، سعید آباد، حیدرآباد، اے. پی

۱۹۔ جناب حاجی محمد عبدالرحمٰن صاحب: مکان نمبر 6/139A، کھاری باؤلی، مؤمن پورہ، گلبرگہ، کرناٹک

۲۰۔ جناب حکیم محمد اختر صاحب، معرفت: کتب خانہ مظہری مقابل صمدانی ہاسٹل، پوسٹ باکس: ۱۱۱۸۲، گلشن اقبال، کراچی، پاکستان

۲۱۔ جناب حاجی محمد افضل صاحب: تھل جوٹ مل لمیٹڈ، پانچویں منزل، چندریگر روڈ، پوسٹ باکس، ۵۲۶۶ کراچی، پاکستان

۲۲۔ جناب مولوی محمد مظہر میاں صاحب: معرفت کتب خانہ مظہری، مقابل صمدانی ہاسٹل پوسٹ باکس ۱۱۱۸۲، گلشن اقبال، کراچی، پاکستان

۲۳۔ جناب جمیل احمد صاحب: ۳، جی، ۲۵/۱ ناظم آباد، کراچی، پاکستان

۲۴۔ جناب غلام سرور صاحب: برٹش کوٹیک کلنیرس مال روڈ، نزد مسجد شہداء، لاہور، پاکستان

۲۵۔ جناب محمد انوارالحق صاحب: انجینئر عین، عزیزیہ، پوسٹ باکس، ۳۷۵۹، جدہ، سعودی عرب

۲۶۔ جناب مولوی یحییٰ بھام صاحب: پوسٹ باکس، ۵۷۵۲، لشینیا، ۱۸۲۰ ٹرانسوال، جنوبی افریقہ

۲۷۔ مولوی سلیمان گھانچی صاحب: ۹۶۸ ڈی، سکنڈ اسٹریٹ، ایشیاٹک بازار، جرمسڈ، ٹرانسوال، جنوبی افریقہ

۲۸۔ جناب حاجی عبدالحق صاحب ڈیسائی: پوسٹ باکس ۱۲۱۲۴، جاکولیس، ۴۰۲۶، ڈربن ناٹال، جنوبی افریقہ

۲۹۔ جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب: خادم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ۷۶، ڈھاکا نگر بیت الامان مسجد پوسٹ گندریا، ڈھاکہ بنگلادیش (رحلت ہوگئی)

۳۰۔ جناب مولوی محمد ایوب صاحب سورتی: ۲۲ ہائی برن روڈ، ڈبلیو ایف ۷۷ اٹی ڈبلیو، باٹلی، ویسٹ یارک شائرلندن، انگلینڈ، یوکے

۳۱۔ جناب مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب: (۱) ساکن امام نگر، ڈاکخانہ ناظر ہاٹ، بنگلا دیش (۲) المرکز الفکر الاسلامی، بشوندرا، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۳۲۔ جناب مولانا صلاح الدین صاحب: محدث جامعہ اسلامیہ مدینہ، جاترا باڑی، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۳۳۔ جناب پروفیسر حمیدالدین صاحب: معرفت فضل الرحمٰن صاحب، ۶۷، ڈھالکا نگر، بیت الامان مسجد گندریا، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۳۴۔ جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب حیدرآبادی: پوسٹ باک ۶۲۰، جدہ، ۲۱۲۳۱، سعودی عربیہ

۳۵۔ جناب احمد اعزاز صاحب حیدرآبادی: پوسٹ باکس ۲۶۷۷۷، جدہ ۲۱۴۶۱، سعودی عربیہ، (سابق مجاز صحبت)

۳۶۔ جناب مولانا عبدالاحد صاحب: دارالعلوم تاراپور، ضلع کھیڑا، گجرات

۳۷۔ جناب حکیم محمد امین صاحب: ۱۰۸، ملا اسٹریٹ، پرنام بٹ، تمل ناڈو (رحلت ہوگئی)

۳۸۔ جناب مظہر حسین صاحب: معرفت پریاگ نرائن، اگروال ملنگوا، ضلع سیتامڑھی، نیپال (رحلت ہوگئی)

۳۹۔ جناب عبدالوکیل صاحب: مدرسہ فیض القرآن، مدینہ مسجد، اقبال نگر، پربھنی، مہاراشٹر

۴۰۔ جناب محمد ذاکر صاحب: رمنہ بالیسر، ضلع کٹک، اڑیسہ

۴۱۔ جناب صوفی عبدالصمد صاحب: کیپٹل مسجد یونٹ ۴، بھونیشور، اڑیسہ (رحلت ہوگئی)

۴۲۔ جناب مولانا عبدالرؤف صاحب سنسارپوری: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی (سابق مجاز صحبت)

۴۳۔ جناب مولوی عبدالرؤف صاحب بستوی: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی، (سابق مجازِ صحبت)

۴۴۔ جناب مولوی محمد افضال الرحمٰن صاحب: بیت الفضل، نمائش پورہ، ہردوئی، (سابق مجازِ صحبت)

۴۵۔ جناب منشی اسرار احمد صاحب: مجلس دعوۃ الحق ہردوئی، (سابق مجازِ صحبت)

۴۶۔ جناب مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری: نائب ناظم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڑھ

۴۷۔ جناب مولوی انعام احمد صاحب: صدر مدرسہ روضۃ العلوم، کاس گنج، ضلع ایٹہ (سابق مجازِ صحبت)

۴۸۔ جناب مولوی عبید حسن صاحب: مدرس روضۃ العلوم، کاس گنج، ضلع ایٹہ (سابق مجازِ صحبت)

۴۹۔ جناب ڈاکٹر منور حسین صاحب: معرفت حکیم کلیم اللہ صاحب، انونہ ہاؤس، سول لائن، علی گڑھ (سابق مجازِ صحبت)

۵۰۔ جناب مولوی انعام اللہ صاحب شاہجہانپوری: مدرسہ امدادیہ چوراہہ گلی، مرادآباد

۵۱۔ جناب مفتی محمد ارشد صاحب: سابق مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، جلال آباد، مظفرنگر

۵۲۔ جناب حافظ محمد اسحاق صاحب: نائب ناظم مدرسہ فیض العلوم سعید آباد، حیدرآباد (سابق مجازِ صحبت)

۵۳۔ جناب حاجی عبدالستار صاحب: مدرسہ فیض العلوم، سعید آباد، حیدرآباد، (سابق مجازِ صحبت)

۵۴۔ جناب سلیم اللہ غوری صاحب: ڈویژنل کارپوریشن آفس، بھونگیر، ضلع نلگنڈہ، اے پی (سابق مجازِ صحبت)

۵۵۔ جناب مولوی عبدالمنان صاحب: مدرسہ امدادیہ اشرفیہ راجوپٹی، سیتامڑھی (سابق مجازِ صحبت)

۵۶۔ جناب مفتی محمد اسعد صاحب برادر مفتی سعید احمد صاحب: ۲۳ ملا اسٹریٹ، پرنام بٹ، تمل ناڈو (سابق مجازِ صحبت)

۵۷۔ جناب مفتی عبدالرشید صاحب: مدرسہ فیض العلوم، راحت گڑھ، ایم پی (سابق مجازِ صحبت)

۵۸۔ جناب مفتی افضل حسین صاحب: مدرس دارالعلوم الاسلامیہ بستی (رحلت ہوگئی)

۵۹۔ جناب قاری محفوظ صاحب: امام مسجد، جہانگیرآباد، پاکستان (رحلت ہوگئی)

۶۰۔ جناب منصور علی خاں صاحب: صندوق البرید ۱۴۳۲ جدہ، ۲۱۴۴۱، جدہ، سعودی عربیہ (سابق مجازِ صحبت)

۶۱۔ جناب عبدالمجید خاں صاحب ملیح آبادی: ۴۹ خیالی گنج لکھنؤ، (سابق مجازِ صحبت)

۶۲۔ جناب قاری خلیق اللہ صاحب: صندوق البرید ۱۱۴، مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ، سعودی عربیہ

۶۳۔ جناب بہاؤالدین سلیم صاحب حیدرآبادی: این ۶۱۵۱ گرین دیوشکا گو ۶۰۶۶۰ ون ایل ایل

۶۴۔ جناب مفتی محمودالحسن صاحب: مہتمم مدرسہ اسلامیہ، جاترا باڑی، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۶۵۔ جناب مفتی شمس الدین صاحب: استاد جامعہ پٹیہ، چاٹگام، بنگلا دیش

۶۶۔ جناب مولانا مفتی شفیع اللہ صاحب: مدرسہ خادم الاسلام گوہر گنگا، پوسٹ خادم الاسلام، وایاپاٹ گالی، ضلع گوپال گنج، بنگلا دیش

۶۷۔ جناب مفتی منصورالحق صاحب: نائب مہتمم مدرسہ رحمانیہ محمد پور، ڈھاکہ بنگلا دیش

۶۸۔ جناب پروفیسر غیاث الدین صاحب: نائب امیر تھانہ لال باغ، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۶۹۔ جناب مولانا امداداللہ صاحب: شیخ الحدیث جامعہ امدادیہ، کشور گنج، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۷۰۔ جناب مولوی عبدالستار صاحب: مدرسہ بیت العلوم، ۴۱ نواب کٹرہ روڈ، نیم تلی، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۷۱۔ جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب: محدث جامعہ رحمانیہ عربیہ، محمد پور، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۷۲۔ جناب محمد میزان الرحمٰن صاحب: ناظم مدرسہ دعوۃ الحق، ۱۲۰۷، دیوتا ڈاکخانہ، بھولیر، ضلع غازی پور، بنگلا دیش

۷۳۔ جناب مولانا محب اللہ صاحب: مہتمم مدرسہ عزیز العلوم، بابونگر، پوسٹ فقیر ہاٹ، چاٹگام، بنگلا دیش،

۷۴۔ جناب مولانا محمد طیب صاحب: مہتمم مدرسہ عربیہ، جیری، پوسٹ جیری، چاٹگام، بنگلا دیش

۷۵۔ جناب مولانا محمد ارشد صاحب: مدرسہ قاسم العلوم (جمیل) بوگرہ، بنگلا دیش

۷۶۔ جناب مولانا سید احمد صاحب: مہتمم علماء بازار، نواکھالی، بنگلا دیش

۷۷۔ جناب مولانا قمرالدین صاحب: (۱) مدرسہ فیض العلوم بڑھل گنج، گورکھپور

(۲) دارالمدرسین، محلّہ دیوان دیوبند، سہارنپور

۷۸۔ جناب قاری ابوالحسن صاحب اعظمی: صدر مدرس شعبۂ تجوید وقرات دارالعلوم دیوبند

۷۹۔ جناب انصار احمد صاحب کامل: چائل، ضلع آلہ آباد، یوپی

۸۰۔ جناب مولانا حکیم افسر پاشاہ صاحب: شفاء ڈسپنسری، انجمن اسٹریٹ، نادو پیٹ، گڑیاٹم تمل ناڈو
موجودہ پتہ: شفاء ڈسپنسری ۱۹ بنگلور روڈ، حضرت مکان ویلور، تمل ناڈو

۸۱۔ جناب مولانا بلال حسین صاحب تھانوی: مہتمم جامع العلوم اشرفیہ، باغپت، مظفرنگر، یوپی

۸۲۔ جناب صوفی ظہیر الدین صاحب: معرفت حکیم کلیم اللہ صاحب، انونہ ہاؤس، سول لائن علی گڑھ

۸۳۔ جناب مولانا حمید اللہ صاحب لون: دار العلوم سواء السبیل، کھانڈی پورہ، کاترسوکولگام، کشمیر

۸۴۔ جناب مولانا مظاہر الحق صاحب: قصبہ گدر پور، وارڈ ۱۴، مکان ۲۴ ضلع اودھم سنگھ نگر، اترانچل

۸۵۔ جناب مفتی شفقت اللہ صاحب: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

۸۶۔ جناب مفتی نور الحسن صاحب: مراد پور، ۱۸۹، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۸۷۔ جناب مفتی سعید الرحمٰن صاحب بستوی: ۴۴ دودھ والی بلڈنگ، دوسری منزل، کمرہ ۱۱، ۱۲، اسلام پورہ اسٹریٹ ممبئی ۴

۸۸۔ جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتح پوری: ۴۱۲، بزم صدیق، مولانا آزاد روڈ، ممبئی ۴

۸۹۔ جناب میزان الرحمٰن صاحب: مرکز اسلامی، بشوندرا، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۹۰۔ جناب حاجی حبیب صاحب: ہاوز نمبر ۶۹، روڈ نمبر ۸، دھان منڈی، ڈھاکہ، بنگلا دیش، (سابق مجازِ صحبت)

۹۱۔ جناب مولانا انوار الحق صاحب: شیخ الحدیث ونائب مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مدینہ، جاترا باڑی، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۹۲۔ جناب مولانا رفیق احمد صاحب: امام بیت المکرّم مسجد وناظم تعلیمات ومحدث جامعہ اسلامیہ دار العلوم مدینہ، جاترا باڑی، ڈھاکہ بنگلا دیش

۹۳۔ جناب مفتی عبید اللہ صاحب: امام صدیق بازار، جامع مسجد، محدث جامعہ عربیہ فرید آباد، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۹۴۔ جناب مفتی محمد سہیل صاحب: مرکز الفکر الاسلامی، بشوندرا، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۹۵۔ مولانا انور شاہ ابن اطہر علی صاحب: مہتمم جامعہ امدادیہ، کشور گنج، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۹۶۔ مولانا عبدالقدوس صاحب: مہتمم فرید آباد مدرسہ، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۹۷۔ جناب مولانا شیر علی صاحب: ڈولی محلّہ ترکیشور، ۳۹۴۵۱۷، ضلع سورت، گجرات

۹۸۔ جناب مولوی محمد زکریا صاحب: قصبہ کیرانہ، ضلع مظفر نگر، یوپی

۹۹۔ عزیزم حاجی علیم الحق سلمہ: حقی منزل، ہردوئی

۱۰۰۔ حافظ عبداللہ عبدالحق صاحب: سملک، ڈابھیل، ضلع نوساری، گجرات

۱۰۱۔ جناب مولوی محمد یعقوب اشرف صاحب، دارالعلوم اشرفیہ، راندیر، ضلع سورت، گجرات

۱۰۲۔ جناب مولوی محمد ایوب صاحب: دارالعلوم اشرفیہ، راندیر، ضلع سورت، گجرات

۱۰۳۔ جناب مولانا حافظ محمد قاسم صاحب: عامل مدرسہ ناظر ہاٹ، چاٹگام، بنگلا دیش

مجازین صحبت: (اترپردیش)

۱۔ جناب ماسٹر مولیٰ بخش صاحب: محلّہ خزانچی ٹولہ، ہردوئی، یوپی (رحلت ہوگئی)

۲۔ جناب مولوی عبدالمتین صاحب گونڈوی، مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی یوپی

۳۔ جناب مولوی محمد شعیب صاحب بستوی: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی یوپی

۴۔ جناب مولوی فیض الحسن صاحب: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی یوپی

۵۔ جناب مولوی حافظ عبید الرحمٰن صاحب: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی یوپی

۶۔ جناب مولوی محمد احمد صاحب: صدر مدرس جامع العلوم محلّہ صلحاڑہ، قصبہ بلگرام، ضلع ہردوئی (رحلت ہوگئی)

۷۔ جناب مولوی فتح الرحمٰن صاحب: موضع سہادا، ضلع باندہ یوپی

۸۔ جناب سید محمد زبیر صاحب: موضع لکڑیا مئو، پوسٹ نیم سار، ضلع سیتاپور، یوپی

۹۔ جناب مولوی سراج محمد صاحب افغانی: مسجد چھتہ دارالعلوم دیوبند، ضلع سہارنپور یوپی

۱۰۔ جناب مولوی محمد فاروق صاحب: صدر مدرس مدرسہ مصباح العلوم، کیول ہار، ملیح آباد، لکھنؤ

۱۱۔ جناب مولانا اکرام اللہ صاحب: مدرس مدرسہ جامع الہدیٰ، بڑی مسجد گلشہید، مرادآباد یوپی

۱۲۔ قاری محمد الیاس صاحب: انونہ ہاؤس، سول لائن، علی گڑھ

(آندھراپردیش)

۱۳۔ جناب کمال الدین صاحب پاشاہ وظیفہ یاب: مدرس فیض العلوم، سعیدآباد، حیدرآباد (رحلت ہوگئی)

۱۴۔ جناب مولوی عبدالغنی صاحب: مدرسہ اشرف العلوم، خواجہ باغ، حیدرآباد، اے۔پی

۱۵۔ جناب محمد باقر خاں صاحب: باقر باغ، سعیدآباد، حیدرآباد، اے۔پی

۱۶۔ جناب عبدالرحیم صاحب: چنچل گوڑہ، حیدرآباد، اے۔پی

۱۷۔ جناب مولوی عبدالمغنی صاحب: نائب ناظم مدرسہ سبیل الفلاح، بنڈلہ گوڑہ، حیدرآباد، اے۔پی

۱۸۔ جناب مولوی ولی الدین صاحب: مدرس مدرسہ فیض العلوم، سعیدآباد، حیدرآباد، اے۔پی

۱۹۔ جناب مولوی عبدالمعز صاحب: امام مسجد حضورنگر، ضلع نلگنڈہ، اے۔پی

(اڑیسہ)

۲۰۔ جناب مولوی فضل الحق صاحب: بمعرفت محمد عارف صاحب، موضع بڑامنگل پور، دھرم شالہ، ضلع کٹک، اڑیسہ

۲۱۔ جناب سید محمد زبیر صاحب: منیجر کول پوسٹ بکس ۷۸، بھونیشور، اڑیسہ

(مہاراشٹر)

۲۲۔ جناب حاجی عبدالمجید صاحب: صدر مدرس مدرسہ فیض القرآن، مدینہ مسجد، اقبال نگر، پربھنی، مہاراشٹر، (رحلت ہوگئی)

۲۳۔ جناب عبدالشکور صاحب: ۸۲ دون تاڑ کراس لین، دوسرامالا، روم (۱۱) ممبئی ۹

بیرونی ممالک (انگلینڈ)

۲۴۔ جناب حافظ محمد ماکدار صاحب: ۸۱ وارویک روڈ، باٹلی ویسٹ یارک شائر، ڈبلیوایف ۱۷، اے پی ۶، انگلینڈ

(بنگلا دیش)

۲۵۔ جناب مولوی احمد اللہ صاحب: معرفت یونس میاں صاحب ۷۹۱۲، ایم عبدالحیؒ روڈ، ڈھاکہ ۴۷، بنگلا دیش

۲۶۔ جناب مولوی ناظم الدین صاحب: مدرسہ دارالعلوم اترا، ڈھاکہ، بنگلا دیش

(پاکستان)

۲۷۔ جناب محمد شفیق احمد خاں صاحب: معرفت حکیم محمد اختر، گلشن اقبال ۲ پوسٹ بکس: ۱۱۱۸۲، کراچی، پاکستان۔

۲۸۔ جناب ڈاکٹر قرار احمد صاحب: مکان نمبر ۶۰، سکٹر لی بی ٹاؤن شپ، نارتھ کراچی ۲۶، پاکستان (رحلت ہوگئی)

۲۹۔ جناب مولوی محمد بشیر صاحب: خطیب جامع مسجد الفلاح، بلاک ایچ پوسٹ باکس: ۹۲۲، نارتھ ناظم آباد، کراچی، پاکستان (رحلت ہوگئی)

۳۰۔ جناب مولوی نذیر حسین صاحب: ۲۲۴، بی نیو سمیل روڈ، مغل پورہ، لاہور، پاکستان

(سعودی عربیہ)

۳۱۔ جناب محمد صدیق صاحب بھوئیرا: ص، ب، ۸۵۰۸، جدہ، سعودی عربیہ

۳۲۔ جناب محمد اسماعیل صاحب بھوئیرا ص، ب، ۸۵۰۸، جدہ، سعودی عربیہ

۳۳۔ جناب ابراہیم رشید سلمہ: ابن الرشید فارمیسی مقابل عبداللہ ہاشم، جدہ، سعودی عربیہ

۳۴۔ ریاض الدین صاحب: ص ب، ۳۹۵۸، مدینہ منورہ، سعودی عربیہ

حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مجازین (مجازین بیعت وصحبت) کی یہ آخری ومکمل فہرست ہے۔ معرفت حکیم محمد کلیم اللہ صاحب ناظم مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

باب چهارم

معاصرین کے تأثرات

باب چہارم
معاصرین کے تأثرات

مولانا شاہ ابرار الحق کی آفاقی شخصیت سے نہ صرف عوام بلکہ خواص کا ایک بڑا طبقہ بھی متاثر ہوا۔ جس کی کلیدی وجہ یہی ہے کہ آپ کی خدمات ومساعی کا دائرہ صرف عوام تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ آپکی اصلاحی مشن کے اصل مرکز وہ حضرات تھے، جنھیں ملک وملت کا راہنما تصور کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جادۂ حق پر رہتے ہیں اور راست علم وعمل کے علمبردار ہیں تو عوام انہی کے نقوشِ راہ کی تقلید کریں گے، گوکہ آپ کے اصلاحی مشن کے بعض پہلوؤں پر چندلوگوں کوعلمی اشکال بھی بجا طور پر رہے، لیکن جہاں تک آپ کی ذات ومخلصانہ خدمات کا تعلق ہے۔ تو عموماً اس کی حمایت اور توثیق کی گئی ہے۔ جب تک آپ زندہ رہے اہل علم کی نگاہوں کا مرکز بنے رہے۔ مگر اللہ کو آپ کے ذریعہ جس قدر فیض پہنچانا مقصود تھا اس کی تکمیل ہوگئی تو قانونِ الٰہی کے مطابق آپ کو بھی اس دارِ فانی سے رخصت ہونا پڑا۔ آپ کے انتقال پُرملال پر لوگوں نے جو غم کے آنسو بہائے ان کا احاطہ تو نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں ذیل کی سطور میں بعض اہل علم کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں، جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی نظروں میں آپ کا کیا مقام تھا۔

مولانا نصیر احمد خاں صاحب (شیخ الحدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

مولانا شاہ ابرار الحق صاحب سلسلہ تھانوی کے آخری چشم وچراغ اور سنتِ رسول اللہ کا مستحکم ستون تھے، آپ کی وفات سے عالمِ اسلام بالخصوص تھانوی برادری یتیم ہوگئی ہے۔

انھوں نے اپنی پوری زندگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں صرف فرما کر ایک طرف اپنے مرشد حکیم الامۃ (اشرف علی تھانوی) کی روح مبارک کو مسرور کیا تو دوسری طرف اپنے مادرِ علمی مظاہر علوم کا نامِ نامی پورے عالم میں روشن فرمایا۔ ان کی خدمات تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، جو رہتی دنیا تک

تشنگانِ علم دین کو سیراب کرتی رہیں گی، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی قحط الرجال کے اس دور میں بسا غنیمت تھی، اللہ نے ان کو نہ تھکنے والا ذہن و دماغ عطا فرمایا تھا۔[۱]

مولانا انظر شاہ کشمیری (ناظم تعلیمات دارالعلوم وقف دیوبند)

حضرت مولانا (ابرار الحق ہردوئی) کی ابتدائی زندگی کی مشکلات و پریشانی کم ہی لوگوں کے علم میں ہوں گی، لوگ تو ان کی آخری زندگی کی مقبولیت و مرجعیت ہی کو دیکھ رہے تھے، لیکن یہ حقیر فقیر مولانا کو بہت دنوں سے جانتا پہچانتا ہے۔ نہ تنگی و پریشانی میں اپنے مشن سے ایک لمحہ غافل رہے اور نہ ہی آسائش اور راحت میں اس سے ادنیٰ درجہ کی بے اعتنائی گوارہ فرمائی۔ حدیث شریف میں اس عمل کو ''خیر الاعمال'' کی سند عطا ہوئی ہے جو تسلسل و استمرار سے جاری ہے۔ مولانا نے اپنے مرشد حکیم و دانا کی ہدایات پر مجلس دعوۃ الحق اور پھر اشرف المدارس کے ذریعہ جس مشن کو سنبھالا اسے حالات کی مخالفت و مساعدت وسائل کی تنگی و فراخی ہر دو حال میں پورے عزم و حوصلہ جذبہ و ولولہ کے ساتھ جاری رکھا۔[۲]

مولانا سید نظام الدین (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و امیر شریعت بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ)

مولانا ابرار الحق حقی اپنے علم و فضل اور اخلاص و للّٰہیت کے اعتبار سے علماء و مشائخ کی جماعت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، مزاج میں تواضع و خاکساری تھی، تفوق و تعلی کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا۔ اصول پسندی، وقت کی پابندی اس درجہ تھی کہ اس سے ذرہ برابر سر مو انحراف نہ کرتے۔[۳]

مولانا محمد سالم قاسمی (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند)

مولانا ابرار الحق کو حق تعالیٰ نے بفیضان حکیم الامۃ 'شوق عبادت' اور ''ذوقِ خدمتِ خلق'' سے نوازا، اول الذکر شوقِ عبادت کی تکمیل کے لیے موصوف نے اتباعِ سنت کے اہتمام کو اپنایا اور ثانی الذکر ذوقِ خدمتِ خلق کے لیے 'تعلیم قرآن' کو منتخب فرمایا، مخلصانہ عبادت رب کریم کی برکات نے تعلیم قرآن کے طرزِ مخصوص کو قبولیت عامہ اور قبولیت تامہ عطا فرمائی، چنانچہ جتنے مدارس آپ نے قائم فرمائے ان سب کا عملی طرۂ امتیاز براہِ راست معلمین میں اور بواسطہ معلمین و متعلمین میں بیش تر زندگی کے اعمال میں اتباعِ سنت کا اہتمام بنا۔ جس کی آج کے بے لگام دور میں غیر معمولی کامیابی آپ کے کمالِ اخلاص کے

علاوہ کسی اور چیز کو قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لیے آپ کے مدارس سے قرآن کریم پڑھ کر نکلنے والوں میں اتباعِ سنت کے ماحول میں وقت گزارنے کی وجہ سے دینی ذوق بہر حال راسخ نظر آتا ہے۔[۴]

مولانا عبدالحق (نائب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

مولانا ابرارالحق ہردوئی اللہ کے ان برگزیدہ بندوں میں تھے، جنھیں ہمہ وقت اللہ کے بندوں کی ہمہ گیر اصلاح اور ہدایت کی فکر رہا کرتی تھی۔ وہ رسول پاک ﷺ کی ایک ایک سنت کے عاشق زار تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سارے لوگ میرے محبوب ﷺ کی اداؤں میں ڈھل جائیں وہ بزمِ اشرف کے آخری چراغ تھے، ان کا مزاج و مذاق حکیم الامۃ کی تعلیمات کا جیتا جاگتا نمونہ تھا، انھوں نے حضرت تھانوی کے وصال کے بعد تقریباً ساٹھ سال تک مسلسل حضرت تھانوی کے افکار و علوم، ہدایات و تعلیمات کو عام کیا ہے۔ اصلاحِ منکرات، احیاء سنت، تصحیح تلاوت قرآن کریم، تصحیح اقامت نیز تصحیح صلوٰۃ یہ چیزیں آپ کی رگ رگ میں سرایت کرگئی تھیں، زندگی کے آخری لمحے تک وہ ان چیزوں سے غافل نہیں رہے۔[۵]

مولانا حکیم محمد عبداللہ مغیثی (مہتمم جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑھ، میرٹھ)

شاہ صاحب کی ذات عوام و خواص میں بڑی مقبول اور پُرکشش تھی۔ آپ نے اس دورِ الحاد اور دین سے بے رغبتی کے ماحول میں احیاءِ سنت کے لیے کلیدی کردار پیش کیا اور کبھی دین میں مداہنت کو برداشت نہیں کیا، حضرت تھانوی کی خدمت و تربیت میں رہ کر کندن بننے والا یہ انسان شیخ وقت اور اسم بامسمیٰ محی السنہ ثابت ہوا۔[۶]

مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری (محدث دارالعلوم دیوبند)

حضرت تھانوی کی تیار کردہ شخصیات میں بہت سے آفتاب و ماہتاب بن کر ابھرے ہیں، ان میں سے ایک نمایاں شخصیت مولانا ابرارالحق حقی کی تھی، آپ حضرت تھانوی کی خانقاہ کی آخری کڑی تھے، اور آپ سے بھی ایک دنیا نے فیض پایا ہے۔ آپ کی زندگی کا نمایاں کارنامہ قرآن کریم کی تصحیح اور سنت کا احیاء ہے۔ قرآن کریم صحیح پڑھنے کے لیے آپ نے 'دعوۃ الحق' کا سلسلہ قائم فرمایا تھا۔ برصغیر میں جگہ جگہ اس نام سے ادارے قائم ہیں، جو قرآنِ کریم کی بہترین خدمت انجام دے رہے ہیں، اسی طرح آپ کو اللہ نے سنت کے احیاء کا خاص جذبہ عطا فرمایا تھا، آپ واقعی محی السنہ تھے، اذان و اقامت اور نماز کی

سنتوں کی تصحیح اوران کا احیاء آپ کا خاص مشن تھا۔اوراس سلسلے میں آپ نے مبالغہ کی حد تک کام کیا ہے۔

'فتاویٰ تا تارخانیہ کا ایک جزئیہ ہے کہ قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے رکوع کی ہیئت پیدا کر کے نہیں جانا چاہیے، ورنہ نماز میں ایک رکوع کا اضافہ ہوجائیگا، جو موجبِ سجدہ سہو ہے۔شاہ صاحب اس جزئیہ کی خصوصی تلقین فرماتے تھے، اپنے کسی خادم کے ذریعہ عملی مشق کراتے تھے،مگر میں نے دیکھا کہ نمونہ پیش کرنے والا شخص حضرت کی صحیح مراد نہیں سمجھ پاتا تھا۔وہ سیدھا لکڑی بنا ہوا سجدہ میں جاتا تھا، حالاں کہ آپ کی یہ مراد نہیں تھی، میں نے خود ایک مرتبہ مدرسہ محمودیہ میرٹھ میں آپ سے پوچھا تھا کہ میں ''بارے ڈوز'' گیا تھا، وہاں چند نوجوانوں کو عجیب طرح سے قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے دیکھا، میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے آپ کا حوالہ دیا اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے اس پر آپ نے فرمایا جس طرح مزدور پھاوڑا چلاتا ہے اس طرح سجدہ میں نہیں جانا چاہیے۔مزدور جب پھاڑوا چلاتا ہے تو آدھا جھک جاتا ہے۔اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جاتے ہیں۔پس ایسی ہیئت پیدا ہوگی تو ایک اور رکوع ہوجائے گا۔پھر جب آپ نے مسجد میں بیان کیا تو یہی مسئلہ بیان کیا۔ ے

مولانا محمد ساجد قاسمی (استاذ دارالعلوم دیوبند)

میں نے شاہ صاحب کے تمام کاموں میں ترتیب وسلیقہ مندی اور پختگی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ بے ترتیبی، انتشار، حجروں یا مسجدوں کے دروازوں پر بکھری پڑی جوتیاں، وضوخانے میں بے ترتیب لوٹے ادھر ادھر رکھے دیکھ کر اس قدر ناراض ہوتے کہ ان کی حالت دیکھنے لائق ہوتی ۔ وہ اپنے کام میں نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرنے والے واقع ہوتے تھے۔''اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں''۔

وہ اپنے قول وعمل،کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے، بلکہ زندگی کے ہر گوشہ میں اتباعِ سنت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ احیاءِ سنت اور لوگوں کو اس پر عمل کی دعوت کہنا چاہیے کہ انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ''محی السنۃ'' ان کے نام کا جزو لاینفک بن گیا۔ وہ نیک کاموں کا حکم کرنے، برائیوں سے روکنے اور خیر کی دعوت دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھتے تھے۔ وہ ہر وقت اور ہر موقع کو نصیحت کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے غنیمت تصور کرتے تھے۔ وہ قرآن کی تجوید

وقرأت کے ساتھ تعلیم، اذان واقامت اور سلام ودعاء کے کلمات کی تصحیح، جن کی ادائیگی میں ہمارے یہاں کے بہت سے لوگ غلطی کرتے ہیں، اور نماز کی تعلیم پر حد درجہ توجہ دیتے تھے۔ تعلیم وتحفیظ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کے لیے 'اشرف المدارس' کے نام سے ایک مدرسہ بھی قائم کیا، جس میں چھوٹوں کے ساتھ ساتھ بڑی عمر والے بھی بقدرِ ضرورت قرآن سیکھنے نیز نبوی طریقہ کے مطابق اذان واقامت سیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ مدرسہ کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی زیرنگرانی 'مجلس دعوۃ الحق' بھی قائم کی، جس کے آپ ناظم تھے، جس کے اسٹیج سے دعوتی امور انجام پاتے تھے، آپ نے مذکورہ مجلس کی وساطت سے ملک کے طول وعرض میں قرآن کی تعلیم کے لیے مدارس کا جال بچھادیا، شاہ صاحب آغاز میں ضلع ہردوئی کے دور افتادہ دیہاتوں اور اس سے متصل علاقوں میں یا تو پیدل یا سائیکل پر سوار ہوکر جاتے تھے، اور کبھی کبھار بیس پچیس کلومیٹر کا فاصلہ پیدل ہی طے کیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ تبلیغ دین، دعوتی کام اور اصلاحِ ناس کے لیے ہوتا تھا۔ شاہ صاحب کے ان دعوتی مشن میں بطورِ معاون برابر شریک رہنے والوں میں دو بزرگوں کا نام لیا جاسکتا ہے، ایک مولانا بشارت علی سلطان پوری جو مدرسہ اشرف المدارس کے نائب ناظم تھے، دوسرے مولانا قاری امیر حسن سیوانی (خلیفہ مولانا محمد زکریا) ان تینوں بزرگوں کی کوششوں سے اس علاقہ کے مسلمانوں کو بے پناہ فائدہ پہنچا۔

میں نے ہندوستان میں بہت سارے علماء اور بزرگانِ دین کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی، مگر میں جتنا شاہ صاحب سے متاثر ہوا، اتنا کسی اور نے مجھ پر اثر نہ ڈالا۔ وہ واقعی موجودہ زمانے کے عالمِ ربانی اور سب سے بڑے داعی تھے۔[8]

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مولانا شاہ ابرار الحق صاحب تھانوی اسکول کے آخری فرزند شمار ہوتے تھے اور اپنے مربی کے نقشِ قدم پر چل کر ان کی امتیازات کو باقی رکھنے والے تنہا مردمیدان تھے، حضرت تھانوی کی تربیت کا پورا انداز آپ کی تربیت کے اندر جلوہ گر تھا، احیائے سنت اور اتباع سنت پر توجہ مرکوز تھی، جو لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں تھے انھوں نے اخلاص عمل کے ساتھ اتباع سنت کو اپنا شعار بنایا اور جو لوگ مجازِ بیعت تھے انھوں نے احتیاط وتقویٰ، احیائے سنت، اور اطاعت کی زندگی کا نمونہ پیش کیا اور اپنے مرشد

کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی زندگی کی کامیابی کا راز تصور کیا۔

حضرت موصوف کی دینی تربیت کا انداز صاف ستھرا اور موثر تھا، نہایت اختصار کے ساتھ دینی حقائق کو بیان کرتے تھے اور نہایت آسان طریقہ سے لوگوں کو دین کی بنیادی باتیں بتا کر ان پر عمل کرنے کا آسان نسخہ تجویز فرماتے تھے، مثال کے طور پر گھریلو اصلاح کا طریقہ اس طرح بیان فرماتے تھے:

۱۔ گھر کے سب افراد کو جمع کر کے ایک سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ سنائیں مثلاً وضو کی سنت شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

۲۔ سنت کا ایک فائدہ بتلانا مثلاً رزق میں برکت ہوتی ہے۔

۳۔ ایک گناہ کبیرہ بتلانا، مثلاً کسی کو ذلیل وحقیر سمجھنا۔

۴۔ گناہ کا ایک نقصان بتلانا جو دنیا میں سامنے آتا ہے مثلاً رزق کی تنگی۔

۵۔ کم از کم سات دفعہ کلمہ طیبہ، تین دفعہ درود شریف، گیارہ گیارہ دفعہ استغفر اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر پڑھنا۔

۶۔ نیک اور صالح حضرات کے پاس جس قدر وقت ملے جا کر بیٹھنا، اگر کوئی شخص نہ مل سکے تو صلحاء واکابر کے ملفوظات کا مطالعہ کرنا۔ اور اس نسخہ کی ہدایت اس طرح بیان فرماتے تھے:

(۱) ایک تا چار کا علم کسی عالم یا مسجد کے امام صاحب سے حاصل کرنا جو سبق دیا جائے اس کو کاپی پر لکھنا۔

(۲) دوسرے دن سننا، اگر سب یاد نکلے تو آگے سبق دینا، ورنہ وہی سبق پھر دہرانا۔

(۳) جنھوں نے یاد کر لیا ہے ان کے حوالے ان کو کرنا جو یاد نہیں کر سکے ہیں۔[۹]

مولانا محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مولانا ابرار الحق حقی بزرگ شخصیتوں کی آخری یادگار رہ گئے تھے۔ آپ میں جانے والے سب بزرگوں کی برکت جمع ہو گئی تھیں، استفادہ کے لیے ہر طرف سے لوگ پہنچتے تھے، مجھے اور میرے رفقاء کو برابر اپنی تشنگی بجھانے کے لیے حاضر ہونے کا موقع ملتا تھا۔ اور ملاقات وحصولِ دعا کی سعادت حاصل

ہوتی تھی، اب ان کے نہ رہنے سے جو خلا پیدا ہوا ہے کس طرح اس کی تلافی ہو سکے گی، یہ سمجھنا مشکل ہو رہا ہے۔[۱۰]

(نوٹ: یہ خط حضرت ناظم صاحب نے حکیم کلیم اللہ صاحب کو ۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ کو ارسال کیا تھا)

مولانا امین الدین شجاع الدین (رئیس التحریر پندرہ روزہ تعمیر حیات، لکھنؤ)

مولانا کی کتابِ زندگی سنت کا بھرپور عکاس تھی، عشقِ رسول کا سچا پکا جذبہ ہی تو تھا کہ مولانا نے احیاءِ سنت کے کاز کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، قرآن پاک سے، اس کی ترویج و اشاعت سے اور فنِ تجوید کے سلسلے میں ایسی دردمندی وفکرمندی اور دل سوزی کہ اس کی نظیر موجودہ دور میں بظاہر تو نظر نہیں آتی، نہ معلوم کتنے ایمان والوں کو مولانا کی توجہ وعنایت کی بدولت قرآن پاک کو فن تجوید کی پوری رعایت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق وہدایت رب کریم نے عطا فرمائی ہوگی، زندگی کے ہر عمل میں وہ شریعت کی بالادستی اور اس پر پورا پورا عمل دیکھنا چاہتے تھے، اور اس سلسلہ میں ذرہ برابر بھی مداہنت انھیں گوارا نہ تھی، باریک سے باریک اور چھوٹے سے چھوٹے مسائل پر وہ اپنی توجہ مرکوز رکھتے، ان کا ذہنی سانچہ اور ان کی پوری عملی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی تھی، اگر کوئی مخالف ومعاند اسلام کبھی ہم سے پوچھتا کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص بتادو جو شریعت کا مکمل آئینہ دار ہو تو بلا تأمل شاہ صاحب کو پیش کیا جاسکتا تھا، ان کے نام کے ساتھ حق لکھا ہوتا تھا، اور حق تو کڑوا ہوتا ہی ہے۔ چنانچہ وہ صرف امر بالمعروف کی حد تک کام کے قائل نہ تھے بلکہ نہی عن المنکر کے بغیر وہ ایسے کسی بھی مشن کو ناقص سمجھتے تھے۔[۱۱]

مولانا محمود حسن حسنی ندوی (دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا ابرار الحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات وصفات سے نوازا تھا ان میں ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ لوگوں کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے ان کے مناسب حال باتیں ارشاد فرماتے رہتے تھے، اس کے لیے اسٹیج سجانے، جلسہ یا پروگرام رکھنے اور مجلس کی بھی ضرورت نہیں پڑتی

تھی، انھیں کسی کا انتظار یا کسی موقع کا پابند نہیں ہونا پڑتا تھا۔ حضرت والا سے ایک ہی ملاقات وزیارت اس کے مناسب واہم امور کی طرف متوجہ کردیتی تھی۔ مولانا کی یہ توجہ قولاً اور حالاً دونوں اعتبار سے ہوتی تھی، اگر حضرت والا کا مزاج کچھ فرمانے کا ہوتا تھا، تو ملنے والے کے کام کو اہمیت دیتے ہوئے اس کا پورا خیال فرماتے تھے، اور انسانی طبائع کی ان کمزوریوں کا بھی خیال فرماتے تھے، وہ اچھی اور مفید باتوں پر مسرت کے ساتھ ساتھ اسی صورت میں ادراک کر پاتا ہے جب مثالوں سے اس کی وضاحت کردی جائے۔ اس سلسلہ میں ان کو اپنے شیخ حکیم مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الشیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے خصوصی حصہ ملا تھا، مزید برآں وقت کے بڑے شیخ اور مثالوں کے بادشاہ کہے جانے والے بزرگ حضرت شاہ یعقوب صاحب مجددی کا ان پر اس سلسلہ کا عکس بھی پڑا تھا۔[۱۲]

مولانا غلام محمد وستانوی مظاہری (رئیس جامعہ اشاعت العلوم اکل کنواں، مہاراشٹر)

مولانا شاہ ابرار الحق بزمِ اشرف کے ایسے چراغ تھے۔ جو اپنی حیات میں بساط بھر چراغ مصطفوی بن کر شرار بولہبی، رسم وریتی، بدعات وخرافات اور جاہلیت ومداہنت کے طوفان سے نبرد آزما رہے اور ہر روانِ شوق کو راہ دکھلاتے رہے۔ اب وہ چراغ بجھ گیا، مگر اس سے اٹھنے والا دھواں اس کے سوز دروں کا پتہ دیتا ہے۔ اور باطل کی ظلمتوں سے ٹکرانے والے جیالوں کو دم بھر آگے ہی بڑھتے رہنے کا حوصلہ فراہم کرتا ہے۔ مولانا موصوف وطناً ہردوئی، نسبتاً حقی، علماً مظاہری، اور مشرباً تھانوی تھے، آپ جہاں اکابر کی نظروں کے تارے تھے وہیں ہم عصروں کے دل کے دلارے اور اصاغر کے حق میں بااصول معلم ورہنما تھے۔

مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اکابر کی توجہ، عشق مع القرآن اور اتباعِ سنت کے صدقہ میں بااصول زندگی بارونق بود وباش اور بارعب وباوجاہت چہرے کے ساتھ ساتھ با اثر ملفوظات ومواعظ سے ایسا حصۂ وافر عطا فرمایا تھا کہ ہر وقت علم وحکمت کے چشمے آپ کی لسانِ ترجمان رسالت سے جاری رہتے۔ اور اس طرح آپ کی حیات، قرآن کریم کی آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرىٰ آمَنُوا

وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ' کا آئینہ دار تھی، آپ کے ملفوظات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو حرف بہ حرف اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ آپ اس دور کے مجدد اور محی السنہ تھے۔[۱۳]

مولانا فضیل احمد قاسمی (جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند)

اولیاء اللہ کی زندگیاں انبیاء کی پیروی واتباع میں گزرتی ہیں، اس لیے سیرت رسول ﷺ کے بعد خاموش مربی بزرگوں کی سوانح عمری ہیں، ابھی کچھ دنوں پہلے جب ہماری نگاہیں پورے برصغیر میں کسی بزرگ کو ڈھونڈتیں تو حضرت ہردوئی پر جا کر ٹک جاتیں، افسوس اب نگاہوں کا کوئی ایسا مرکز نہ رہا۔ حضرت کی بڑی خصوصیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھی، اور اس معاملے میں کسی کی رعایت نہ فرماتے۔ دعوت ان کی پُرحکمت ہوتی، دل کی دنیا بدل جاتی، کیفیاتِ قلب میں تلاطم پیدا ہوتا۔ اور قلب جاری ہو جاتا۔ میں تو خردوں کا خرد ہوں، مجھ پر بھی بڑی عنایات رہتیں۔[۱۴]

مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)

شاہ صاحب کی حیاتِ مبارکہ تطبیق شریعت واتباعِ سنت سے عبارت تھی۔ آپ قرآن مقدس کی تعظیم ومحبت کے سلسلے میں نمایاں شان رکھتے تھے۔ احیاء سنت اور قرآن واذان کی اصلاح کے بارے میں آپ کا مبارک شغف پوری امت کے لیے قابل تقلید اور مثالی عمل ہے۔ رجال سازی کی بھی ایسی صلاحیت آپ کو عطا ہوئی تھی کہ آپ کی نگاہ مؤمنانہ سے بے شمار لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا ہوا۔ وہ جادۂ حق کے راہی بنے، اور کتنے ہی لوگ مرشد و مصلح، داعی ومبلغ اور ہادی ورہبر بن گئے۔[۱۵]

عارف باللہ مولانا ڈاکٹر عبدالحیؒ (خلیفہ حضرت تھانوی)

میرے محترم برادرِ عزیز ابرار الحق کو اللہ نے ظاہری وباطنی اوصاف سے نوازا ہے۔ ماشاء اللہ عالم حافظ وقاری اور حضرت تھانوی کے خلیفہ ہیں، موصوف نے تحصیل علوم درسیہ کے بعد اپنی عمر اشاعت دین اور اصلاحِ امت کے لیے وقف کر دی، اور بہت سے مدارس دینیہ بعون اللہ قائم کیے، اور وہ نمایاں ترقی کر رہے ہیں، اس کے علاوہ جگہ جگہ مواعظ وملفوظات سے بھی مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہتے

تھے۔۱۶؎

مولانا محمد یوسف بنوری (بانی ومؤسس مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن، کراچی)

’حضرت تھانوی کے خلفاء ومستفیدین کو جتنا تعلق وقرب وجذب کی نسبت رہی اسی قدر حق تعالیٰ نے ان کو بھی مقبول بنایا۔ان قابل قدر مبارک ہستیوں میں سے الحمدللہ مولانا ابرارالحق کا وجود بھی ہے۔میرا ابتداءً تو غائبانہ تعلق رہا اور ایک عرفاتی ملاقات بھی ہوئی۔اور آپ کے قابل قدر احوال بھی سنتا رہا۔لیکن اس دفعہ کراچی تشریف آوری پر قریب سے دیکھا، اور دو تقریریں سننے کا موقع بھی نصیب ہوا۔الحمدللہ کہ توقع سے بالاتر پایا، ماشاء اللہ حضرت تھانوی کی نسبت جذب نے ان کو اپنا مجذوب بنا کر ان کی زبان کو اپنے پُر کیف مواعظ سنانے کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا ہے۔۱۷؎

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی (محدث دارالعلوم کراچی، سابق چیف جسٹس پاکستان)

شاہ ابرارالحق کا وجود اس آخری دور میں پوری امت کے لیے ایک عظیم سرمایہ تھا۔حضرت کی تعلیمات وہدایات کا فیض بحمدللہ دینا بھر میں پھیلا ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے آخری خلیفہ ہونے کی حیثیت سے آپ کے دم سے خانقاہِ اشرفی کا نور پوری امت کے لیے باعث طمانیت تھا، اور آپ کا سانحۂ ارتحال امت کے لیے ایک عظیم حادثہ ہے۔لیکن یہ حضرات دنیا سے جانے سے قبل اپنے جو فیوض چھوڑ جاتے ہیں، وہ امت کے لیے بڑا ڈھارس کا سامان ہوتے ہیں۔اور امت کو ان فیوض سے متعارف کرانے کا ہر اقدام امت کے لیے ایک نعمت ہے۔۱۸؎

مولانا عبداللہ ندوی (معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا ابرارالحق صاحب کو سنت سے اس قدر شغف تھا کہ ان کی رگ وپے میں بسا ہوا تھا۔میرا ایک بار ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا وہ بولتے بہت تھے لیکن ایک لفظ بھی بے سود اور بے معنیٰ نہیں بولتے تھے، میں نے حضرت کا حال یہی دیکھا کہ جہاں ان کو موقع ملا فوراً وہ اتباعِ سنت کی بات کرنے لگتے، ایک مرتبہ ایک صاحب نے جوتے اتارے اور ٹیڑھے رکھ دیئے، حضرت نے ان کے جوتے

سیدھے کر دیئے، رات ودن اتباعِ سنت کے علاوہ ان کا کوئی اور مشغلہ نہ تھا، ان کا درس ہر وقت ہوتا رہتا تھا۔ وہ ہر بات کو اپنے رخ پر لے جاتے تھے، آج اس کی قدر معلوم ہو رہی ہے، اور اس کا اثر آج ظاہر ہو رہا ہے کہ موت کے بعد بھی ان کا چہرہ روشن نظر آ رہا تھا۔ ۱۹

مولانا محمد اسلم شیخو پوری (پاکستان)

وہ منظر اب تک آنکھوں میں رچا بسا ہے، جب مولانا شاہ ابرار الحق جامعہ (جامعۃ العلوم لاسلامیہ) تشریف لائے اور انھوں نے دارالحدیث میں طلبا اور اساتذہ کے مشترکہ اجتماع سے خطاب فرمایا طبیعت میں چوں کہ نزاکت اور حساسیت تھی، اس لیے آپ نے مکمل سکونت کا تقاضا فرمایا۔ آپ کے بیان میں حضرت تھانوی کا رنگ جھلکتا تھا۔ کتاب وسنت کے نکات، بزرگوں کی حکایات، اصلاح کا جذبہ، امت کا درد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جس بات کا کہنا ضروری سمجھتے کسی کی ملامت کے خوف کے بغیر کہہ دیتے۔ اس زمانے میں محلے کے جو بچے ناظرہ یا حفظ قرآن کے لیے جامعہ میں آتے تھے، ان کے لیے بنوری ٹاؤن کی مسجد کے صاف شفاف مگر ننگے صحن میں فرشی نشست کا اہتمام ہوتا تھا۔ شاہ صاحب نے بیان کے دوران اس پر شکوہ کیا کہ صرف، نحو پڑھنے والوں کے لیے تو قالین اور دری کا اہتمام ہے، مگر کلام اللہ پڑھنے والے ننگے فرش پر بیٹھے ہیں، احقر کے بیان کی جو دوسری بات آج کئی سال گزرنے کے باوجود یاد آ رہی ہے، وہ یہ تھی کہ لباس سے بستر تک اور مشروبات سے مطعومات تک ہر چیز میں ہم معیار کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور ہلکی اور غیر معیاری چیز پر ہم آمادہ نہیں ہوتے۔ جب کہ عبادات میں ہم معیار اور کوالٹی کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا نماز ہی لے لیجیے، بھری مسجد میں شاید ہی آپ کو کوئی شخص خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا دکھائی دے، اکثر کا حال یہ ہے کہ نہ قیام صحیح، نہ رکوع وسجود صحیح، اس موقع پر آپ نے ضمناً یہ بھی فرمایا کہ نوافل کھڑے ہو کر پڑھنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، مگر ہم میں سے اکثر تو نوافل پڑھتے ہی نہیں، اگر پڑھتے بھی ہیں تو بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں جنھیں طویل زندگی دی جاتی ہے، اور وہ زندگی کا ہر لمحہ ذکر وفکر اور دعوت وعبادت میں لگا دیتے

ہیں، اور کتنے بدنصیب ہیں جنھیں مہلت اور طویل زندگی دی جاتی ہے۔ مگر ان کا ہر دن ہر رات معصیت اور بغاوت میں بسر ہوتی ہے۔ وہ کون سا ملک ہے جہاں شاہ صاحب نہیں پہنچے اور اپنے انفاس قدسیہ سے دلوں کی ٹھنڈی فضاء کو گرم نہیں کیا۔ ہندوستان کا وہ کون سا بڑا شہر ہے جہاں کے شکستہ دل اور کفر وشرک کے نرغے میں زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کے لیے ظاہری سہارا ثابت نہیں ہوئے۔ آپ کے سیدھے سادھے مگر دلوں میں اترنے والے مواعظ نے لاکھوں کی زندگیاں بدل ڈالیں۔

اصلاح وتزکیہ، زہد وتقویٰ، دعوت وارشاد اور عبادت وافادیت کا جو راستہ آپ نے جوانی بلکہ بچپن ہی سے اختیار کیا تھا۔ زندگی بھر آپ اسی پر چلتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب ان انسانوں میں سے تھے، جن کا وجود قوم کے لیے باعثِ افتخار اور انسانیت کے لیے سرمایۂ وقار ہوتا ہے۔ تشنگانِ علم ان سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور متلاشیان راہ ان کی باتیں سن کر راہِ منزل کا تعین کرتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور جذبۂ عمل کو انگیخت ملتی ہے۔ شاہ صاحب کے تربیت یافتہ صلحا اور ابرار کی ایک بڑی جماعت تو موجود ہے مگر شاہ ابرار موجود نہیں ہیں۔[۲۰]

مولانا مفتی رشید احمد (مہتمم اشرف المدارس ناظم آباد کراچی، پاکستان)

مولانا ابرار الحق کو اللہ تعالیٰ نے ایسی خاص شانِ اصلاح سے نوازا ہے اور پھر اصلاحِ امت کے کام کو ان کے لیے اس طرح دردِ دل بنا دیا ہے کہ اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتی۔ رہبرانِ قوم نے نہی عن المنکر کے فریضہ کو تو ایسا بھلا دیا ہے کہ گویا یہ حکم سرے سے شریعت میں ہے ہی نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر منکرات کی مجالس میں علانیہ شرکت بلکہ اپنی مجالس میں منکرات کی کھلی چھوٹ دے کر عوام کو فتنۂ اباحیت میں مبتلا کر دیا ہے۔

میں اطراء فی المدح اور کسی کی مدح کے ضمن میں تنقیص غیر سے پناہ مانگتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ اصلاحِ منکرات کا جو کام مولانا ابرار الحق سے لے رہے ہیں وہ آج دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ پھر نہی عن المنکر کے جذبہ کے ساتھ اللہ نے حسنِ بیان اور ایسی شانِ جاذبیت عطا

فرمائی ہے کہ آپ کی نکیر باعث تنفیر نہیں بنتی، بلکہ منکرات کا کج قلوب کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہ دل کی تڑپ اور اخلاص وقبول کی علامت ہے۔[۲۱]

مفتی محمد شفقت اللہ (صدر مفتی مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی)

اللہ تعالیٰ شانہٗ انسانوں کی ہدایت کے لیے ہمیشہ اپنے برگزیدہ بندے یعنی انبیاء علیہم السلام کو بھیجتے رہے۔ انبیاء کرام نے اپنی پوری زندگی میں توحید ورسالت، رشد وہدایت کا پیغام اللہ کے بندوں تک اپنے اخلاق واعمال، وعظ ونصیحت کے ذریعہ پہنچایا، اور یہ سلسلہ بہت طویل زمانہ سے چلتا چلا آرہا ہے، انہی خاصانِ خدا میں ایک عظیم بزرگ ممتاز عالم دین نمونہ سلف محی السنہ حضرت مولانا الشاہ ابرارالحق صاحب (ناظم اعلیٰ مدرسہ اشرف المدارس ومجلس دعوۃ الحق ہردوئی) تھے۔

شاہ ابرارالحق کی ہمہ وقت فکر وکوشش یہ ہوا کرتی تھی، کہ ہر امتی کی زندگی میں اللہ کے احکامات اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ آجائے اور اس کی معاشرت درست ہو جائے، اس کے اندر اخلاق نبوی آجائیں، برائیاں اور گناہ مٹ جائیں، اور لوگ گناہوں سے محفوظ ہو جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہمہ وقت اس کے بارے میں وعظ ونصیحت فرماتے رہتے، سفر میں ہوں یا حضر میں، اسٹیشن پر ہوں یا اسپتال میں، مسجد میں ہوں یا مدرسہ کے اندر ہوں، یا باہر مجمع عام ہو، یا خاص علماء وصلحاء ہوں یا افسران وحکام یا وزراء سب کو حسبِ موقع سرورِ کونین کی پاکیزہ تعلیمات سے روشناس فرماتے، اللہ نے آپ کو تعلیمات نبوی کے پیش کرنے کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا اور آپ اس کو ایسے لطیف اور پیارے انداز میں پیش کرتے تھے کہ ہر چھوٹا بڑا امیر وغریب، شہری ودیہاتی، حاکم ومحکوم، عالم اور غیر عالم آپ کی باتوں کو سمجھ لیتا اور اس کا اثر لے کر ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتا۔ خصوصاً منکرات اور برائیوں کی اصلاح ایسے لطیف اور بہترین انداز میں فرماتے تھے کہ بڑے سے بڑا برائی کرنے والا شخص بہت آسانی سے برائی چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتا، احیاءِ سنت کا ایسا عظیم قلبی داعیہ رہتا تھا کہ ہر مسجد ومدرسہ میں اس کے اجراء کی فکر اور لوگوں کے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش فرمایا کرتے تھے، گویا احیائے سنت، اصلاحِ منکرات، شاہ

صاحب کا خاص مشن تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو محی السنہ کے خاص لقب سے نوازا گیا۔

شاہ صاحب کی پوری زندگی سنتِ نبوی سے آراستہ تھی اور سنتوں پر عمل کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ کوئی کام خلافِ سنت نہ کرتے تھے، اور کسی کا کوئی کام خلافِ سنت کرنا بھی پسند نہ فرماتے تھے، بلکہ اگر آپ کی نگاہ خلافِ سنت کام کرنے والے شخص پر پڑ جاتی تو فوراً اس شخص کو سنت کی جانب متوجہ فرماتے اور وہ بہ طیب خاطر قبول کر کے اپنی اصلاح کر لیتا یہاں تک کہ سنگین بیماری کی حالت میں بھی سنتوں کا اہتمام فرمایا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب کو قرآن پاک سے خاص تعلق اور لگاؤ تھا۔ قرآنِ پاک کی تعلیم پوری تجوید کے ساتھ دینے کا نظم اور انتظام آپ کی امتیازی شان تھی۔[۲۲]

الحاج حکیم محمد کلیم اللہ (جانشین حضرت محی السنہ وناظم مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی)

حضرت محی السنہ کی پوری حیات نمونۂ اسلاف تھی، سادگی، بے ساختگی، اصلاح امت کی فکر، سیاست و کسی بھی سیاسی جماعت سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا۔ ہر خاص وعام سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، ہر اس شخص کا درد دل میں رکھتے جس کو تکلیف و پریشانی ہو۔ خاص بات یہ تھی کہ پریشان و مضطرب شخص بھی حضرت سے مل کر قلبی سکون پاتا تھا، اس کی پریشانی کے حل کی صورتیں نکلتی تھیں، پر تکلف غذائیں پسند نہیں فرماتے تھے، ہر چیز میں نظم پسند فرماتے تھے، خلافِ اصول کاموں کو برداشت نہیں فرماتے تھے، خلاف شریعت بات پر برجستہ، بروقت و برموقع نکیر فرماتے تھے، اس میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے، ہر وقت پیش نظر رضائے الٰہی کا غلبہ رہتا تھا۔ کل حیات اصلاح معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج واشاعت میں دینی تعلیم کو فروغ دینے میں صرف کی، سنت کے مطابق تلاوت کیا کرتے تھے، بیماروں کی عیادت کے لیے ہدایت فرماتے تھے۔[۲۳]

مولانا محمد اشہد رشیدی (مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد)

شاہ صاحب مناسب قد جس کو نہ لمبا کہا جا سکتا ہے اور نہ پستہ، نہایت روشن اور پُر رونق چہرہ، موتی کی طرح سے صاف ستھرے اور چمکتے ہوئے دانت، ستواں ناک، کشادہ پیشانی، عالمانہ جاہ وجلال

اور مصلحانہ شفقت ومحبت کا عجیب وغریب امتزاج آپ کی خصوصیات تھیں، زندگی بھر دین وشریعت کی خدمت کے ساتھ ساتھ ملتِ اسلامیہ کی ہدایت اور اصلاح کا عظیم کام بھی انجام دیتے رہے۔ اور ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ دین کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اور ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی صحیح اسلامی ڈھنگ اور طریقہ کے برخلاف انجام نہ دیا جائے، چنانچہ آپ نے قرآنِ کریم کی تصحیح اور تجوید کے اصول وقواعد کی رعایت پر بھرپور توجہ دی، مجہول ومعروف، صفات ومخارج، مد کی مقدار نیز اخفاء وغنہ وغیرہ پر خاص نظر رکھی، اور باقاعدہ اپنے ادارے میں تصحیح قرآن کا نظم فرمایا، تاکہ لوگ قرآنِ کریم کی تلاوت اس انداز پر کرسکیں جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔ [۲۴]

قدم قدم پر سنتوں کا اہتمام کرنا، گھر میں، مجلس میں، سفر میں، خوشی میں، غمی میں، یعنی ہر موقع پر نبی اکرمؐ کے طریقہ کو اپنانا، اور عام لوگوں کو اس کی دعوت دینا آپ کا امتیازی وصف تھا۔ مختلف موقعوں پر آنحضورؐ سے منقول دعاؤں کا اہتمام آپ بڑی تندہی سے فرمایا کرتے تھے اور باقاعدہ مجالس میں ان کو سننے سنانے اور اپنانے کی رغبت دلایا کرتے تھے، جس کے اثرات ان کے روشن چہرہ سے عیاں تھے، بجاطور پر امت نے ان کو محی السنہ کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ [۲۵]

برائی اور منکرات پر مناسب انداز سے بروقت نکیر کرنا ان کا مزاج بن چکا تھا، اس میں وہ امیر وغریب، عالم وغیر عالم کا فرق نہیں کیا کرتے تھے، اور بلاخوف لومۃ لائم گناہوں، برائیوں اور معاصی پر بھرپور انداز سے ٹوک کر نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کیا کرتے تھے، اور اگر وہ یہ محسوس کرلیتے کہ کسی مجلس یا تقریب وغیرہ میں منکرات موجود ہیں تو بار بار اصرار دعوت دینے کے باوجود اس میں شرکت کے لیے تشریف نہ لے جاتے تھے، یہاں تک کہ داعی، منکر کو ہٹا کر آئندہ نہ کرنے کا وعدہ نہ کرلے، اور آپ اس کے وعدہ سے مطمئن نہ ہوجاتے۔ [۲٦]

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری (مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد)

بلاشبہ مولانا ابرار الحق صاحب کا سانحۂ وفات امتِ مسلمہ کے لیے بہت عظیم سانحہ اور قریبی دور

کا سب سے بڑا نقصان ہے۔ مولانا ہم سب کے سرپرست تھے، آپ کی حیثیت امت کے مشفق باپ کی طرح تھی، جو ہر وقت اپنی اولاد کی بہتری کی فکر میں رہتا ہے۔ اور جس کے گھنے سایہ میں اولاد کے لیے ترقی اور کامیابی کی راہیں کھلی رہتی ہیں، آپ کی ذات اسلامیانِ عالم کے لیے بہت بڑی ڈھارس تھی۔ اور آپ کا وجودِ مسعود زمانہ کی گھٹاٹوپ اندھیروں میں منارۂ نور کی حیثیت رکھتا تھا، آپ کی مجلسیں فیضانِ حکمت سے لبریز ہوتیں، اور آپ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ دعوت الی الخیر کا حقیقی مصداق ہوتے، آپ کی صحبتِ طیبہ سے ہدایت کے چشمے پھوٹتے، اور اپنی کوتاہیوں پر جمے ہوئے دبیز پردے خود بخود ہٹتے چلے جاتے تھے، آپ کے پُرنور چہرے کو دیکھ کر خدا یاد آتا اور آخرت کی فکر بیدار ہوجاتی۔ ۲۷

شاہ صاحب کی زندگی کا سب سے روشن پہلو قرآن پاک کی خدمت ہے۔ آپ نے قرآن پاک کو بالتجوید پڑھنے کو ایک تحریک کی شکل دی، اور اس مقصد کو گویا کہ اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا، آپ کے زیرِ انتظام چلنے والی تنظیم 'مجلس دعوۃ الحق' کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عوام اور خواص کو تصحیح قرآن پاک کا شعور عطا کیا، آپ نے نورانی قاعدہ کو خاص انداز میں مرتب کرا کے چھوٹے بچوں کو تجوید کے موٹے موٹے قواعد یاد کرانے اور پھر قرآن پاک کا اجراء کرانے پر بھرپور محنت کی، اور آپ کا جاری کردہ نورانی قاعدہ اطرافِ عالم میں مشہور و مقبول ہوگیا، اور اس طرزِ تعلیم کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ جو طالب علم اس کو اصول کے مطابق پڑھ لے تو وہ قرآن پاک کی تلاوت میں غلطی اور مجہول پڑھنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ۲۸

مولانا نے اس دور میں جب کہ قدم قدم پر سنتوں کو پامال کیا جا رہا ہے اور عوام تو کجا خواص میں بھی اتباعِ سنت اور مستحبات کی پابندی کا اہتمام نہیں ہے، مولانا نے احیاء سنت کو عالمی تحریک کی شکل دے دی، چھوٹی چھوٹی سنتوں سے امت کو روشناس کرایا اور تقریر و تحریر کے ذریعہ سنتوں پر عمل کی مؤثر انداز میں ترغیب دی۔ بالخصوص عبادات، طہارت اور نماز وغیرہ کے مسائل میں مولانا جس قدر سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے وہ آپ کا خاص امتیاز تھا۔ ۲۹

مولانا نے امت کی دینی ومعاشرتی اصلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔ دن رات آپ کو یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ امتِ مسلمہ کی اصلاح کیسے ہو اور امت راہِ حق پر کیسے چلے۔ ۳۰؎

مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی (ناظم مدرسہ بیت المعارف الٰہ آباد)

مولانا شاہ ابرار الحق کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، آپ کی خدماتِ دینیہ ساری امت میں اظہر من الشمس ہیں۔ اور صحیح معنوں میں آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب اور وارث تھے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصدِ حسنہ یعنی تلاوتِ کلام اللہ اور تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس کی خدمات پوری زندگی انجام دیتے رہے، نیز حدیث جبرئیلؑ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ اعمال اسلام اور صفاتِ ایمان اور نسبت احسان کے معنیٰ و مفہوم کی توضیح وتشریح بلکہ ان حقائق سے انصاف کی طرف ترغیب وتخصیص فرماتے رہے۔ ۳۱؎

ڈاکٹر رشید الوحیدی (جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)

حضرت شاہ صاحب خانقاہِ تھانہ بھون سے روحانیت کی عظیم امانت لے کر اٹھے اپنے مرشد کے اشارے پر ہردوئی کو آباد کیا، اور پھر نصف صدی سے زیادہ تعلیم وتربیت اور روحانیت کی ضیاء پاشیاں اس نئے علاقے سے ہوتی رہیں، گوشہ نشین رہ کر خاموشی سے یہ دولت لٹاتے رہے، عجیب انداز ہے ان اولیاء کرام کا، نام ونمود جاہ وشہرت اور ناموری کی طلب اور اس کے لیے تگ ودو اس قسم کی تمام لایعنی باتوں سے بہت دور وبے نیاز، اپنے اللہ سے لو لگائے مخلوقِ خدا کی اصلاح وخدمت میں مصروف رہتے ہیں۔

طبیعت میں انکساری وتواضع کا یہ عالم کہ سب کچھ یا بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی گویا کچھ نہیں ہیں، قسمت سے ایک بار حاضری اور زیارت کا شرف نصیب ہوگیا، آج تک اس کا سرور دل ودماغ پر باقی ہے۔ چار پانچ سال قبل کی بات ہے اپنے ایک واقف کار فاضل دیوبند کے ساتھ کسی تعلیمی کام سے دہلی سے لکھنؤ کا سفر کیا، چار باغ ریلوے اسٹیشن لکھنؤ مسافر خانے میں قیام ہوا، کام ایک دو دن میں ختم ہوگیا۔ ایک دن فاضل بچ گیا، اگلے دن دہلی واپسی تھی، ہم دونوں میں طے ہوا کہ یہ فاضل دن ہردوئی چل کر

شاہ صاحب کی زیارت کی جائے۔نیت صاف تھی اللہ نے مدد کی مسافر خانے سے باہر نکلے، سامنے بس رکی ہوئی تھی، کنڈ یکٹر چلاّ رہا تھا، ہردوئی، ہردوئی، ہم جھٹ جا بیٹھے، بس چل دی سکون ہوا، اچانک جانے کیا سوجھی میں نے ساتھی سے کہا، یہاں ایک کام کریں۔آپ اپنا خادم فاضل دیوبند اور میرا خانقاہ مدنی کے خادم کی حیثیت سے تعارف نہ کرا کر ایک اجنبی کی حیثیت سے شاہ صاحب سے ملیں، ایسا کیوں کہا۔ اللہ معاف فرمائے شاید کہیں تحت الشعور میں یہ خیال تھا کہ دیکھیں شاہ صاحب کا اجنبیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، دیوبند اور حضرت مدنی کی نسبت سے تو ہر جگہ دو گھونٹ پانی اور ٹکڑے کو لوگ پوچھ لیتے ہیں۔ بہر حال بات طے ہوگئی، ہم وہاں پہنچے تو ظہر کی نماز تیار تھی، گرمی کا زمانہ تھا، ہم مسجد میں جا بیٹھے، سنت پڑھ کر حضرت کا انتظار کرتے رہے۔کبھی زیارت تو ہوئی نہ تھی، ذہن میں طرح طرح کا نقشہ ابھرتا رہا۔جس میں تقدس اور نورانی چہرہ بہر حال نمایاں تھا۔انتظار ہی میں جماعت کھڑی ہوگئی۔ عین وقت پر تشریف لائے اور شریک ہوگئے ہوں گے۔سلام کے بعد پیچھے سے آواز آئی، میاں سجدے میں انگلیاں پھیلا کر نہیں ملا کر رکھو، اپنے مدرسہ کے کسی نئے طالب علم سے مخاطب تھے۔

میں نے قیاس یہی کیا کہ شاہ صاحب ہیں، نماز بعد ہم دونوں نے شفقت سے کھڑے ہوکر مصافحہ کیا، پھر سوال ہوا کہ کہاں سے آئے ہو۔ طے شدہ بات کے مطابق عرض کیا کہ لکھنؤ سے زیارت کو آئے ہیں، ہم دونوں کو دائیں بائیں لے کر قیام گاہ کی طرف چل پڑے۔معمول کے مطابق اپنی نشست گاہ پر بیٹھ گئے۔ مدرسے کے طلباء، اساتذہ، باہر کے مہمان، شہر کے معتقدین سب حاضر تھے، مگر نہایت شفقت سے ہم دونوں نو واردان سے مخاطب تھے۔اور اکرامِ ضیف کا پورا حق ادا فرما رہے تھے، اکابر واسلاف کی شان یہی رہی ہے۔اجنبی ہو یا اپنا قریب، خاص ہو عام۔غرض مہمان تو مہمان ہے اور اکرام کا مستحق ہے۔ یہ ان نام نہاد صوفیاء میں سے نہیں ہیں یہ اپنے بزرگوں کے سچے جانشین ہیں اور ان کے بزرگوں کا تصور قرآن وحدیث اور اخلاقِ محمدی سے ماخوذ ومستفاد ہے۔[۳۲]

یہ دارالعلوم یا حضرت مدنی کی نسبت سے نہیں، دو اجنبیوں کے ساتھ معاملہ تھا، سادہ لباس،

تھانوی گول ٹوپی، درمیانہ قد، درمیانہ جسم، بھری داڑھی، پُر وقار نورانی سنجیدہ چہرہ، اول وہلے میں بولنے کی ہمت نہ ہو مگر خود بولیں تو شیریں بیانی سے، بات کرنے والا بے تکلف ہو جائے۔ لہجہ ہمدردانہ، گفتگو میں کوئی نہ کوئی نصیحت یا اپنے بڑوں کا کوئی واقعہ، یہ مبارک ذات دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ خانقاہ سے باہر آتے ہی پھر وہی ہم، وہی دنیا کی جھنجھٹ وہ جو سنا ہے، ولیٔ کامل وہ ہے جس کے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آئے، ہردوئی کے اس قلندر کی بارگاہ میں خوب خوب مشاہدہ ہوا۔[۳۳]

مفتی ابوالقاسم قاسمی (بنارس)

مہمان، اللہ کے فرستادہ ہوتے ہیں۔ وہ قابل تعظیم اور لائق اکرام ہیں، ان کو آنکھوں اور پلکوں پر بٹھایا جائے اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر ان کا اعزاز و اکرام کیا جائے۔ کھانے، پینے، رہنے سہنے اور ان کی ضروریاتِ زندگی کا پورا پورا خیال رکھا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو کچھ تکلیف پہنچے اور آرام و راحت میں کچھ خلل آ جائے، اور تکلیف اور خلل کو دور کرنے کے لیے کوئی بھی تدبیر نہ کی جائے۔ ہر مسلمان مہمانوں کے ساتھ بہتر ہی سلوک کرتا ہے۔ آرام و آسائش اور کھانے پینے کا اپنی حیثیت سے بڑھ کر انتظام کرتا ہے۔ خود رنج و مصیبت میں رہتا ہے، لیکن مہمانوں کے رنج و مصیبت دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی بھی ان مہمان نوازوں میں سے تھے۔ جن کے یہاں مہمان ہی سب کچھ ہوتے ہیں، وہ کھانے پینے کی ایک ایک چیز مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے، اور ضروریات زندگی کا ہر طرح خیال کرتے، پھر بھی ظاہراً و باطناً شرمسار ہوتے اور دل میں بار بار یہ خیال آتا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

حالاں کہ آپ مہمانوں کی خاطر داری میں ذرہ برابر بھی کسر نہیں چھوڑتے، رخصت کرتے وقت آپ فرماتے کہ بھائی صحیح طریقے سے آپ کی مہمان نوازی نہیں ہو سکی، اور خاطر داری کا حق ادا نہ ہو سکا۔ آپ معاف فرمائیں۔ یہ آپ کی جلالتِ شان تھی کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی کچھ نہ کرنے کا عندیہ ظاہر فرماتے۔ اللہ والوں کی یہی شان ہے۔ اور اسی شان سے وہ اور لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔[۳۴]

مولانا مجیب اللہ ندوی (بانی جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ)

شاہ صاحب قرآنِ پاک کی تعلیم وتربیت پر زور دیتے۔ خاص طور پر تجوید وقرات کا ان کے یہاں بہت اہتمام تھا۔ اشرف المدارس کو بھی اس سلسلہ میں نمایاں امتیاز ومقام حاصل ہے۔ ان کے فیض یافتہ افراد خاص طور پر اس لب ولہجہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ ۳۵؎

مولانا عبد العلی فاروقی (مہتمم دار العلوم فاروقیہ، کاکوری، لکھنؤ)

وہ ایک مینارۂ نور، مرکز رشد وہدایت، وہ پیکر اخلاص ومروت، وہ آئینہ کمالات نبوت، وہ وارفتۂ عشق رسول، وہ اتباع سنت کا پیکر جمیل، وہ حسنات اسلاف کا آخری جامع، وہ مرشد تھانوی کا آخری منظور نظر اور وہ احسان وتصوف کے قلم رو کا متفقہ تاجدار (محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب) تھے، یوں تو ہمارے تمام اکابر بزرگانِ دین کے یہاں بزرگی وبڑائی کا اصل پیمانہ اتباعِ سنت ہی رہا ہے۔ اور معیار یہی رہا کہ جس کی زندگی اور اس کے معمولات رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سے جتنے زیادہ قریب ہوئے اسے اسی درجہ میں بزرگی وولایت کا حق دار گردانا گیا، تاہم مولانا موصوف کے یہاں یہ رنگ کچھ زیادہ ہی گہرا نکھرا اور نمایاں رہا۔ ۳۶؎

ترویج واشاعتِ سنت کے علاوہ مولانا کی دوسری محنت 'صحتِ قرآن مجید' کے سلسلے میں تھی، جس کے لیے انھوں نے اپنے مدرسہ اشرف المدارس کے علاوہ ملک وبیرون ملک میں بہت سے مکاتب قائم فرمائے تھے، جہاں بچوں کو ابتداء ہی سے قواعد تجوید کی پوری رعایت کے ساتھ حروف والفاظ کی شناخت کرائی جاتی ہے۔ ان درس گاہوں میں حفظ وناظرہ کی تعلیم حاصل کرنے والے بچے قاری کی سند حاصل کیے بغیر ہی قرآن کو اس کے اصل لب ولہجہ میں اور مخارج وقواعد کی رعایت کے ساتھ پڑھنے پر قابلِ رشک حد تک قابو یافتہ ہوتے ہیں۔

کتاب اللہ کو ساری کتابوں میں سب سے افضل وبرتر قرار دیتے ہوئے اس کی درس گاہوں، اس کے طلباء، اور اس کے اساتذہ کو وہ سب سے زیادہ اکرام ومراعات کا حق دار قرار دیتے تھے کہ ان

سب کا رشتہ براہِ راست قرآن مجید سے ہوتا ہے، وہ قرآن کے جزدان اور رکھنے کو رحل کے سلسلے میں انتہائی حساس تھے اور ادنیٰ بے توقیری اور بے مخاطبی پر سخت گرفت کرتے تھے، لیکن حضرت ہردوئی کے ہماری اس فانی دنیا سے رخصت ہونے کے بعد احسان وتصوف، اصلاح وموعظت، اخلاص ومروت، نظم واکرام اورادب ورعایت مراتب کے میدانوں میں اسلامی تعلیمات کے عملی نمونہ کے طور پر جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی کسک دور تک اور دیر تک محسوس کی جاتی رہے گی۔ ۳۷

مولانا محمد ناظم ندوی (رئیس المعہد الاسلامی مانک مئو، سہارنپور)

عارف باللہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا سانحۂ ارتحال، رشد وہدایت کا آفتاب غروب ہوگیا، اصلاح وتجدید کا ایک دروازہ بند ہوگیا۔ تھانوی سلسلہ کا آخری چراغ بھی گل ہوگیا، اپنے وقت کا مجدد نہ رہا، ابرار واخیار کے سرخیل زمین اوڑھ کر سو گئے، شریعت وطریقت کے رمز آشنا اللہ کو پیارے ہوگئے، ہردوئی کی خانقاہ سونی ہوگئی، ہمہ وقت کتاب وسنت کی تبلیغ کرنے والی شخصیت کا وقتِ موعود آپہنچا، وہ مردِ قلندر جس کی صدائے بازگشت سے دنیا محروم ہوگئی۔ وہ مردِ غیور وجسور جس کی وجہ سے دنیا بیدار ہوئی وہ اپنے حقیقی پالنہار سے جاملا، وہ ذات، اتباعِ سنت جس کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی نہ رہی، ذکروفکر کا ایک باب بند ہوگیا۔ وہ دانائے راز جس کے در پر جا کر مربیوں کو بھی مزید رہنمائی ملتی تھی۔ ۳۸

مولانا انہی افراد میں سے تھے جن کی وجہ سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا، روحانیت، اخلاص اور اصول واخلاق کا ایک باب بند ہوگیا، آپ یقیناً تھانوی سلسلے کے آخری چشم وچراغ اور آپ کی مسندِ تزکیہ واحسان کے آخری رکن رکین تھے۔ آپ کے انتقال سے شرق وغرب میں پھیلے ہوئے منتسبین و مسترشدین اور آپ سے محبت کرنے والے ان گنت قافلوں پر حزن وملال کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ۳۹

مولانا محمد کلیم اللہ صدیقی (پھلت، مظفرنگر)

اس حقیر نے ۲۵ سالہ نیاز مندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق حضرت ہردوئی کی ایک بے حقیقت دیہاتی پر شفقت اور عنایت کے رشتہ کے بعد اس حادثۂ عظیم پر اپنے دل کی تسکین کے لیے قلم اٹھایا ہے کہ

کچھ یادیں قلم کی زبان سے نقل کرکے کچھ احسان شناسی کا مظاہرہ ہوجائے۔ ورنہ اہل دانش اور ارباب ادب وقلم رہتی زندگی تک حضرت ہردوئی کے فضائل، اور مناقب بیان کرتے رہیں گے، اور اس موضوع کا حق ادا کرنا انہیں کو زیب دیتا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاروں نے آپ رحمۃ العالمین کے سلسلے میں یہ بات تواتر کے ساتھ لکھی ہے کہ آپ کی شفقت وعنایت کسی خاص فرد یا جماعت کے لیے مخصوص نہ تھی بلکہ آپ کی شفقت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ ہر صحابی کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ سب سے زیادہ مجھ سے شفقت ومحبت فرماتے ہیں، ایک حقیقی وارث نبی کی حیثیت سے یہ بات حضرت محی السنہ کے ہر خادم کو محسوس ہوتی تھی، یہ حقیر حضرت والا سے باضابطہ رسماً اصلاحی تعلق نہیں رکھتا تھا اور باوجود حد درجہ مناسبت اور تعلق کے اپنے مشاغل اور بعض دوسرے اعذار کے سبب بہت زیادہ حاضری بھی حضرت والا کی خدمت میں نہیں دے پاتا تھا، مگر جب بھی یہ حقیر حاضرِ خدمت ہوتا تھا تو اس کو واپسی پر اس طرح لوٹنا ہوتا تھا کہ یہ خیال ہوتا کہ حضرت والا دنیا میں سب سے زیادہ مجھ سے ہی شفقت اور تعلق کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ احساس نہ صرف اس حقیر کو ہوتا تھا، بلکہ ہمارے وہ تمام رفقاء جو وقتاً فوقتاً اس سیہ کار سے تعلق کے واسطے سے حضرت کی خدمت میں ملاقات کے لیے جاتے تھے۔ وہ بھی یہ محسوس کرتے تھے کہ حضرت والا ہم لوگوں سے والہانہ شفقت فرماتے ہیں۔[۳۰۸]

مفتی محمد عاشق پھلتی (دارالافتاء جامعہ امام ولی اللہ پھلت، مظفرنگر)

مولانا ابرارالحق کی ذاتِ گرامی کسی صاحب علم وفضل تو کیا کسی عامی کے لیے بھی محتاجِ تعارف نہیں ہے لیکن آپ کی ذات بابرکت ان قدسی نقوش میں سے ہے جن کے تذکرے سے قلوب کو جلا ملتی ہے۔ ذکر خیر روح کی تڑپ اور قلوب کی گرماہٹ کا سبب بنتا ہے۔ شاہ صاحب نے دینی اور علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں اور نیک سیرت وپاک باز مربین کے زیر سایہ تربیت پائی۔ ہندوستان کی مشہور علمی، دینی اور فکری درس گاہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں علوم کی تکمیل کی۔ اور فقیہ الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی سے بیعت کا تعلق قائم کیا، اور پھر اپنے شیخ کے نورِ نظر بنے، شاہ صاحب کی علمی روحانی شخصیت کا

اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت تھانوی جیسے شیخ نے بہت کم عمری میں آپ کو اجازت سے نوازا۔ سنتِ نبوی سے خاص محبت اور اس کی تبلیغ آپ کا وصفِ خاص تھا۔ جو آپ کی بابرکت شخصیت کا ممتاز پہلو تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اس عالم میں آپ کو 'محی السنۃ' جیسے عالی لقب سے مشہور فرمایا۔ اور ہر خاص وعام آپ کو اسی پیاری نسبت سے یاد کرتا ہے۔ آپ کا جذبہ نہی عن المنکر تھا اور ساتھ ہی ساتھ خاص انداز تربیت تھا۔ آپ کی یادگار بہت سی تحریریں ہیں جو ہمیشہ رہنمائی کا کام کرتی رہیں گی، اور تربیت یافتہ حضرات کی ایک خوبصورت بزم ہے جو آپ نے سجادی ہے، جس کا دائرہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند، پاکستان وبنگلا دیش وغیرہ پر محیط ہے۔[۱۴۱]

مولانا انیس احمد قاسمی بلگرامی (ناظم جامعہ عربیہ سید المدارس چوہان بانگیر نیو سیلم پور، دہلی)

شاہ ابرار الحق کی ذاتِ اقدس بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق کا بہترین مظہر ہے۔ آپ کی شخصیت علومِ ظاہری کا عظیم الشان مخزن ہے، جہاں ایک طرف تشنگانِ شریعت کے لیے علومِ ظاہری کے چشمے ابلتے ہیں اور دوسری طرف تزکیۂ نفوس کی وہ سرگرمی ہے، جس سے زنگ آلودہ قلوب مجلّٰی و مصفّٰی ہوتے ہیں۔ مردہ دلوں میں ایمانی روح پیدا ہوتی ہے اور مذہبی ذمہ داریوں کا صحیح احساس اجاگر ہوتا ہے۔ حضرت والا کی شخصیت اور آپ کے عظیم کردار پر نظر پڑتی ہے تو فرطِ عقیدت سے قلبی جذبات الفاظ کا جامہ پہن کر اس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

بقولِ شاعر:

خدایاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

شاہ صاحب نے اشاعتِ حق کے سلسلے میں جو صعوبتیں اور پریشانیاں برداشت کی ہیں، آج ان

کا تصور تک ہمارے لیے مشکل ہے۔آپ تبلیغ دین اور دعوت حق کی خاطر مختلف دیہاتوں اور قصبوں میں پیدل جا کر لوگوں سے انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں فرماتے۔ اور خصوصی گشت کے ذریعہ اسلامی شعور بیدار کرنے کے لیے طرح طرح کی کلفتیں برداشت کرتے ،مگر اس کے باوجود عزم وحوصلہ کا یہ عالم کہ پیشانی پر بل تک نہ آتا تھا۔۴۲؎

مولانا مفتی بلال احمد شیر کوٹی (صدر المدرسین مدرسہ ناصر العلوم کانٹھ، مراد آباد)

ہم لوگ مراد آباد مدارس کے جلیل القدر اساتذہ وعلماء کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ صبح ساڑھے پانچ بجے ہردوئی پہنچے۔ فجر کی نماز تو گاڑی ہی میں ادا کر لی تھی، ہم سب سراپا تصورِ غم بنے ہوئے حضرت کی قیام گاہ پہنچے، جہاں پر ہزاروں ہزار مشتاقانِ زیارت کا ہجوم تھا دروازے میں داخل ہونا بظاہر بڑا دشوار ہو رہا تھا کافی دیر کی کوشش کے بعد جب دروازے میں داخل ہونے کا نمبر آیا تو اندر داخل ہوئے بس اب کیا تھا بے اختیار آنسو جاری ہو رہے تھے۔ اور جس جگہ روحانی مجلس ہوا کرتی تھی، آپ ایک شانِ فقیرانہ اندازِ شاہانہ اپنی مسند پر جلوہ افروز ہوتے، اور دور دراز سے آنے والے عوام وخواص کو دوائے دردِ دل بانٹتے، جہاں مردہ دلوں کو زندگی ملتی، جہاں مریضانِ حرص وہوا کو ان کے مرض کے مطابق کامل علاج ملتا، جہاں پر سنتوں کی پابندی کا درس دیا جاتا، جہاں پر علماء وفضلاء کی صف بندی ہوا کرتی، جہاں پر بوڑھوں کو جوانی پر عملاً فضیلت کا درس دیا جاتا۔ جہاں پر مسلمانوں کے معاشرے کی بگڑتی صورتِ حال پر اظہارِ افسوس اور اس کے مداوے کی مختلف ومتعدد شکلیں نکالی جاتیں۔

یوں تو حضرت والا کی پوری زندگی علوم ومعارف سے لبریز تھی اور آپ کی ہر ادا قرآن وسنت کے زیادہ قریب تھی۔ لیکن بطورِ خاص جذبۂ احیاءِ سنت اور تصحیح قرآن کریم کو جو آپ نے اپنی زندگی کا ایک مشن بنالیا تھا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کا وصال پُرملال پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔۴۳؎

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی، (جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ)

شاہ ابرار الحق اس دورِ آخر میں اپنے پیش رو علماء ومشائخ اور حکیم الامت حضرت تھانوی کی آخری یادگار تھے۔ ان کی مجلسیں بڑی پُرکشش تھیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان پر فیضان الٰہی کی بارش ہورہی ہے۔ جو بھی اس میخانہ میں شریک ہوتا تھا وہ کچھ لے کر وہاں سے واپس ہوتا۔ پوری زندگی حضرت تھانوی کے سلسلے اور دعوت کو پھیلانے میں صرف کی، تجوید وقرات جو علماء وخواص میں متروک ہورہی تھی، اس کا مولانا کے ذریعہ احیاء ہوا۔ اس لیے مولانا کو محی السنہ کا لقب برمحل اور مناسب تھا، اس آخری عہد میں مولانا کی ذاتِ گرامی علماء ومشائخ کا مرجع بن گئی تھی۔ جہاں جاتے لوگ پروانہ وار ٹوٹ پڑتے۔ افسوس کہ یہ آخری یادگار ہم سب سے رخصت ہوئی۔ جس سے مل کر روح کو فرحت، دماغ کو سکون حاصل ہوتا تھا۔[۴۴]

مولانا عبدالرشید بستوی (استاذ مدرسہ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند)

شاہ ابرار الحق صاحب نے اس زمانے میں آنکھیں کھولیں جسے اس دورِ پُرآشوب وپُرفتن کی بہ نسبت خیر القرون کا عنوان دیا جائے تو شاید کچھ زیادہ غلط نہ ہو، اس زمانے میں عزت ووقار کی بنیاد محض دولت وثروت نہ تھی، بلکہ انسانی اقدار، اعلیٰ اخلاقی روایات، شرافت ومروت، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وطہارت اور سادگی وسادہ لوحی کے تانوں بانوں سے شخصیت کا جامہ زیب تن تیار ہوا کرتا تھا، اس لیے شاہ صاحب یا ان کے عہد کی دیگر شخصیات وافراد میں اگر یہ محاسن ومحامد موجود ہوں تو چنداں تعجب خیز نہیں، ہاں حیرت واستعجاب اس وقت ہوتا ہے، جب کوئی شخص اس زر پرست، اخلاقیات اور اقدار سے عاری، اعلیٰ انسانی روایات سے تہی دامن، شرافت ومروت سے نفور، اخلاص اور للّٰہیت سے دور، تقویٰ وطہارت سے گریزاں، عیاری، مکاری، اور شاطر مزاجی سے بھرپور زمانے میں بھی اسی پرانی روش پر قائم، اسی راستے پر گامزن، انہی روایت پر کاربند، انہی اطوار پر عمل پیرا جو اس وقت کے روشن خیال دنیا کی نظر میں ازکار رفتہ اور فرسودہ ہوچکی ہیں شاہ صاحب موصوف ایسے ہی اصحابِ عزم وعزیمت بندگانِ خدا میں

سے ایک تھے۔ ۴۵؎

مولانا عبدالاحد قاسمی، تاراپوری (مدیر ماہنامہ 'صورت القرآن' احمد آباد، گجرات)

آپ کی زندگی علم وعمل، فضل واحسان، تصوف وشریعت وطریقت سے عبارت تھی، آپ ایک ایسے نور تھے جس کے اوجھل ہوجانے کے بعد اب دور تک فضاؤں میں تاریکی نظر آرہی ہے، قرآن وسنت کے عملی پیکر، رشد وہدایت کے مجسم، پیغام حق ومعرفت کی آپ ایک ایسی آواز تھے جواب کبھی نہ سنی جاسکے گی، علم وعرفان اور آگہی میں آپ کی شخصیت مسلم تھی، جس میں تمام اوصافِ کاملہ موجود تھے۔ اسی کے ساتھ آپ دنیا کی ہر چیز سے مستغنی تھے۔ ۴۶؎

مولانا سید ذوالفقار احمد (شیخ الحدیث دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر ضلع سورت، گجرات)

مولانا ابرار الحق کی عبقری شخصیت آج کے دورِ قحط الرجال میں ایک شمع فروزاں ونیر تاباں تھی، جس کی رشکِ آفتاب روشنی سے ساری دنیا فیض یاب تھی، مرحوم مجلس دعوۃ الحق کے ذریعہ متعدد صوبوں میں اپنے مخصوص طرزِ تعلیم اور قابلِ تقلید انداز پر مدارس چلا رہے تھے، جہاں قرآن پاک کی صحت ادا پر بے پناہ زور دیا جاتا تھا، مرحوم نے کلماتِ اذان کی صحت پر ہمیشہ زور دیا اور اغلاط کی اصلاح فرمائی، نیز جن سنتوں اور آداب کو لوگوں نے معمولی سمجھ کر متروک کردیا تھا مرحوم نے اپنے مواعظ ورسائل اور کتابوں کے ذریعہ ان کو زندہ کرنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ شرعی لباس وشرعی وضع قطع اور شعائرِ دین کے ادب ولحاظ اور اس سلسلے کی اصلاح کو تو مرحوم نے اپنا مشن بنا رکھا تھا۔

نیز راہِ سلوک میں لاکھوں لوگوں کی رہبری فرمائی، آج پورے عالم میں مرحوم کے مریدین مسترشدین متوسلین ومتعلقین کا جمِ غفیر ہے جو مرحوم ہی کے طرز پر مخلوقِ خدا کی رہبری میں مشغول ہے۔ ۴۷؎

مولانا محمد زکریا کیرانوی (مظاہر علوم 'وقف' سہارنپور)

اللہ رب العزت نے مولانا ابرار الحق کو مقامِ قطبیت پر فائز فرمایا تھا، اصلاحِ مسلمین اور اعلاء

دین کے حق میں ان کی قربانیوں کو حسنِ قبول سے نوازا، ہر طرف سے ان کی تحسین کی گئی، ایک بڑی جماعت نے ان سے ایمان ویقین اور تزکیہ واحسان کی دولت حاصل کی۔

اتباعِ شریعت اور احیاءِ سنت آپ کا امتیازی وصف ہے، اسی لیے آپ کو عالمِ قدسی سے محی السنہ کا لقب عطا کیا گیا اور آپ اسی لقب کے ساتھ مشہور ہو گئے، آپ اسم بامسمیٰ ابرار تھے، بلکہ اللہ نے آپ کو نیکوکار اور ابرار واخیار کی سیادت وقیادت عطا فرما کر ایک خصوصی شرف وامتیاز سے سرفراز فرمایا تھا۔ نجابت وشرافت کے یہ آثار آپ کی ذاتِ والا صفات میں بچپن ہی سے نمایاں تھے، ابتدائے آفرینش ہی سے گویا حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو سنت کی شیرینی اور اس کی چاشنی مرحمت فرمائی تھی۔

رفتہ رفتہ سنت کی یہ محبت عشقِ نبوی سے تبدیل ہوگئی اور اس کے صلہ میں آپ کو اوصافِ نبوت میں سے وافر حصہ عطا کیا گیا۔ جامعیت واعتدال جو انبیاء کی شان ہے آپ بھی اس سے بہرہ ور ہوئے، تعلیم وتربیت انبیاء کا وظیفہ ہے۔ آپ نے بھی اس کی طرف توجہ مبذول فرمائی، مجلسِ دعوۃ الحق سے وعظ وتقریر پمفلٹ اور کتابچوں کے ذریعے اصلاحِ امت کی فکر فرمائی، بیعت وارشاد کے ذریعہ عوام وخواص کی اصلاح فرمائی، تصوف کے نکات ورموز، شریعت وطریقت اور محبت ومعرفت کے اسرار بیان فرمائے۔ کلمۂ توحید اور اذان واقامت کی تصحیح بھی فرماتے، سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کا طریقہ بھی تعلیم فرماتے۔

حضرت والا کے یہاں حدود کی رعایت بہت تھی، احکامِ شرع کو موہوم مصلحتوں کے لیے نظر انداز نہیں فرماتے تھے، موصوف کے یہاں مسجد میں اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہوتا تو لاؤڈ اسپیکر بند کر دیا جاتا، مسجد میں تعلیم قرآن کے بارے میں مولانا اس سے منع فرماتے تھے کہ تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے والا مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے۔

معرفتِ خداوندی، عظمتِ الٰہی اور عشقِ نبوی کا اثر تھا کہ آپ ہر کام میں سنتوں کا اہتمام والتزام فرماتے۔ آپ کے یہاں گویا ہر وقت سنتوں کا مذاکرہ ہوتا رہتا۔ اس سے ضرورت بشریہ بھی

عبادت بن جاتی اور عبادت قبولیت کے قریب تر ہو جاتی۔ ۴۸؎

مولانا رئیس الدین (استاذ حدیث مظاہر علوم' وقف' سہارنپور)

حضرت محی السنہ اپنی پوری زندگی کے آخری سانس تک قرآن وحدیث کی خدمت اور انتہائی جدوجہد کے ساتھ احیاءِ سنت فرماتے رہے۔ آپ کی تعلیمات جو حقیقت میں سنتِ نبویہ کی دوسری تعبیر ہیں۔ رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے مشعلِ راہ اور اکسیر ہدایت ہیں۔ یوں تو اللہ نے آپ کی ذات میں بے شمار کمالات وخوبیاں ودیعت رکھی تھیں، مگر اتباعِ سنت اور قرآن کریم سے محبت وعشق آپ کی طبیعت کا خاص عنصر تھا۔ وہ ہمہ وقت قرآن وسنت پر مرمٹنے کے لیے تیار رہتے۔ مریدین ومتوسلین میں بھی جذبہ بھر دینے کی بھرپور کوشش فرماتے، آپ اصلاح وتربیت اور تزکیہ واحسان میں بھی بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ آپ کا طرز حکیمانہ تھا۔ اس سلسلے میں ہمعصروں میں آپ کا کوئی شریک وسہیم نہ تھا۔ ۴۹؎

حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری (شیخ الحدیث مدرسہ جامع الہدیٰ، مرادآباد)

جس طرح شاہ ابرارالحق کے حیات وکارنامہ پر بے شمار احباب کے تاثرات ہیں۔ اسی طرح نظم میں بھی بعض احباب نے تاثرات پیش کیے ہیں۔ ذیل میں آپ کے محبّ ومحترم مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری کے چند اشعار ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

اشعار لائیں:

میکدہ ویراں ہوا پیرِ مغاں جاتا رہا
تھانوی مے خانہ کا اف پاسباں جاتا رہا
ساغروجام وسبو سب ہیں حزین وسوگوار
آج میخانے سے ساقی مہرباں جاتا رہا
تھا حکیم الامۃ تھانہ بھون کی یاد کا
ہردوئی میں آخری تاباں نشاں جاتا رہا

لذت وفرحت بھی ہے اور عزت وراحت بھی ہے

سنتِ احمد میں، یہ کرکے عیاں جاتا رہا

جس کی انتھک کوششوں سے ہمتِ مرداں تھی ماند

چھوڑ کردارالعمل پیرِ جواں جاتا رہا

دے کے تجویدِ قرآنِ پاک وسنت کو فروغ

رحمتوں میں از پئے آرام جاں جاتا رہا

خلق کی اصلاح کا جس کو ہوا جذبہ نصیب

وہ اصولِ تربیت کا رازداں جاتا رہا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا وہ سپوت

عاشق قرآن وسنت عالی شاں جاتا رہا

آبیاری گلشنِ سنت کی کرکے عمر بھر

بزمِ سنت کو بنا کر نوحہ خواں جاتا رہا

خدمتِ دیں پہ لگا کر اپنی ساری زندگی

خادمِ دین نبیؐ سوئے جناں جاتا رہا [۵۰]

مزید تفصیل ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد، اگست ۲۰۰۵ء میں درج ہے۔

مراجع وماخذ

۱۔ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء، مطبع: دفتر آئینہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، ص:۱۹

۲۔ مفتی محمد فاروق، حیاتِ ابرار، مطبع: جامعہ محمودیہ علی پور، میرٹھ، ۱۴۲۶ھ، ص:۵۳۸

۳۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، شمارہ:۱۹، مئی ۲۰۰۶ء،

۴۔ آئینہ مظاہر علوم، محی السنہ نمبر، ص:۳۵

۵۔ ایضاً، ص:۱۳

۶۔ ایضاً، ص:۱۷

۷۔ ایضاً، ص:۱۵

۸۔ مجلّہ ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند، جمادی الثانی، رجب ۱۴۲۶، ص:۹۸۔۹۹

۹۔ محمد کاظم ندوی، محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق، نقوش وتأثرات، مطبع: علی میاں اکیڈمی، کاکوری، لکھنؤ، ۲۰۰۵ء، ص:۲۸۔۲۹

۱۰۔ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، شمارہ ۲۵/جون ۲۰۰۵ء، ص:۱۵

۱۱۔ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق، نقوش وتاثرات، ص:۱۶۶

۱۲۔ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ، شمارہ ۲۵/جون ۲۰۰۵ء، ص:۲۲

۱۳۔ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، ص:۳۸ تا ۴۰

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۳

۱۵۔ ایضاً، ص:۲۵

۱۶۔ حکیم محمد اختر، مجالس ابرار، مکتبہ زمزم بک ڈپو، دیوبند، ۱۳۹۶ھ، ص:۵

۱۷۔ ایضاً، ص:۳

۱۸۔ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، ص:۳۱

۱۹ محمد زید مظاہری، نقوش ابرار، مطبع: افاداتِ اشرفیہ دوبگہ لکھنؤ، ۱۴۲۸ھ، ص: ۲۹۶

۲۰ www.darsequran.com.articles/urdu

۲۱ مجالس ابرار، ص: ۷

۲۲ ماہنامہ ارمغان محی السنہ نمبر، جولائی اگست ۲۰۰۵ء، مطبع: جمعیۃ شاہ ولی اللہ پھلت، مظفر نگر، ص: ۲۴۔۲۵

۲۳ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق، نقوش وتأثرات، ص: ۶۸۔۶۹

۲۴ ایضاً، ص: ۱۰۳۔۱۰۴

۲۵ ایضاً، ص: ۱۰۴

۲۶ ایضاً، ص: ۱۰۵

۲۷ ایضاً، ص: ۷۳

۲۸ ایضاً، ص: ۷۵

۲۹ ایضاً، ص: ۷۶

۳۰ ایضاً، ص: ۷۸

۳۱ محمد قمر الزماں الٰہ آبادی، امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، مطبع: دار المعارف، ۲۰۰۵ء، الٰہ آباد، ص: ۴۶

۳۲ پندرہ روزہ تعمیر حیات، لکھنؤ، شمارہ جون ۲۰۰۵ء، ص: ۱۶

۳۳ ایضاً، ص: ۱۷

۳۴ حیاتِ ابرار، ص: ۲۰۷۔۲۰۸

۳۵ ماہنامہ الرشاد، اعظم گڑھ، شمارہ جون ۲۰۰۵ء، ص: ۳۹

۳۶ ماہنامہ ترجمان دیوبند، جولائی اگست ۲۰۰۵ء، ص: ۴۰

۳۷ ایضاً، ص: ۴۱

۳۸ ماہنامہ ارمغان محی السنہ نمبر، ص: ۳۵

۳۹؎ ایضاً، ص:۳۶

۴۰؎ حیاتِ ابرار، ص:۲۰۹

۴۱؎ ماہنامہ ارمغان محی السنہ نمبر، ص:۶۳۔۶۴

۴۲؎ شکیل احمد سنسارپوری، گلشِ ابرار، مطبع: امین آباد لکھنؤ، ۲۰۱۰ء، ص:۶

۴۳؎ ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد، شمارہ اگست ۲۰۰۵ء، ص:۵۱ تا ۵۴

۴۴؎ محمود حسن حسنی ندوی، سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقی، مطبع: صدق فاؤنڈیشن، گولہ گنج، لکھنؤ، ۲۰۰۷ء، ص:۲۰۹

۴۵؎ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق، نقوش وتأثرات، ص:۱۸۱۔۱۸۲

۴۶؎ سوانح حضرت مولانا ابرارالحق حقی، ص:۲۱۰

۴۷؎ امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، ص:۱۹

۴۸؎ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، ص:۷۵۔تا۷۷

۴۹؎ ایضاً، ص:۶۱

۵۰؎ ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد، شمارہ اگست ۲۰۰۵ء، ص:۵۵۔۵۶

فہرست مجازین (بیعت وصحبت) محی السنہ شاہ ابرار الحق حقی

مجازین بیعت:

۱۔ جناب مولانا بشارت علی صاحب سلطان پوری: نائب ناظم مدرسہ اشرف المدارس ومجلس دعوۃ الحق ہردوئی، (رحلت ہوگئی)

۲۔ جناب حکیم محمد کلیم اللہ صاحب: انونہ ہاؤس، سول لائن، علی گڑھ

۳۔ مولانا محمد یوسف صاحب: مدرسہ خیر العلوم، مسجد خیر، انٹر کالج بستی (رحلت ہوگئی)

۴۔ جناب مولانا محمد اطہر صاحب بستوی: صدر مدرس مدرسہ جامع العلوم، کیپٹل مسجد یونٹ ، ۴ بھونیشور، اڑیسہ

۵۔ جناب ماسٹر حبیب اللہ صاحب: قصبہ بنی گنج، ہردوئی، (رحلت ہوگئی)

۶۔ جناب ماسٹر محمد عثمان صاحب: موضع تروا پہلوان، پوسٹ ارکا بھرکا، ہردوئی (رحلت ہوگئی)

۷۔ جناب حاجی عظیم اللہ صاحب: رسول پور، دوست پور، ضلع سلطان پور (رحلت ہوگئی)

۸۔ جناب مولوی عبد العلیم صاحب: مدرس مدرسہ بیت العلوم سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

۹۔ جناب عبد الحافظ صاحب: محلّہ شیخ سرائے قصبہ کھیری، ضلع لکھیم پور

۱۰۔ جناب منشی احمد صدیق صاحب: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

۱۱۔ جناب ڈاکٹر اسلام احمد صاحب: مقام برہرہ پوسٹ ڈھوانہ، ضلع ایٹہ (رحلت ہوگئی)

۱۲۔ جناب سید اظہر کریم صاحب: بکنگ کلرک، مقام جاجپور روڈ اسٹیشن، کٹک (اڑیسہ)

۱۳۔ جناب ڈاکٹر علی ملپا صاحب: طیبہ منزل، نوائط کالونی، بھٹکل (کرناٹک)، ۵۸۱۳۲۰

۱۴۔ جناب مولوی سید محمود صاحب: جامعہ مسجد گیورائی، ضلع بیڑ، مہاراشٹر (رحلت ہوگئی)

۱۵۔ جناب مولوی جعفر علی صاحب: ۸، پیش امام اسٹریٹ، آمبور، نارتھ آرکاٹ ڈسٹرک تمل ناڈو

۱۶۔ جناب مولانا مفتی سعید احمد صاحب: ۲۳ ملا اسٹریٹ، پرنام بٹ، تمل ناڈو

۱۷۔ جناب مولوی نظام الدین صاحب: ناظم مدرسہ بیت العلوم، سر پور کاغذ نگر، اے۔ پی (رحلت ہوگئی)

۱۸۔ جناب علیم الدین صاحب ہاشمی: بتوسط مدرسہ فیض العلوم، سعید آباد، حیدر آباد، اے۔ پی

۱۹۔ جناب حاجی محمد عبدالرحمٰن صاحب: مکان نمبر 6/139A، کھاری باؤلی، مؤمن پورہ، گلبرگہ، کرناٹک

۲۰۔ جناب حکیم محمد اختر صاحب، معرفت: کتب خانہ مظہری مقابل صمدانی ہاسٹل، پوسٹ باکس: ۱۱۱۸۲، گلشن اقبال، کراچی، پاکستان

۲۱۔ جناب حاجی محمد افضل صاحب: تھل جوٹ مل لمیٹڈ، پانچویں منزل، چندریگر روڈ، پوسٹ باکس، ۵۲۶۶ کراچی، پاکستان

۲۲۔ جناب مولوی محمد مظہر میاں صاحب: معرفت کتب خانہ مظہری، مقابل صمدانی ہاسٹل پوسٹ باکس ۱۱۱۸۲، گلشن اقبال، کراچی، پاکستان

۲۳۔ جناب جمیل احمد صاحب: ۳، جی، ۲۵/۱ ناظم آباد، کراچی، پاکستان

۲۴۔ جناب غلام سرور صاحب: برٹش کوٹیک کلنیرس مال روڈ، نزد مسجد شہداء، لاہور، پاکستان

۲۵۔ جناب محمد انوار الحق صاحب: انجینئر عین، عزیزیہ، پوسٹ باکس، ۳۷۵۹، جدہ، سعودی عرب

۲۶۔ جناب مولوی یحییٰ بھام صاحب: پوسٹ باکس، ۵۷۵۲، لشینیا، ۱۸۲۰ ٹرانسوال، جنوبی افریقہ

۲۷۔ مولوی سلیمان گھانچی صاحب: ۹۶۸ ڈی، سکنڈ اسٹریٹ، ایشیاٹک بازار، جرمسڈ، ٹرانسوال، جنوبی افریقہ

۲۸۔ جناب حاجی عبدالحق صاحب ڈیسائی: پوسٹ باکس ۱۲۱۲۴، جاکولیس، ۴۰۲۶، ڈربن ناٹال، جنوبی افریقہ

۲۹۔ جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب: خادم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ۷۶، ڈھاکا نگر بیت الامان مسجد پوسٹ گندریا، ڈھاکہ بنگلا دیش (رحلت ہوگئی)

۳۰۔ جناب مولوی محمد ایوب صاحب سورتی: ۲۲ ہائی برن روڈ، ڈبلیوایف ۷۷اٹی ڈبلیو، باٹلی، ویسٹ یارک شائرلندن، انگلینڈ، یوکے

۳۱۔ جناب مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب: (۱) ساکن امام نگر، ڈاکخانہ ناظر ہاٹ، بنگلادیش

(۲) المرکز الفکر الاسلامی، بشوندرا، ڈھاکہ، بنگلادیش

۳۲۔ جناب مولانا صلاح الدین صاحب: محدث جامعہ اسلامیہ مدینہ، جاترا باڑی، ڈھاکہ، بنگلادیش

۳۳۔ جناب پروفیسر حمیدالدین صاحب: معرفت فضل الرحمٰن صاحب، ۶۷، ڈھالکا نگر، بیت الامان مسجد گندریا، ڈھاکہ، بنگلادیش

۳۴۔ جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب حیدرآبادی: پوسٹ باک ۶۲۰، جدہ، ۲۱۲۳۱سعودی عربیہ

۳۵۔ جناب احمد اعزاز صاحب حیدرآبادی: پوسٹ باکس ۲۶۷۷۷، جدہ ۲۱۴۶۱سعودی عربیہ، (سابق مجاز صحبت)

۳۶۔ جناب مولانا عبدالاحد صاحب: دارالعلوم تاراپور، ضلع کھیڑا، گجرات

۳۷۔ جناب حکیم محمد امین صاحب: ۱۰۸، ملا اسٹریٹ، پرنام بٹ، تمل ناڈو (رحلت ہوگئی)

۳۸۔ جناب مظہر حسین صاحب: معرفت پریاگ نرائن، اگروال ملنگوا، ضلع سیتامڑھی، نیپال (رحلت ہوگئی)

۳۹۔ جناب عبدالوکیل صاحب: مدرسہ فیض القرآن، مدینہ مسجد، اقبال نگر، پربھنی، مہاراشٹر

۴۰۔ جناب محمد ذاکر صاحب: رمنہ بالیسر، ضلع کٹک، اڑیسہ

۴۱۔ جناب صوفی عبدالصمد صاحب: کیپٹل مسجد یونٹ ۴، بھونیشور، اڑیسہ (رحلت ہوگئی)

۴۲۔ جناب مولانا عبدالرؤف صاحب سنسارپوری: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی (سابق مجاز صحبت)

۴۳۔ جناب مولوی عبدالرؤف صاحب بستوی: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی، (سابق مجازِ صحبت)

۴۴۔ جناب مولوی محمد افضال الرحمٰن صاحب: بیت الفضل، نمائش پورہ، ہردوئی، (سابق مجازِ صحبت)

۴۵۔ جناب منشی اسرار احمد صاحب: مجلس دعوۃ الحق ہردوئی، (سابق مجازِ صحبت)

۴۶۔ جناب مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری: نائب ناظم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڑھ

۴۷۔ جناب مولوی انعام احمد صاحب: صدر مدرسہ روضۃ العلوم، کاس گنج، ضلع ایٹہ (سابق مجازِ صحبت)

۴۸۔ جناب مولوی عبید حسن صاحب: مدرس روضۃ العلوم، کاس گنج، ضلع ایٹہ (سابق مجازِ صحبت)

۴۹۔ جناب ڈاکٹر منور حسین صاحب: معرفت حکیم کلیم اللہ صاحب، انونہ ہاؤس، سول لائن، علی گڑھ (سابق مجازِ صحبت)

۵۰۔ جناب مولوی انعام اللہ صاحب شاہجہانپوری: مدرسہ امدادیہ چوراہہ گلی، مرادآباد

۵۱۔ جناب مفتی محمد ارشد صاحب: سابق مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، جلال آباد، مظفرنگر

۵۲۔ جناب حافظ محمد اسحاق صاحب: نائب ناظم مدرسہ فیض العلوم سعید آباد، حیدرآباد (سابق مجازِ صحبت)

۵۳۔ جناب حاجی عبدالستار صاحب: مدرسہ فیض العلوم، سعید آباد، حیدرآباد، (سابق مجازِ صحبت)

۵۴۔ جناب سلیم اللہ غوری صاحب: ڈویژنل کارپویشن آفس، بھونگیر، ضلع نلگنڈہ، اے پی (سابق مجازِ صحبت)

۵۵۔ جناب مولوی عبدالمنان صاحب: مدرسہ امدادیہ اشرفیہ راجوپٹی، سیتامڑھی (سابق مجازِ صحبت)

۵۶۔ جناب مفتی محمد اسعد صاحب برادر مفتی سعید احمد صاحب: ۲۳ ملا اسٹریٹ، پرنام بٹ، تمل ناڈو (سابق مجازِ صحبت)

۵۷۔ جناب مفتی عبدالرشید صاحب: مدرسہ فیض العلوم، راحت گڑھ، ایم پی (سابق مجازِ صحبت)

۵۸۔ جناب مفتی افضل حسین صاحب: مدرس دارالعلوم الاسلامیہ بستی (رحلت ہوگئی)

۵۹۔ جناب قاری محفوظ صاحب: امام مسجد، جہانگیرآباد، پاکستان (رحلت ہوگئی)

۶۰۔ جناب منصور علی خاں صاحب: صندوق البرید ۱۴۳۲ جدہ، ۲۱۳۴۱، جدہ، سعودی عربیہ (سابق مجازِ صحبت)

۶۱۔ جناب عبدالمجید خاں صاحب ملیح آبادی: ۴۹ خیالی گنج لکھنؤ، (سابق مجازِ صحبت)

۶۲۔ جناب قاری خلیق اللہ صاحب: صندوق البرید ۱۱۴، مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ، سعودی عربیہ

۶۳۔ جناب بہاؤالدین سلیم صاحب حیدرآبادی: این ۶۱۵۱ گرین دیوشکا گو ۶۰۶۶۰ ون ایل ایل

۶۴۔ جناب مفتی محمود الحسن صاحب: مہتمم مدرسہ اسلامیہ، جاترا باڑی، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۶۵۔ جناب مفتی شمس الدین صاحب: استاد جامعہ پٹیہ، چاٹگام، بنگلا دیش

۶۶۔ جناب مولانا مفتی شفیع اللہ صاحب: مدرسہ خادم الاسلام گوہر گنگا، پوسٹ خادم الاسلام، وایا پاٹ گالی، ضلع گوپال گنج، بنگلا دیش

۶۷۔ جناب مفتی منصور الحق صاحب: نائب مہتمم مدرسہ رحمانیہ محمد پور، ڈھاکہ بنگلا دیش

۶۸۔ جناب پروفیسر غیاث الدین صاحب: نائب امیر تھانہ لال باغ، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۶۹۔ جناب مولانا امداد اللہ صاحب: شیخ الحدیث جامعہ امدادیہ، کشور گنج، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۷۰۔ جناب مولوی عبدالستار صاحب: مدرسہ بیت العلوم، ۴۱ نواب کٹرہ روڈ، نیم تلی، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۷۱۔ جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب: محدث جامعہ رحمانیہ عربیہ، محمد پور، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۷۲۔ جناب محمد میزان الرحمٰن صاحب: ناظم مدرسہ دعوۃ الحق، ۱۲۰۷، دیوتا ڈاکخانہ، بھولیر، ضلع غازی پور، بنگلا دیش

۷۳۔ جناب مولانا محب اللہ صاحب: مہتمم مدرسہ عزیز العلوم، بابونگر، پوسٹ فقیر ہاٹ، چاٹگام، بنگلا دیش،

۷۴۔ جناب مولانا محمد طیب صاحب: مہتمم مدرسہ عربیہ، جیری، پوسٹ جیری، چاٹگام، بنگلا دیش

۷۵۔ جناب مولانا محمد ارشد صاحب: مدرسہ قاسم العلوم (جمیل) بوگرہ، بنگلا دیش

۷۶۔ جناب مولانا سید احمد صاحب: مہتمم علماء بازار، نواکھالی، بنگلا دیش

۷۷۔ جناب مولانا قمر الدین صاحب: (۱) مدرسہ فیض العلوم بڑھل گنج، گورکھپور

(۲) دار المدرسین، محلّہ دیوان دیوبند، سہارنپور

۷۸۔ جناب قاری ابوالحسن صاحب اعظمی: صدر مدرس شعبۂ تجوید وقرات دارالعلوم دیوبند

۷۹۔ جناب انصار احمد صاحب کامل: چائل، ضلع آلہ آباد، یوپی

۸۰۔ جناب مولانا حکیم افسر پاشاہ صاحب: شفاء ڈسپنسری، انجمن اسٹریٹ، نادو پیٹ، گڑیاٹم تمل ناڈو
موجودہ پتہ: شفاء ڈسپنسری ۱۹ بنگلور روڈ، حضرت مکان ویلور، تمل ناڈو

۸۱۔ جناب مولانا بلال حسین صاحب تھانوی: مہتمم جامع العلوم اشرفیہ، باغپت، مظفرنگر، یوپی

۸۲۔ جناب صوفی ظہیر الدین صاحب: معرفت حکیم کلیم اللہ صاحب، انونہ ہاؤس، سول لائن علی گڑھ

۸۳۔ جناب مولانا حمید اللہ صاحب لون: دار العلوم سواء السبیل، کھانڈی پورہ، کاترسوکولگام، کشمیر

۸۴۔ جناب مولانا مظاہر الحق صاحب: قصبہ گدر پور، وارڈ ۱۴، مکان ۲۴، ضلع اودھم سنگھ نگر، اترانچل

۸۵۔ جناب مفتی شفقت اللہ صاحب: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

۸۶۔ جناب مفتی نور الحسن صاحب: مراد پور، ۱۸۹، ڈھاکہ، بنگلادیش

۸۷۔ جناب مفتی سعید الرحمٰن صاحب بستوی: ۴۴ دودھ والی بلڈنگ، دوسری منزل، کمرہ ۱۱، ۱۲، اسلام پورہ اسٹریٹ ممبئی ۴

۸۸۔ جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتح پوری: ۴۱۲، بزم صدیق، مولانا آزاد روڈ، ممبئی ۴

۸۹۔ جناب میزان الرحمٰن صاحب: مرکز اسلامی، بشوندرا، ڈھاکہ، بنگلادیش

۹۰۔ جناب حاجی حبیب صاحب: ہاوز نمبر ۶۹، روڈ نمبر ۸، دھان منڈی، ڈھاکہ، بنگلادیش، (سابق مجازِ صحبت)

۹۱۔ جناب مولانا انوار الحق صاحب: شیخ الحدیث ونائب مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مدینہ، جاترا باڑی، ڈھاکہ، بنگلادیش

۹۲۔ جناب مولانا رفیق احمد صاحب: امام بیت المکرّم مسجد وناظم تعلیمات ومحدث جامعہ اسلامیہ دار العلوم مدینہ، جاترا باڑی، ڈھاکہ بنگلادیش

۹۳۔ جناب مفتی عبید اللہ صاحب: امام صدیق بازار، جامع مسجد، محدث جامعہ عربیہ فرید آباد، ڈھاکہ، بنگلادیش

۹۴۔ جناب مفتی محمد سہیل صاحب: مرکز الفکر الاسلامی، بشوندرا، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۹۵۔ مولانا انور شاہ ابن اطہر علی صاحب: مہتمم جامعہ امدادیہ، کشور گنج، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۹۶۔ مولانا عبدالقدوس صاحب: مہتمم فرید آباد مدرسہ، ڈھاکہ، بنگلا دیش

۹۷۔ جناب مولانا شیر علی صاحب: ڈولی محلّہ ترکیشور، ۳۹۴۵۱۷، ضلع سورت، گجرات

۹۸۔ جناب مولوی محمد زکریا صاحب: قصبہ کیرانہ، ضلع مظفرنگر، یوپی

۹۹۔ عزیزم حاجی علیم الحق سلمہ: حقی منزل، ہردوئی

۱۰۰۔ حافظ عبداللہ عبدالحق صاحب: سملک، ڈابھیل، ضلع نوساری، گجرات

۱۰۱۔ جناب مولوی محمد یعقوب اشرف صاحب، دارالعلوم اشرفیہ، راندیر، ضلع سورت، گجرات

۱۰۲۔ جناب مولوی محمد ایوب صاحب: دارالعلوم اشرفیہ، راندیر، ضلع سورت، گجرات

۱۰۳۔ جناب مولانا حافظ محمد قاسم صاحب: عامل مدرسہ ناظر ہاٹ، چاٹگام، بنگلا دیش

مجازین صحبت: (اتر پردیش)

۱۔ جناب ماسٹر مولیٰ بخش صاحب: محلّہ خزانچی ٹولہ، ہردوئی، یوپی (رحلت ہوگئی)

۲۔ جناب مولوی عبدالمتین صاحب گونڈوی، مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی یوپی

۳۔ جناب مولوی محمد شعیب صاحب بستوی: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی یوپی

۴۔ جناب مولوی فیض الحسن صاحب: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی یوپی

۵۔ جناب مولوی حافظ عبید الرحمٰن صاحب: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی یوپی

۶۔ جناب مولوی محمد احمد صاحب: صدر مدرس جامع العلوم محلّہ صلحاڑہ، قصبہ بلگرام، ضلع ہردوئی (رحلت ہوگئی)

۷۔ جناب مولوی فتح الرحمٰن صاحب: موضع سہادا، ضلع باندھ یوپی

۸۔ جناب سید محمد زبیر صاحب: موضع لکڑیا مئو، پوسٹ نیم سار، ضلع سیتاپور، یوپی

۹۔ جناب مولوی سراج محمد صاحب افغانی: مسجد چھتہ دارالعلوم دیوبند، ضلع سہارنپور یوپی

۱۰۔ جناب مولوی محمد فاروق صاحب: صدر مدرس مدرسہ مصباح العلوم، کیول ہار، ملیح آباد، لکھنؤ

۱۱۔ جناب مولانا اکرام اللہ صاحب: مدرس مدرسہ جامع الہدیٰ، بڑی مسجد گلشہید، مرادآباد یوپی

۱۲۔ قاری محمد الیاس صاحب: انونہ ہاؤس، سول لائن، علی گڑھ

(آندھرا پردیش)

۱۳۔ جناب کمال الدین صاحب پاشاہ وظیفہ یاب: مدرس فیض العلوم، سعیدآباد، حیدرآباد (رحلت ہوگئی)

۱۴۔ جناب مولوی عبدالغنی صاحب: مدرسہ اشرف العلوم، خواجہ باغ، حیدرآباد، اے۔ پی

۱۵۔ جناب محمد باقر خاں صاحب: باقر باغ، سعیدآباد، حیدرآباد، اے۔ پی

۱۶۔ جناب عبدالرحیم صاحب: چنچل گوڑہ، حیدرآباد، اے۔ پی

۱۷۔ جناب مولوی عبدالمغنی صاحب: نائب ناظم مدرسہ سبیل الفلاح، بنڈلہ گوڑہ، حیدرآباد، اے۔ پی

۱۸۔ جناب مولوی ولی الدین صاحب: مدرس مدرسہ فیض العلوم، سعیدآباد، حیدرآباد، اے۔ پی

۱۹۔ جناب مولوی عبدالمعز صاحب: امام مسجد حضورنگر، ضلع نلگنڈہ، اے۔ پی

(اڑیسہ)

۲۰۔ جناب مولوی فضل الحق صاحب: بمعرفت محمد عارف صاحب، موضع بڑامنگل پور، دھرم شالہ، ضلع کٹک، اڑیسہ

۲۱۔ جناب سید محمد زبیر صاحب: منیجر کول پوسٹ بکس ۸۷، بھونیشور، اڑیسہ

(مہاراشٹر)

۲۲۔ جناب حاجی عبدالمجید صاحب: صدر مدرس مدرسہ فیض القرآن، مدینہ مسجد، اقبال نگر، پربھنی، مہاراشٹر، (رحلت ہوگئی)

۲۳۔ جناب عبدالشکور صاحب: ۸۲ دون تاڑ کراس لین، دوسرا مالا، روم (۱۱) ممبئی ۹

بیرونی ممالک (انگلینڈ)

۲۴۔ جناب حافظ محمد ماکدار صاحب: ۸۱ وارویک روڈ، باٹلی ویسٹ یارک شائر، ڈبلیوایف ۱۷، اے پی ٦، انگلینڈ

(بنگلا دیش)

۲۵۔ جناب مولوی احمد اللہ صاحب: معرفت یونس میاں صاحب ۹۱۲ ۷، ایم عبدالحئی روڈ، ڈھاکہ ۴، ۷، بنگلا دیش

۲۶۔ جناب مولوی ناظم الدین صاحب: مدرسہ دارالعلوم اترا، ڈھاکہ، بنگلا دیش

(پاکستان)

۲۷۔ جناب محمد شفیق احمد خاں صاحب: معرفت حکیم محمد اختر، گلشن اقبال ۲ پوسٹ بکس: ۱۱۱۸۲، کراچی، پاکستان۔

۲۸۔ جناب ڈاکٹر قرار احمد صاحب: مکان نمبر ۶۰، سکٹر ایل بی ٹاؤن شپ، نارتھ کراچی ۲۶، پاکستان (رحلت ہوگئی)

۲۹۔ جناب مولوی محمد بشیر صاحب: خطیب جامع مسجد الفلاح، بلاک ایچ پوسٹ باکس: ۹۲۲، نارتھ ناظم آباد، کراچی، پاکستان (رحلت ہوگئی)

۳۰۔ جناب مولوی نذیر حسین صاحب: ۲۲۴، بی نیو سمیل روڈ، مغل پورہ، لاہور، پاکستان

(سعودی عربیہ)

۳۱۔ جناب محمد صدیق صاحب بھوئیرا: ص، ب، ۸۵۰۸، جدہ، سعودی عربیہ

۳۲۔ جناب محمد اسماعیل صاحب بھوئیرا ص، ب، ۸۵۰۸، جدہ، سعودی عربیہ

۳۳۔ جناب ابراہیم رشید سلمہ: ابن الرشید فارمیسی مقابل عبداللہ ہاشم، جدہ، سعودی عربیہ

۳۴۔ ریاض الدین صاحب: ص ب، ۳۹۵۸، مدینہ منورہ، سعودی عربیہ

حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مجازین (مجازین بیعت وصحبت) کی یہ آخری وکمل فہرست ہے۔ معرفت حکیم محمد کلیم اللہ صاحب ناظم مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

کتابیات

کتابیات

۱۔ القرآن الکریم

تفاسیر:

۲۔ اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، مکتبہ تاج پبلیشرز، دہلی، ۱۳۵۳ء

۳۔ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی، تفسیر مظہری، مکتبہ ندوۃ المصنّفین، دہلی،

۴۔ مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، مکتبہ ربانی بک ڈپو، دہلی، ۱۹۸۹ء

۵۔ فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، مکتبہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۶۔ سید محمود آلوسی بغدادی، تفسیر روح المعانی، مکتبہ مصطفائیہ، دیوبند

احادیث:

۷۔ احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، مکتبہ دار الحدیث، قاہرہ، مصر، ۱۴۱۶ھ

۸۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، مکتبہ رشیدیہ، دہلی،

۹۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی، مکتبہ رشیدیہ، دہلی

۱۰۔ سلیمان بن اشعث بحستانی، سنن ابی داؤد، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند

۱۱۔ مسلم بن حجاج القشیری، صحیح المسلم مکتبہ رشیدیہ، دہلی

۱۲۔ ولی الدین خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، مکتبہ نعیمیہ، دیوبند

عربی کتب:

۱۳۔ محمد امین الشہیر ابن عابدین، رد المحتار، مکتبہ دار الفکر بیروت، لبنان ۱۹۹۲ء

۱۴۔ عبد الحیؒ حسنی، نزہۃ الخواطر، مجلس دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدر آباد، ۱۹۵۵ء

۱۵۔ علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مکتبہ شرکۃ المطبوعات العلمیۃ، مصر،

اردو کتب:

۱۶۔ ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ، مکتبہ فردوس، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء

۱۷۔ ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۱۹۸۴ء

۱۸۔ قاری ابوالحسن، ذکرِ ابرار، مکتبہ صوت القرآن، دیوبند، ۱۴۲۰ھ

۱۹۔ شاہ ابرارالحق، اشرف النصائح لاصلاح القبائح، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۴۱۱ھ

۲۰۔ شاہ ابرارالحق، اشرف النظام لاصلاح العام والتام، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۹۷۹ء

۲۱۔ شاہ ابرارالحق، اصلاح الغیبۃ (پرچہ)، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۲۲۔ شاہ ابرارالحق، اصلاحِ معاشرہ (پرچہ)، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۲۳۔ شاہ ابرارالحق، ہدیۂ احقر (پرچہ)، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۲۴۔ شاہ ابرارالحق، ہماری تباہی اور پریشانی کا آسان حل (پرچہ)، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی،

۲۵۔ احمد سعید، بزم اشرف کے چراغ، مکتبہ دارالکتاب، دیوبند، ۱۹۹۷ء

۲۶۔ سید احمد قادری، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاد بک ڈپو، پٹنہ، ۱۹۹۴ء

۲۷۔ حکیم محمد اختر، مجالسِ ابرار، مکتبہ زمزم بک ڈپو، دیوبند، ۱۳۹۶ء

۲۸۔ حکیم محمد اختر، معرفۃ الٰہیہ، مکتبہ الفلاح، دیوبند

۲۹۔ اشرف علی تھانوی: دعوۃ الحق، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۳۷۰ھ

۳۰۔ اظہر کریم: ملفوظات ابرار، مجلس اشاعت الحق، بھونیشور، اڑیسہ، ۱۴۱۷ھ

۳۱۔ سید افسر پاشاہ: حیات محی السنہ، مکتبہ حقی پبلیشرز، ویلور (تمل ناڈو)، ۲۰۰۶ء

۳۲۔ محمد افضال الرحمٰن: اخلاص کی ضرورت اور اس کا حل، مجلس احیاء سنت، ہردوئی، ۱۴۲۱ھ

۳۳۔ محمد افضال الرحمٰن: تعلیم السنۃ، مکتبہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۴۰۹ھ

۳۴۔ محمد افضال الرحمٰن: شکر کی ضرورت اور اسکا طریقہ، مکتبہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۴۱۸ھ

۳۵۔ محمد افضال الرحمٰن: طریق الصبر، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۱۰ھ

۳۶۔ محمد افضال الرحمٰن: مجالسِ محی السنہ، مجلس احیاء سنت، ہردوئی، ۱۴۱۶ھ

۳۷۔ محمد افضال الرحمٰن: ملفوظات ابرار، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۱۶ھ

۳۸۔ محمد افضال الرحمٰن: منصب مؤمن، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۱۸ھ

۳۹۔ محمد افضال الرحمٰن: مؤمن کی پہچان، مکتبہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۴۱۸ھ

۴۰۔ خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتبہ ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۳ء

۴۱۔ محمد زکریا کاندھلوی: الاعتدال فی مراتب الرجال، مکتبہ اشاعت العلوم، سہارنپور، ۱۳۵۷ھ

۴۲۔ محمد زید مظاہری: نقوشِ ابرار، مکتبہ افاداتِ اشرفیہ، دو بگہ، لکھنؤ، ۱۴۲۸ھ

۴۳۔ سعید الرحمٰن اعظمی: حضرت مولانا ابرار الحق حقی ایک تذکرہ، مکتبہ ادارہ احیاء السنۃ، واصلاح المنکرات لکھنؤ، ۲۰۰۵

۴۴۔ سید محمد شاہد: تالیفات شیخ، مکتبہ یحیوی، سہارنپور

۴۵۔ سید محمد شاہد: حیاتِ شیخ، مکتبہ یادگارِ شیخ، سہارنپور، ۲۰۰۴ء

۴۶۔ سید محمد شاہد: علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات، مکتبہ یادگارِ شیخ، سہارنپور، ۲۰۰۵ء

۴۷۔ شکیل احمد سنسارپوری: گلشنِ ابرار، مکتبہ نوائے حرم، نیو سیلم پور، دہلی، ۱۴۱۶ھ

۴۸۔ محمد صدیق باندوی: آداب المتعلمین، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند، ۱۳۹۲ھ

۴۹۔ محمد عبدالحیؒ: مآثر حکیم الامۃ، مکتبہ رحمانیہ، دہلی، ۱۳۹۷ھ

۵۰۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، (اردو ترجمہ سبحان محمود و محمد فاضل)، مکتبہ دانش، دیوبند

۵۱۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب: اشرف السوانح، مکتبہ ثناء اللہ خاں اینڈ سنز، لاہور (پاکستان)، ۱۳۷۸ھ

۵۲۔ محمد فاروق میرٹھی: حیاتِ ابرار، مکتبہ جامعہ محمود، علی پور، میرٹھ، ۱۹۲۶ء

۵۳۔ محمد فاروق میرٹھی: حیاتِ محمود، مکتبہ جامعہ محمودیہ علی پور، میرٹھی، ۱۹۲۸ء

۵۴۔ فیروز اختر ندوی: ذکرِ زکریا، مرکز الشیخ ابوالحسن ندوی، اعظم گڑھ، ۱۹۲۶ء

۵۵۔ محمد قمر الزماں الٰہ آبادی: امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد، ۲۰۰۵ء

۵۶۔ محمد قمر الزماں الٰہ آبادی: تذکرہ مصلح الامت، مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد

۵۷۔ محمد کاظم ندوی: محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق نقوش وتاثرات، مکتبہ علی میاں اکیڈمی، کاکوری، لکھنؤ، ۲۰۰۵ء

۵۸۔ ماجد علی خاں: حضرت مولانا شاہ عبداللطیف اور آپ کے مشائخ ایک تعارف، اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، دہلی، ۱۹۹۴ء

۵۹۔ مجلس دعوۃ الحق کا اجمالی تعارف وخدمات: مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۳۰ھ
۶۰۔ محبوب احمد قمر الزماں الہ آبادی: تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ۱۴۲۳ھ
۶۱۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دار العلوم دیوبند، ادارۂ اہتمام دار العلوم دیوبند، ۱۴۱۴ھ
۶۲۔ محمود حسن حسنی: سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقی، مکتبہ صدق فاؤنڈیشن، گولہ گنج لکھنؤ، ۲۰۰۷ء
۶۳۔ نور محمد لدھیانوی، مکمل نورانی قاعدہ، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۴۲۲ھ
۶۴۔ محمد یامین مفتاحی، تحفۃ الابرار، مکتبہ اشرفیہ ہردوئی، ۱۹۹۷ء
۶۵۔ محمد یوسف متالا: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفاءِ کرام، مکتبہ یحیوی، سہارنپور، ۲۰۰۸ء

اخبار ورسائل:

۶۶۔ الابرار (ماہنامہ)، جامعہ اشرف العلوم، گلشن اقبال، کراچی (پاکستان)، محرم الحرام، ۱۴۳۱ھ
۶۷۔ ارمغان محی السنہ نمبر (ماہنامہ)، پھلت (مظفرنگر)، جولائی واگست، ۲۰۰۵ء
۶۸۔ الاساتذہ (ماہنامہ)، ٹرانسپورٹ نگر، مرادآباد، اپریل، ۲۰۰۶ء
۶۹۔ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر (ماہنامہ)، دفتر آئینہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، جولائی۔ستمبر ۲۰۰۵ء
۷۰۔ ترجمان دیوبند (ماہنامہ)، دفتر ماہنامہ ترجمان دیوبند، جولائی واگست، ۲۰۰۵ء
۷۱۔ تعمیر حیات (پندرہ روزہ)، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جون، ۲۰۰۵ء
۷۲۔ الداعی (مجلّہ)، دار العلوم دیوبند، سہارنپور، جمادی الثانی ورجب، ۱۴۲۶ھ
۷۳۔ دعوۃ الحق (ماہنامہ)، مقامی مجلس دعوۃ الحق، پرنام بٹ (تمل ناڈو)، شوال المکرّم، ۱۴۲۶ھ
۷۴۔ راشٹریہ سہارا (روزنامہ)، نئی دہلی، شمارہ ۱۹ ر مئی، ۲۰۰۶ء
۷۵۔ الرشاد (ماہنامہ)، اعظم گڑھ، جون، ۲۰۰۵ء
۷۶۔ ریاض الجنۃ (ماہنامہ)، مدرسہ ریاض العلوم گرینی، جونپور،، ۲۰۰۹ء
۷۷۔ ندائے شاہی (ماہنامہ)، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد، اگست، ۲۰۰۵ء
۷۸۔ www.darsequran.com.articles.urdu

کتابیات

کتابیات

۱۔ القرآن الکریم

تفاسیر:

۲۔ اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، مکتبہ تاج پبلیشرز، دہلی، ۱۳۵۳ء

۳۔ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی، تفسیر مظہری، مکتبہ ندوۃ المصنّفین، دہلی،

۴۔ مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، مکتبہ ربانی بک ڈپو، دہلی، ۱۹۸۹ء

۵۔ فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، مکتبہ داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۶۔ سید محمود آلوسی بغدادی، تفسیر روح المعانی، مکتبہ مصطفائیہ، دیوبند

احادیث:

۷۔ احمد بن محمد بن جنبل، مسند احمد، مکتبہ دارالحدیث، قاہرہ، مصر، ۱۴۱۶ھ

۸۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، مکتبہ رشیدیہ، دہلی،

۹۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی، مکتبہ رشیدیہ، دہلی

۱۰۔ سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داؤد، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند

۱۱۔ مسلم بن حجاج القشیری، صحیح المسلم مکتبہ رشیدیہ، دہلی

۱۲۔ ولی الدین خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، مکتبہ نعیمیہ، دیوبند

عربی کتب:

۱۳۔ محمد امین الشہیر ابن عابدین، ردالمحتار، مکتبہ دارالفکر بیروت، لبنان ۱۹۹۲ء

۱۴۔ عبدالحئ حسنی، نزہۃ الخواطر، مجلس دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۵۵ء

۱۵۔ علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مکتبہ شرکۃ المطبوعات العلمیۃ، مصر،

اردو کتب:

۱۶۔ ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ، مکتبہ فردوس، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء

۱۷۔ ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۱۹۸۴ء

۱۸۔ قاری ابوالحسن، ذکرِ ابرار، مکتبہ صوت القرآن، دیوبند، ۱۴۲۰ھ

۱۹۔ شاہ ابرارالحق، اشرف النصائح لاصلاح القبائح، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۴۱۱ھ

۲۰۔ شاہ ابرارالحق، اشرف النظام لاصلاح العام والتام، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۹۷۹ء

۲۱۔ شاہ ابرارالحق، اصلاح الغیبۃ (پرچہ)، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۲۲۔ شاہ ابرارالحق، اصلاحِ معاشرہ (پرچہ)، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۲۳۔ شاہ ابرارالحق، ہدیۂ احقر (پرچہ)، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

۲۴۔ شاہ ابرارالحق، ہماری تباہی اور پریشانی کا آسان حل (پرچہ)، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی،

۲۵۔ احمد سعید، بزم اشرف کے چراغ، مکتبہ دارالکتاب، دیوبند، ۱۹۹۷ء

۲۶۔ سید احمد قادری، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاد بک ڈپو، پٹنہ، ۱۹۹۴ء

۲۷۔ حکیم محمد اختر، مجالسِ ابرار، مکتبہ زمزم بک ڈپو، دیوبند، ۱۳۹۶ء

۲۸۔ حکیم محمد اختر، معرفۃ الٰہیہ، مکتبہ الفلاح، دیوبند

۲۹۔ اشرف علی تھانوی: دعوۃ الحق، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۳۷۰ھ

۳۰۔ اظہر کریم: ملفوظات ابرار، مجلس اشاعت الحق، بھونیشور، اڑیسہ، ۱۴۱۷ھ

۳۱۔ سید افسر پاشاہ: حیات محی السنہ، مکتبہ حقی پبلیشرز، ویلور (تمل ناڈو)، ۲۰۰۶ء

۳۲۔ محمد افضال الرحمٰن: اخلاص کی ضرورت اور اس کا حل، مجلس احیاء سنت، ہردوئی، ۱۴۲۱ھ

۳۳۔ محمد افضال الرحمٰن: تعلیم السنۃ، مکتبہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۴۰۹ھ

۳۴۔ محمد افضال الرحمٰن: شکر کی ضرورت اور اسکا طریقہ، مکتبہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۴۱۸ھ

۳۵۔ محمد افضال الرحمٰن: طریق الصبر، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۱۰ھ

۳۶۔ محمد افضال الرحمٰن: مجالسِ محی السنہ، مجلس احیاء سنت، ہردوئی، ۱۴۱۶ھ

۳۷۔ محمد افضال الرحمٰن: ملفوظات ابرار، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۱۶ھ

۳۸۔ محمد افضال الرحمٰن: منصب مؤمن، مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۱۸ھ

۳۹۔ محمد افضال الرحمٰن: مؤمن کی پہچان، مکتبہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۴۱۸ھ

۴۰۔ خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتبہ ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۳ء

۴۱۔ محمد زکریا کاندھلوی: الاعتدال فی مراتب الرجال، مکتبہ اشاعت العلوم، سہارنپور، ۱۳۵۷ھ

۴۲۔ محمد زید مظاہری: نقوشِ ابرار، مکتبہ افاداتِ اشرفیہ، دو بگہ، لکھنؤ، ۱۴۲۸ھ

۴۳۔ سعید الرحمٰن اعظمی: حضرت مولانا ابرار الحق حقی ایک تذکرہ، مکتبہ ادارہ احیاء السنۃ، واصلاح المنکرات لکھنؤ، ۲۰۰۵

۴۴۔ سید محمد شاہد: تالیفات شیخ، مکتبہ یحیوی، سہارنپور

۴۵۔ سید محمد شاہد: حیاتِ شیخ، مکتبہ یادگارِ شیخ، سہارنپور، ۲۰۰۴ء

۴۶۔ سید محمد شاہد: علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات، مکتبہ یادگارِ شیخ، سہارنپور، ۲۰۰۵ء

۴۷۔ شکیل احمد سنسارپوری: گلشنِ ابرار، مکتبہ نوائے حرم، نیو سیلم پور، دہلی، ۱۴۱۶ھ

۴۸۔ محمد صدیق باندوی: آداب المتعلمین، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند، ۱۳۹۲ھ

۴۹۔ محمد عبدالحئ: مآثر حکیم الامۃ، مکتبہ رحمانیہ، دہلی، ۱۳۹۷ھ

۵۰۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، (اردو ترجمہ سبحان محمود و محمد فاضل)، مکتبہ دانش، دیوبند

۵۱۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب: اشرف السوانح، مکتبہ ثناء اللہ خاں اینڈ سنز، لاہور (پاکستان)، ۱۳۷۸ھ

۵۲۔ محمد فاروق میرٹھی: حیاتِ ابرار، مکتبہ جامعہ محمود، علی پور، میرٹھ، ۱۹۲۶ء

۵۳۔ محمد فاروق میرٹھی: حیاتِ محمود، مکتبہ جامعہ محمودیہ علی پور، میرٹھی، ۱۹۲۸ء

۵۴۔ فیروز اختر ندوی: ذکرِ زکریا، مرکز الشیخ ابوالحسن ندوی، اعظم گڑھ، ۱۹۲۶ء

۵۵۔ محمد قمر الزماں الٰہ آبادی: امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد، ۲۰۰۵ء

۵۶۔ محمد قمر الزماں الٰہ آبادی: تذکرہ مصلح الامت، مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد

۵۷۔ محمد کاظم ندوی: محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق نقوش و تاثرات، مکتبہ علی میاں اکیڈمی، کاکوری، لکھنؤ، ۲۰۰۵ء

۵۸۔ ماجد علی خاں: حضرت مولانا شاہ عبداللطیف اور آپ کے مشائخ ایک تعارف، اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، دہلی، ۱۹۹۴ء

۵۹۔ مجلس دعوۃ الحق کا اجمالی تعارف وخدمات: مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی، ۱۴۳۰ھ
۶۰۔ محبوب احمد قمر الزماں الہ آبادی: تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، مکتبہ دارالمعارف الہ آباد، ۱۴۲۳ھ
۶۱۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند، ۱۴۱۴ھ
۶۲۔ محمود حسن حسنی: سوانح حضرت مولانا ابرارالحق حقی، مکتبہ صدق فاؤنڈیشن، گولہ گنج لکھنؤ، ۲۰۰۷ء
۶۳۔ نور محمد لدھیانوی، مکمل نورانی قاعدہ، مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی، ۱۴۲۲ھ
۶۴۔ محمد یامین مفتاحی، تحفۃ الابرار، مکتبہ اشرفیہ ہردوئی، ۱۹۹۷ء
۶۵۔ محمد یوسف متالا: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفاءِ کرام، مکتبہ یحیوی، سہارنپور، ۲۰۰۸ء

اخبار ورسائل:

۶۶۔ الابرار (ماہنامہ)، جامعہ اشرف العلوم، گلشن اقبال، کراچی (پاکستان)، محرم الحرام، ۱۴۳۱ھ
۶۷۔ ارمغان محی السنہ نمبر (ماہنامہ)، پھلت (مظفرنگر)، جولائی واگست، ۲۰۰۵ء
۶۸۔ الاساتذہ (ماہنامہ)، ٹرانسپورٹ نگر، مرادآباد، اپریل، ۲۰۰۶ء
۶۹۔ آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر (ماہنامہ)، دفتر آئینہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، جولائی۔ستمبر ۲۰۰۵ء
۷۰۔ ترجمان دیوبند (ماہنامہ)، دفتر ماہنامہ ترجمان دیوبند، جولائی واگست، ۲۰۰۵ء
۷۱۔ تعمیر حیات (پندرہ روزہ)، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جون، ۲۰۰۵ء
۷۲۔ الداعی (مجلّہ)، دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، جمادی الثانی ورجب، ۱۴۲۶ھ
۷۳۔ دعوۃ الحق (ماہنامہ)، مقامی مجلس دعوۃ الحق، پرنام بٹ (تمل ناڈو)، شوال المکرّم، ۱۴۲۶ھ
۷۴۔ راشٹریہ سہارا (روزنامہ)، نئی دہلی، شمارہ ۱۹ رمئی، ۲۰۰۶ء
۷۵۔ الرشاد (ماہنامہ)، اعظم گڑھ، جون، ۲۰۰۵ء
۷۶۔ ریاض الجنۃ (ماہنامہ)، مدرسہ ریاض العلوم گرینی، جونپور، ۲۰۰۹ء
۷۷۔ ندائے شاہی (ماہنامہ)، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد، اگست، ۲۰۰۵ء
۷۸۔ www.darsequran.com.articles.urdu